بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

فَمَنْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی و ثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان
شمارہ:- ۲۰۹- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء

خصوصی شمارہ

عرفان وتصوف اسلامی در ہند

جلد یکم

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی
خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون : ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷
newdelhi@icro.ir
http://newdelhi.icro.ir

شمارہ: ۲۰۹، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سیّد عبدالحمید ضیائی

ایڈیٹر: پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی

مشاورین علمی

پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، ڈاکٹر اوصاف علی، پروفیسر شاہ محمد وسیم
ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر سید اختر مہدی رضوی
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سیّد علی محمد نقوی

مدیر اجرائی : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی وکمپوزنگ : محمد یاسین

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب واصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہوتو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کردیا جائے۔

فہرست

شمارہ:- ۲۰۹- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء

اداریہ	**ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی**	۷
حرف اوّل	**پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی**	۸
تصوف اسلامی حضرت علیؑ سرچشمۂ عرفان	**پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی**	۱۴
عرفان وتصوف نہج البلاغہ کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد تعظیم	۲۶
ایک شیعہ صوفی: سید حسین خنگ سوار	پروفیسر عراق رضا زیدی	۴۰
تصوف اور حضرت میر سید علی ہمدانی	پروفیسر محمد صدیق نیاز مند	۵۳
سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء	خواجہ حسن ثانی نظامی	۶۴
تصوف، صوفیاء اور ان کے خصوصیات عالیہ	پروفیسر شاہ محمد وسیم	۷۱
اسلامی تصوف: ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی	۷۹
حضرت شرف الدین شاہ ولایت کے احوال وآثار	سید قیصر مبین نقوی	۹۸
ملا صدرا کا رسالہ وحدۃ الوجود ایک جائزہ	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	۱۱۱
ارشاد الطالبین، شیخ جلال الدین تھانیسری	ڈاکٹر ظفر الاسلام	۱۲۱
ہندوستان کے مختلف صوبوں میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۱۲۶
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے۔	پروفیسر رقیہ زین الدین	۱۳۹
اسلامی تصوف اور ہندوستان	اظہار عثمانی	۱۴۷
صوفیانہ ادب.....لطائف کے حوالہ سے	پروفیسر ریاض الاسلام	۱۵۳
ذخیرۂ جلالی کے چار اہم مخطوطات	کمال الدین حسین ہمدانی	۱۷۱
چودھویں صدی ...شیخ اخی جمشید راجگیری کے ملفوظات	ڈاکٹر مقصود احمد خاں	۱۹۰
ٹونک میں محفوظ تصوف کے چند اہم مخطوطات	شوکت علی خاں	۱۹۹

مکتوبات سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانی کا ایک نادر نسخہ	ڈاکٹر مودود اشرف	۲۰۸
تصوف کے چند نادر مخطوطات	محمود حسن قیصر	۲۱۳
رامپور میں تصوف کے چند اہم مخطوطات	شعائر اللہ خاں	۲۱۶
سالار جنگ میوزیم میں تصوف کے اُردو مخطوطات	ڈاکٹر سیدہ اصفیا کوثر	۲۱۹
محبت ہی تصوف ہے	پروفیسر شریف حسین قاسمی	۲۲۶
تصوف اور اہل تشیع	سید عزیز الدین حسین	۲۳۳
سید شاہ اشرف علی	پروفیسر طلعت عزیز	۲۴۳
کتابوں کا تعارف : نقد و تبصرہ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	۲۴۶
اصطلاحات تصوف	شاہ خالد میاں فاخری	۲۵۳

اداریہ

تصوف، اسلامی معاشرے کا اہم موضوع رہا ہے۔ ہندوستان میں تصوف کی شاندار تاریخ سے انکار نا گزیر ہے۔ اس ضمن میں گرچہ محققین نے اپنی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں پھر بھی مزید تحقیقی وتصنیفی کام کی ضرورت ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ ہندوستان میں تصوف پر جو کام ہوا ہے اسے خصوصی شمارے کی شکل میں دستاویز کی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ لہٰذا راہ اسلام کا عرفان وتصوف اسلامی پر یہ خصوصی شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ہم نے خدا بخش لائبریری اور ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کے شائع شدہ مضامین کو بھی اس مجلّے میں شامل کیا ہے۔اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اس خصوصی شمارہ کے ایڈیٹر پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی سابق صدر شعبۂ تاریخ وثقافت جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ہیں، کیونکہ تصوف آپ کا خاص موضوع رہا ہے اس لئے ہم نے انہیں اداریہ کی جگہ حرف اوّل لکھنے کے لئے کہا تا کہ ہمارے محترم قارئین تصوف پر تحقیقی مقالات کا مطالعہ کرنے سے پہلے حرف اوّل کا مطالعہ کرلیں، جس کے ذریعہ قارئین کو تصوف کا ہندوستانی پس منظر اور بنیادی معلومات نیز تاریخ کا اندازہ ہوسکے۔

ہم اس مجلّے کی اشاعت کے لئے پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین، پروفیسر شاہ محمد وسیم ، پروفیسر عراق رضا زیدی، جناب مجید احمدی ، جناب سید علی ظہیر نقوی ،جناب مہدی باقر اور جناب محمد یٰسین کے شکر گزار ہیں کہ ان کی ذاتی دلچسپی کی بناء پر یہ اہم اور تحقیقی مجلّہ دانشوروں تک پہونچ سکا امید ہے کہ اس مجلّے سے تاریخ اور تصوف سے متعلق اساتذہ اور ریسرچ اسکالرس مستفید ہوں گے ۔

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر سید عبد الحمید ضیائی

حرف اوّل

تصوف کی بنیاد قرآن اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ تصوف وعرفان کا تیسرا اہم ماخذ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات اور مکتوبات ہیں۔ اس کے بعد محی الدین ابن العربی کی فتوحات مکیہ، شیخ شہاب الدین کی عوارف المعارف ، شیخ ہجویری کی کشف المحجوب اور مولانا جلال الدین کی مثنوی ہے جو تصوف کے مختلف پہلوؤں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پھر ہندوستان میں صوفیاء کے ملفوظات ، مکتوبات اور ان کا منظوم کلام ہے جو تصوف پر ایک اہم ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔

لیکن تصوف نے تحریک کی شکل ۶۶۱ھ میں اس وقت اختیار کی جب اسلامی جمہوریہ کو یزید کی جانشینی کے فیصلے نے موروثی ملوکیت میں تبدیل کردیا۔ اب صوفیاء نے دین اسلام کے تحفظ کے لئے باقاعدہ طور پر تحریک چلائی اور اپنے آپ کو حکومت وقت سے ہر طرح علحدہ کرلیا اور اپنے خلفا سے بھی یہ شرط رکھی کہ وہ بھی حکومت وقت سے کسی طرح کا الحاق نہیں رکھیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی مالی تعاون قبول کریں گے، اس لئے کہ اب حکومت بنی امیہ، مسلمانوں سے بھی جزیہ وصول کررہی تھی اور مسلمانوں کو عرب اور غیر عرب کی بنیاد پر تقسیم کررہی تھی۔ اسلامی اصول مساوات کو بری طرح پامال کردیا تھا۔ اب صوفیا نے تحریک کو سلسلوں کی شکل دی تاکہ یہ تمام سلسلے دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل جائیں اور وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیں۔

صوفی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان بھی اس کا اہم مرکز بنا اور مختلف صوفی سلسلے ہندوستان آئے۔ شروع میں ملتان، اجمیر اور دہلی اس کے مرکز بنے اور پھر ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبات میں صوفیا نے اپنے خلفا بھیجے۔ نتیجہ کے طور پر صوفیاء کرام کو ہندوستانی سماج میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ صوفیاء نے بنیادی طور پر دو اصولوں کی پیروی اور تبلیغ کی ایک توحید ورسالت یعنی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دوسرے محبت اہل بیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ جس کے لئے ارشاد رب العزت ہے۔ قل لااسئلکم علیه اجرا الا المودت فی القربیٰ ۔ صوفیاء نے اسلام کے صلح کے پیغام کو لوگوں تک پہونچایا اس کے لئے انہوں نے اپنی خانقاہوں کے در وازوں کو بلاتفریق مذہب وملت سب کے لئے کھول دیا۔ قرآن کی اس آیت رب العالمین کی پیروی کرتے ہوئے ۔

خانقاہوں میں آنے اور تذکیر میں حصہ لینے میں تبدیلیٔ مذہب کی کوئی شرط نہیں رکھی۔ صوفیاء کے اس رویے نے ہندوستانیوں کے دلوں میں ایک جگہ بنائی۔ جس کی عکاسی آج بھی ان کے وصال کے چھ سو یا آٹھ سو سال گذرنے کے بعد بھی نظر آتی ہے۔ ان کی درگاہوں کی ہندوستانی عوام کے قلب ودماغ میں ان کے مقام کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ جب ۱۹۴۷ میں تقسیم ہند کے فیصلے کے بعد پنجاب اور اترپردیش کے زیادہ تر مسلمان خاص کر پانی پت، سونی پت، تھانیسر، کرنال سے پاکستان ہجرت کر گئے اور ان قصبات میں ایک بھی مسلمان نہ رہاحالانکہ اس دور میں بہت قتل وغارت اور لوٹ مار ہوئی لیکن صوفیاء کی کسی درگاہ کو اس جنونی حالت میں بھی کسی نے نقصان نہیں پہونچایا بلکہ آج بہت سی درگاہوں کے انتظام وانسرام میں خاص طور سے پنجاب اور ہریانہ کے علاقے میں ہندو اور سکھ حضرات ہی دلچسپی لے رہے ہیں۔ سولہویں صدی میں انگلینڈ میں جب ہنری ہشتم کا اس کی طلاق کے مسئلہ پر پوپ سے جھگڑا چلا تو انگلینڈ میں پوپ سے متعلق چرچوں اور موناسٹریز کو مسمار کردیا گیا۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد فارسی تاریخ نگاری کا آغاز و ارتقاء ہوا لیکن سلطنت عہد کی تاریخوں میں جن میں حسن نظامی کی تاج المآثر، فخر مدبر کی آداب الحرب والشجاعہ، منہاج السراج کی طبقات ناصری ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، اسامی کی فتوح السلاطین اور شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں صوفیا اور صوفی تحریک سے متعلق مواد بہت کم ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کے مورخین کا مرکز سلاطین وامراء تھے۔ صوفیاء سے متعلق مواد صوفیاء کے ملفوظات اوراس دور میں لکھے گئے تذکروں میں ملتا ہے۔ ہندوستان میں برٹش سرکار کے قیام کے بعد جہاں انہوں نے ہندوستان کی دوسری تہذیبی وثقافتی زندگی کو نشانہ بنایا۔ تاریخ بھی انکا نشانہ بنی۔ انہوں نے اپنے طور پر ہندوستان کی تاریخ لکھی اور انہیں کتابوں کو اپنی قائم کردہ مدراس، بومبے اور کلکتہ کی یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں کے نصاب میں شامل کرکے پڑھایا۔ لیکن ایلٹ اور ڈاؤسن اور دوسرے انگریز انشوروں سے جن تاریخ کی کتابوں کی تدوین وترجمہ کرایا تھا ان فارسی تاریخوں میں صوفیاء پر مواد بہت کم تھا اس لئے انگریز دانشوروں اور مورخین کی توجہ صوفیاء پر نہ ہوسکی اور وہ نشانہ بننے سے محفوظ رہے۔ صوفیاء پر تو زیادہ تر مواد ملفوظات، تذکروں اور ان کے مکتوبات میں تھا۔ جس کے نتیجے میں صوفی تحریک اور اس سے متعلق ادب ان کی دست برد سے بچ گیا۔ کیونکہ برٹش دور

کے نصاب میں تصوف او رصوفیاء پر توجہ نہیں دی گئی اور ہم ٹھہرے نقل کرنے والے اس لئے آزاد ہندوستان میں بھی یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے نصاب میں تصوف اور صوفیاء کے کارناموں پر کچھ موجود نہیں۔ صرف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر وغیرہ کے تو تاریخ کے شعبوں نے تصوف پر کچھ دیا ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں تصوف پر کام پروفیسر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر سید اطہر عباس رضوی نے کیا۔ انگریزی زبان میں تصوف پر ان دونوں مورخین کی کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن جو غلطی انگلینڈ اور یورپ کے مورخین نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں کی تھی کہ انہوں نے تصوف اور صوفیائے ہندوستان کو نظر انداز کردیا تھا اب انہیں اس غلطی کا احساس ہوا اور اب انہوں نے تصوف وصوفیاء پر کام کرنا شروع کیا ہے تاکہ اس کو بھی تاریخ ہندوستان کی طرح مسخ کرسکیں۔ پی ۔ ایم ۔ کُری نے آکسفورڈ یونیورسٹی، انگلینڈ میں ایک تحقیقی مقالہ (Ph.D) پروفیسر سائمن ڈگبی کی نگرانی میں پیش کیا اورڈ گری ملنے کے بعد وہ کتاب کی شکل میں شائع ہوگیا۔ اس مقالہ کے اسکالر ،نگراں اور ممتحن ،تصوف ، اور درگاہوں کے نظام سے کتنے لاعلم ہیں اس کا اندازہ اس تحقیقی مقالے میں اغلاط سے ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کم از کم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ تاریخ میں تصوف پر ایم ۔ اے کے کورس میں ایک پرچہ پڑھایا جانا چاہئے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں صوفی اسٹڈیز کا ایک سینٹر حکومت ہند قائم کرے۔

میں جب جامعہ آرکائیوز کا ڈائریکٹر تھا تو ایک فہرست تعطیلات جامعہ نظر سے گذری تو اوّلین دور میں دوسری چھٹیوں کے علاوہ ایک چھٹی کالکاجی مندر کے میلے کی اور دوسری حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں ارباب جامعہ ملیہ اسلامیہ نے صوفیاء کو بھی اہمیت دی تھی لیکن آج ہندوستان میں صوفیاء کے کارنامے کے باجود کسی مرکزی یا صوبائی یونیورسٹی میں صوفی سینٹر نہ بن سکا کہ جہاں تصوف اور صوفیاء پر خاص مطالعہ وتحقیق ہوتی۔ دوسرا مسئلہ زبان کا ہے اب فارسی داں مورخین کی کمی ہے اور صوفیاء کے تمام ملفوظات ،مکتوبات اور تذکرے فارسی زبان میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں جن کا پڑھنا خود ایک مسئلہ ہے۔ عصر حاضر میں میں تصوف اور صوفیاء کے مطالعہ کی شدید ضرورت ہے اس لئے کہ آج پھر کچھ مغربی طاقتیں جو ہمارے درمیان موجود ہیں وہ ابھر رہی ہیں اور وہ ہندو مسلم اور سنی شیعہ کے سوال پر تقسیم کرانا چاہتی ہیں۔ ابھی

عراق میں یہ کوشش امریکہ کر چکا ہے۔ انگریز جب ہندوستان میں تھے تو ہندو مسلم اور شیعہ سنی تفریق پیدا کر کے فرقہ وارانہ فسادات انیسویں صدی میں کرائے اور آخر میں ملک کو تقسیم کرا کے گئے اس تقسیم کے نتائج آج تک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش بھگت رہا ہے۔ پاکستان میں تو حد یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ کے لئے آیت ہے کہ جو اس میں داخل ہوا اس نے امان پائی۔ مسجد خانہ کعبہ کی شبیہ ہے، پاکستان میں مساجد میں فرقہ کی بنیاد پر خون بہایا جارہا ہے۔ کول موجودہ علی گڑھ، چشتی صوفی صوفی شاہ جمال الدین کی ولایت کا مرکز چودھویں صدی عیسوی میں بنا انہوں نے اسلام کے صلح کے پیغام کی تبلیغ کی اور سماج میں یک جہتی پیدا کی لیکن آج علی گڑھ ہندو مسلم کے نام پر تقسیم ہو چکا ہے۔ ہندؤں کے محلے علیحدہ اور مسلمانوں کے محلے علیحدہ۔ ان قصبات اور شہروں کی شکل عہد وسطیٰ میں کچھ اور تھی اور آج جدید دور میں کچھ اور ہے۔ آج ہمارا سماج انتشار کا شکار ہے۔

عرفان، امام خمینیؒ کی توجہ کا بھی مرکز بنا۔ اسی سے متاثر ہو کر انہوں نے لاشرقیہ لاغربیہ کا نعرہ دیا تھا۔ شیخ حمید الدین ناگوری جو چودھویں صدی عیسوی کے چشتی صوفی ہیں انہوں نے کہا تھا۔

مَرد خدا بمشرق ومغرب غریب نیست ہر جا کہ می رود ہمہ ملک خدائی است

(اللہ والا مشرق ومغرب میں کہیں غریب نہیں وہ جس جگہ بھی جاتا ہے۔ سب اس کے خدا کا مالک ہے)

امام خمینیؒ نے اتحاد واتفاق کی بات کی۔ سنی وشیعہ فرقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ایک ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور پڑھوائی۔ جبکہ ہندوستان میں مغل دور میں سنی وشیعہ ایک ہی مسجد میں ساتھ ساتھ نماز ادا کرتے تھے لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں نواب آصف الدولہ کے دور میں مسجد آصفی سے نماز علیحدہ علیحدہ شروع ہوگئی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جہاں ندوۃ العلماء سلطان المدارس، فرنگی محل اور ناظمیہ جیسے اہم علمی مراکز ہوں اس شہر لکھنؤ میں شیعہ سنی فسادات ہوئے۔ لیکن امام خمینی نے پھر اتحاد کی تحریک شروع کی اور ایک ساتھ نماز پڑھوائی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم نے جو نماز اٹھارویں صدی عیسوی میں علیحدہ ادا کرنا شروع کی تھی اور اب اکیسویں صدی میں پہونچنے کے بعد ہم نے پھر اسی شہر لکھنؤ میں ساتھ نماز پڑھنی شروع کی ہے۔

میرے مورث اعلیٰ میر سید علی ہمدانی کشمیر میں کبرویہ مسئلے کے بانی تھے۔ انہیں کے نبیرگان

میں میر کمال الدین ہمدانی ہمایوں بادشاہ کے عہد میں جلالی آئے اور کبرویہ سلسلے کی بنیاد ڈالی۔ اور تبلیغ اسلام شروع کی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں موسم گرما کی تعطیلات میں جلالی جاتا تو تین ماہ تک دادا مرحوم حکیم سید محمد ریاض الدین حسین ہمدانی کی غیر رسمی تعلیم کے وعظ ونصیحتیں سنتا تھا اس میں وہ صوفیاء پر کافی بات کرتے۔ وہیں سے مجھے تصوف اور صوفیاء سے دلچسپی شروع ہوئی یہ ہے ہمارے بزرگوں کا کمال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو میرے والد حکیم سید محمد کمال الدین حسین نے مولانا سید کلب عابد صاحب سے ان کے ایصال ثواب کی مجلس پڑھنے کی درخواست کی۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو انہوں نے ایک خط دکھایا اس وقت مولانا سید علی سجاد صاحب اور مولانا سید راحت حسین صاحب بھی موجود تھے۔ خط میں لکھا تھا کہ جن صاحب کے ایصال ثواب کی مجلس پڑھنے آپ تشریف لارہے ہیں وہ صوفیاء کے بڑے مداح تھے۔ لہٰذا آپ کا آنا درست نہ ہوگا۔ اس جملہ سے اس شخص کی تصوف سے لاعلمی اور جہالت کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ڈاکٹر سید عبد الحمید ضیائی صاحب نے مجھ سے راہ اسلام کے تصوف اسلامی پر مجلّہ خصوصی کی ایڈیٹر شپ کے لئے کہا تو میں نے اس کو نعمت سمجھتے ہوئے بسروچشم قبول کرلیا اس لئے کہ یہ میرا فرض اوّلین ہے۔

صوفی ادب ایک سمندر کی طرح ہندستان ، پاکستان ، بنگلہ دیش ، ایران اور انگلینڈ کی لائبریریوں کے شعبہ مخطوطات اور آرکائیوز میں پھیلا ہوا ہے ہندوستان کی لائبریریوں میں مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ، رضا لائبریری رام پور، خدابخش لائبریری ، پٹنہ، نیشنل لائبریری ، کولکتہ، سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد، نیشنل میوزیم ، دہلی، ذاکر حسین لائبریری، دہلی اور درگاہوں سے متعلق کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ پاکستان میں نیشنل میوزیم، ایران میں کتاب خانہ آستانہ قدس رضوی، مشہد ، کتاب خانہ دانشگاہ تہران، کتاب خانہ ملی تہران اور انگلینڈ میں برٹش لائبریری لندن میں کثیر تعداد میں صوفی ادب سے متعلق مخطوطات محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مخطوطات کی تدوین واشاعت ہو اور پھر ان کتابوں کے تراجم ہوں تب ہی تصوف اور صوفیاء کی فکر کی سمجھ انگریزی داں دانشوروں میں ہوسکے گی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ صرف حضرت نظام الدین اولیاء کے عرس پر جناب حسن ثانی نظامی صاحب اور جناب ڈاکٹر سید خسیر وحسینی صاحب حضرت سید محمد گیسودراز بندہ نواز کے عرس کے موقعہ پر سیمنار کا اہتمام کرتے ہیں جو بڑا اہم کام ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ باقی تمام صوفیاء کی درگاہوں پر بھی عرس کے موقعہ پر سیمنار کا اہتمام

کیا جائے تا کہ ان صوفیاء کے کارنامے دانشوروں اور ذرائع ابلاغ سے متلعق افراد کے ذریعہ عوام تک پہونچ سکیں۔

راہ اسلام کے اس خصوصی شمارہ میں ہم نے کچھ ان مورخین ودانشوروں کے مضامین بھی شامل کئے ہیں جو آج حیات نہیں۔ ان میں سرفہرست نام استادمحترم پروفیسر خلیق احمد نظامی ، سابق صدر شعبہ تاریخ ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ کا ہے ۔ انہوں نے تصوف پر بہت کام کیا ہے۔ کچھ مضامین موجودہ مورخین ودانشوروں کے بھی شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ میں ان تمام حضرات کا شکر گزارہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر اپنے مضامین برائے اشاعت تحریرفرمائے۔

میں ڈاکٹر کریم نجفی ، کلچرل کاؤنسلر ، اسلامیہ جمہوریہ ایران، دہلی نو اور ڈاکٹرسید عبد الحمید ضیایی، ڈائریکٹر ، اسلامی جمہوریہ ایران، دہلی نو کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے راہ اسلام کے اس مجلّے کی ایڈیٹرشپ میرے سپرد فرمائی۔ اس مجلّہ کی اشاعت کے مختلف مراحل میں پروفیسر سید عراق رضا زیدی، سابق صدر، شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ ، نئی دہلی پروفیسر شاہ محمد وسیم، جناب مجید احمدی، جناب سید علی ظہیر نقوی اور جناب مہدی باقر کی مدد شامل حال رہی۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی
سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

تصوف اسلامی

حضرت علیؑ سر چشمۂ عرفان

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

تصوف وعرفان کا تعلق صفائی باطن یا تصفیہ اخلاق واصلاح وتعمیر ظہری وابطن ہے۔ ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تشریف فرما تھے اسی حالت میں آپ کا رنگ متغیر تھا آپ نے فرمایا'' دنیا کی صفائی گئی اور کدورت باقی رہ گئی پس آج کل ہر مسلمان کے لیے موت ایک تحفہ ہے'' ۔ (رسالہ قشیریہ۔ ۶۲۱) جب کوئی شخص عرفان کے ان راز ہائے بستہ کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے اندر کی روشنی اس میں مددگار ہوتی ہے۔ اور یہ روشنی اس کی اپنی اندرونی پاکیزگی کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور آخر کار اسے نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذات سے دور کردیتی ہے، زہدوفقر سے اس کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ جو چیز تصوف عرفان کو ترک لذات دنیوی سے ہمکنار کرتی ہے، اس کا نام ہے عشق۔ یہ عشق ہی تو ہے جو عارف کو ہر طرح کے مصائب کو تحمل کرنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے، تمام تکالیف کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

تصوف وعرفان سے متعلق تصورات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔'' بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں اور جو لوگ حسن سلوک اختیار کئے رہتے ہیں'' (النمل:۱۲۸) قرآن حکیم میں ارشاد ہورہا ہے۔'' اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ معاملات کو پختگی سے انجام دینے کا طریقہ ہے۔'' (آل عمران:۱۸۲)

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔'' سو تم لوگ نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشش کرو (البقرہ:۱۴۸) پھر ارشاد ہورہا ہے'' اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشے کے اور تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے (الانعام :۳۲) اللہ صبر کو ترجیح دیتا ہے اور قرآن حکیم نے واضح کردیا ہے'' اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' (البقرہ: ۲۴۹) اور نیک کام کرتے رہو یقیناً وہ احسان کرنے

والوں کو دوست رکھتا ہے (البقرہ: ۱۹۰)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' آپ نیکی سے بدی کو ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہوجائے گا جیسے وہ آپ کا دلی دوست ہے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۳۴) پھر ارشاد فرمایا ہے۔'' ایسے لوگ جنہیں خرید و فروخت ،ذکر خدا، نماز وزکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی (سورہ نور:۳۷) جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت وعشق کا جذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے تو وہ اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور ہر وقت چشمہ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے۔ دعوتی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بھی ہمیں یہی عرفان حاصل ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنی جمالیات کا مکمل اور اعلیٰ ترین نمونہ وپیکر ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں آپ کے لیے ارشاد ہوا ہے: بے شک تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ آپؐ نے فرمایا مومن سراپا الفت ومحبت ہے اس آدمی میں سرے سے کوئی بھلائی نہیں جو نہ دوسرے لوگوں سے محبت کا سلوک کرے اور نہ دوسرے ہی اس سے محبت کریں۔ (مشکوٰۃ) ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کون سا مسلمان افضل ہے۔ فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے دیگر مسلمان سلامت رہیں (بخاری) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا'' نیکی کی رہنمائی کرنے والے نیکی کرنے والے کے مثل ہیں اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند کرتا ہے۔(بخاری)ہمارے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ تمام عالم کے لیے دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تم پر بھی رحم کرے'' پیغمبرؐ کا فخر''،'' میرا فقر میرا امتیاز ہے'' حضور انور اس دعاء سے محبت ہی کو طلب کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیونکہ عرفان کے بغیر رویت نہیں اور رویت ومحبت کے بغیر لذت نہیں۔ظاہر ہے کہ جس چیز کی معرفت ہی نہ ہو، انسان کو اس کی رویت کا بھی اشتیاق نہ ہوگا اور جس کو اشتیاق ہی نہ ہو اس کو رویت سے لذت بھی حاصل نہیں ہوگی۔ لہٰذا لذت کی حقیقت محبت ہے اور محبت رویت پر منحصر ہے اور رویت بغیر معرفت کے ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ عرفان وعشق دونوں ضروری ہیں اور ان ہی کا نتیجہ لذت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصود ہی مکارم اخلاق کی تتمیم بیان کرنے پر رکھا۔

حضرت علیؑ کی شخصیت کی تعمیر میں آنحضرتؐ کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ مولا علیؑ کی شخصیت کے مختلف عناصر کی تشکیل رسولِ خداؐ کی نگرانی میں ہوئی یہاں تک کہ آپ کی ذات گرامی نبوت اور اس

کی خصوصیت کے علاوہ رسولِ خداؐ کی شخصیت کے مختلف فکری اور اعتقادی زاویوں کی ایک حقیقی تصویر بن گئی ۔ حضرت عمار یاسر فرماتے ہیں'' رسولؐ خدا نے علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا'' خدا وند عالم تمہیں ایسے زیورات سے سجائے جن سے اس نے اپنے کسی بندے کو آراستہ نہ کیا ہو۔ وہ خدا کے خالص اور نیک بندوں کا مخصوص زیور ہے جو زہد اور دنیا سے بے رغبتی ہے تمہیں خدا نے ایسا بنایا ہے کہ تم دنیا کی کسی بھی شے سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو۔'' (مناقب آل ابی طالب ۔ ۲۹۴)

ام سلمی سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: خدا وند عالم نے ہر نبی کے لئے ایک وصی منتخب کیا اور میرے بعد علیؑ میری عترت، میرے اہل بیت اور میری امت میں میرے وصی ہیں'' شیخ شرف الدین یحیٰ منیری فرماتے ہیں قاضی نے عرض کیا کہ اس آیت کریمہ: **ویطعمون الطعام علی حبّه مسکیناً ویتیماً واسیراً**۔ اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کو، کا نزول کس کے حق میں ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا نزول امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حسنؑ وحسینؑ علیل ہوگئے۔ حضور پر نور رسول خداؐ ان دونوں کو دیکھنے کے لئے آئے۔ سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہراؑ اور سیدنا علی المرتضیٰؑ سے فرمایا۔ آپ دونوں منت مان لیجئے۔ اس نذر کی برکت سے خداوند تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے گا۔ امیر المومنین حضرت علیؑ اور سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہراؑ نے تین روزوں کی نذر مان لی۔ اس وقت فضہ نامی کنیز بھی آپ کے پاس تھیں انہوں نے بھی ان دونوں کی موافقت میں منت مان لی۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے حسنؑ وحسینؑ کو شفا عطا فرمائی، تو انہوں نے منت ادا کرنے کے لیے روزہ رکھنا شروع کیا۔ پہلے دن جب روزہ رکھا تو شام کے وقت تین روٹیاں پکائیں۔ افطار کیلئے جب روٹی سامنے رکھی گئی اس وقت ایک مسکین نے آکر صدا دی کہ اے اہل بیت نبوت والرحمہ مسکینوں سے ایک مسکین ہوں مجھے کھلایئے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ وفاطمہؑ نے اپنی دونوں روٹیاں اس مسکین کو دیدیں اور ان کی کنیز نے بھی اپنی روٹی دے دی۔ اور پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد جناب جبرئیل علیہ السلام یہ آیہ کریمہ لے کر حضور کے پاس آئے۔ اس آیت کا نزول انہیں کے حق میں ہے اس کام کا صدور چونکہ انہیں اہل بیت سے ہوا اس لئے مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا نزول انہیں کے حق میں ہے۔ (معدن المعانی۔۵۰۷) حافظ شاہ محمد علی حیدر ،''مناقب المرتضی من مواہب

المصطفیٰ'' میں غدیر کا واقعہ ان حافظ میں رقم فرماتے ہیں۔''جس سال حضور اکرمؐ نے حج آخر کیا، راستے میں ایک جگہ ٹھہر کر رسولؐ خدا نے حکم دیا: نماز با جماعت پڑھی جائے۔ اس کے بعد آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں مومنوں کے نفسوں پر ان سے زیادہ حق دار نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا، کیوں نہیں؟ تب آنحضرتؐ نے فرمایا : تو یہ علیؑ بھی اس کے ولی ہیں جس کا میں مولا ہوں۔ پروردگارا! اسے دوست رکھ اور اسے دشمن رکھنا جو اس سے دشمنی کرے'' اس دور کی اہم شخصیات جن حضرات نے حدیث غدیرکو روایت کیا ہے ان میں حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت عمر فارقؓ، حضرت عثمان غنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عباس بن عبدالمطلب ، حضرت عمار یاسر، حضرت ام سلمی، حضرت فاطمہ بنت حمزہ، وغیرہ کے نام بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ'' حضرت عمر فرماتے تھے اشراف کو قبول کرو اور ان کو دوست رکھو اور کمینہ آدمیوں سے آبرو بچاؤ اور یہ سمجھ لو کہ کوئی شرف تمام نہیں ہوتا بغیر علیؑ کی ولایت کے۔ اموی حکمراں عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے ۔ رسول اللہؐ کے بعد امت مسلمہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو علیؑ سے زیادہ زاہد ہو، انہوں نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی یہاں تک کہ سرکنڈوں کی چھت بھی نہ بنائی (تذکرۃ الخواص۔۱۱۷)

مولانا ضیاء الدین برنی جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، لکھتے ہیں'' صحابہ میں مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کئی حیثیتوں سے مسلمہ طور پر شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی؛ دوسرے یہ کہ حضرت مصطفیٰؐ نے حضرت علیؑ کی ماں اور باپ کی تربیت میں پرورش پائی۔ تیسرے یہ کہ رسول اللہؐ کے نور نظر یعنی حسنؑ وحسینؑ کے باپ تھے۔ چوتھے یہ کہ پیغمبرؐ نے ان کو صحابہ میں سب سے بڑا زاہد کہاہے۔ پانچویں یہ کہ صحاب میں وسعتِ علم کے لحاظ سے ان کی نظیر نہ تھی، چھٹے یہ کہ بیعت اسلام سے پہلے بھی ،کفر وشرک ان کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی داخل نہ ہوا۔ ساتویں یہ کہ ان کی سخاوت کے متعلق چند آیتیں نازل ہوئیں۔ (تاریخ فیروز شاہی : ۴۵) عقبہ بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں علیؑ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے سوکھی ہوئی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور اس کے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ میں نے کہا: امیر المومنین آپ یہ کھاتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا رسول خداؐ اس سے زیادہ خشک روٹی کھاتے تھے اور اسے زیادہ کھردرا لباس پہنتے تھے۔ لہٰذا میں نے اگر ان باتوں پر عمل نہ کیا جن پر آنحضرتؐ عمل کرتے تھے تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان سے ملحق ہی

نہ ہوسکوں گا۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ حکم خدا کو وہی شخص رائج کرسکتا ہے جو سازش ،ضعیف عمل اور ہوائے نفس کی پیروی کرنے والا نہ ہو۔ ان ہی خصائص کی بنا پر زیادہ تر صوفیائے کرام مولا علیؑ کی ولایت کے قائل ہیں۔ حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز فرماتے ہیں:

غزل کیوں نا کہی نادر کرم ایسے ولی کا ہے
ثنا یوسب کیا سو میں دیکھو حضرت علی کا ہے

تربیت، علم وتعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے بیٹے حسنؑ سے خطاب کرتے ہیں ''تمہاری اخلاقی تربیت بھی پیش نظر ہے لہٰذا مناسب سمجھا کہ یہ تعلیم وتربیت اس حالت میں ہوکہ تم نو عمر اور بساط دہر پر تازہ وارد ہواور تمہاری نیت کھری اور نفس پاکیزہ ہو اور میں نے چاہا تھا کہ پہلے کتاب خدا، احکام شرع اور حلال وحرام کی تعلیم دوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا رخ نہ کروں، لیکن یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے، تم پر اسی طرح مشتبہ نہ ہوجائیں جیسے ان پر مشتبہ ہوگئی ہیں باوجود یہ کہ ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ناپسند تھا۔ مگر اس پہلو کو مضبوط کردینا تمہارے لئے مجھے بہتر معلوم ہوا۔'' (نہج البلاغہ ۶۹۴)

پھر علم کے حصول کے سائنٹفک طریقہ پر جو آج جدید تاریخ نگاری میں رائج ہے، فرماتے ہیں ''جس راہ پر تمہارے آباواجداد اور تمہارے گھرانے کے افراد چلتے رہے ہیں اسی پر چلتے رہو لیکن اگر تمہارا نفس اس کے لئے تیار نہ ہو کہ بغیر ذاتی تحقیق سے علم حاصل کئے ہوئے جس طرح انہوں نے حاصل کیا تھا ان باتوں کو قبول کرے تو بہر حال یہ لازم ہے کہ تمہارے طلب کا انداز سیکھنے اور سمجھنے کا ہو اور جب یہ یقین ہوجائے کہ اب تمہارا دل صاف ہوگیا ہے اور اس میں اثر لینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی اور ذہن پورے طور پر یکسوئی کے ساتھ تیار ہے اور تمہارا ذوق وشوق ایک نقطہ نظر پر جم گیا ہے تو پھر ان مسائل پر غور کرو جو میں نے تمہارے سامنے بیان کئے ہیں۔ (نہج البلاغہ ۷۰۲)

علمائے بے عمل کی مذمت ان الفاظ میں فرماتے ہیں ''تم کو ان لوگوں میں سے نہ ہونا چاہئے کہ جو عمل کے بغیر حسن انجام کی امید رکھتے ہیں اور امیدیں بڑھا کر توبہ کو تاخیر میں ڈال دیتے ہیں جو دنیا کے بارے میں زاہدوں کی سی باتیں کرتے ہیں مگر ان کے اعمال دنیا طلبوں کیلئے ہوتے ہیں۔ اگر دنیا انہیں ملے تو وہ سیر نہیں ہوتے اور اگر نہ ملے تو قناعت نہیں کرتے جو انہیں ملا ہے اس پر شکر سے قاصر رہتے ہیں اور جو بچ رہا ہے اس کے اضافہ کے خواہشمند رہتے ہیں۔ دوسروں کو منع کرتے

ہیں اور خود باز نہیں آتے (نہج البلاغہ ۸۵۳) عالم بے عمل کی مزید مذمت وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں فرماتے ہیں'' وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا۔ بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل مذمت ہے۔'' (نہج البلاغہ ۳۱۲)

قرآن حکیم کی اس آیت یعنی'' نصیحت وعبرت حاصل کرو گذرتے ہوئے لوگوں کے اچھے اور برے معاملات سے'' کی تشریح کے طور پر آپ فرماتے ہیں'' اگر چہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔ پھر میں نے ان کی کارگذاریوں کو دیکھا، ان کے حالات وواقعات میں غور کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیرو سیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں بھی انہیں میں ایک ہو چکا ہوں بلکہ ان سب کے حالات ومعلومات جو مجھ تک پہنچ گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے ان کے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔'' (نہج البلاغہ ۶۹۴) یہ مولا علیؑ کا نہایت اہم خطبہ ہے اس لئے کہ اس خطبہ میں آپ نے تاریخ کے مطالعہ کی اہمیت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو زہدوعرفان کے سفر میں بڑی مدد کا حامل ہے۔ لیکن آج ہمارا حشر یہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے ہی واقف نہیں۔

پھر حصول علم کے بعد کیا ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں'' علم نے انہیں ایک دم حقیقت و بصیرت کے انکشافات تک پہنچا دیا ہے وہ یقین واعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں اور ان چیزوں کو جنہیں آرام پسند لوگوں نے دشوار قرار دے رکھا تھا اپنے لئے سہل وآسان سمجھ لیا ہے اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اٹھتے ہیں ان سے وہ جی لگائے بیٹھے ہیں وہ ایسے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے ہیں کہ جن کی روحیں ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہیں۔ یہی لوگ تو زمین میں اللہ کے نائب اور اس کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ہائے ان کی دید کیلئے میرے شوق کی فراوانی (نہج البلاغہ ۸۵۲) مولا علیؑ کے قول کے مطابق اولیاء اللہ کی شناخت یہ طے پائی کہ وہ عالم باعمل ہوں گے اور ایسی شخصیات کو آپ نے اللہ کا نائب قرار دیا اس لئے کہ یہی لوگ دوسرے لوگوں کو دین کی دعوت دیں گے۔

پھر آپ ہدایت فرماتے ہیں'' اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمدؐ کی سنت کو ضائع وبرباد نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم وبرقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو۔'' (نہج البلاغہ ۳۹۰) اس کے بعد فرماتے ہیں'' اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو اس لئے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے

خواہشمند بنو کہ جس کا اللہ نے پرہیز گاروں سے وعدہ کیا ہے۔ نبیؐ کی سیرت کی پیروی کرو وہ، بہترین سیرت ہے اور ان کی سیرت پر چلو، کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔'' (نہج البلاغہ ۳۱۶) یہ وہ حضرات تھے جنہیں ہر وقت امت کا خیال رہتا تھا اور خواہشمند رہتے تھے کہ امت سیدھے راستے پر چلے۔ لہٰذا ان الفاظ میں ان خطرات سے دور رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں'' اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق کو روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔(نہج البلاغہ ۱۸۵) اس کی اصلاح کیسے ہوتی ہے ؟ آپ اس ضمن میں نصیحت فرماتے ہیں'' تقویٰ کے لئے اللہ سے اعانت چاہو اور تقرب الٰہی کے لئے اس سے مدد مانگو، اس لئے کہ تقویٰ آج دنیا میں پناہ وسپر ہے اور کل جنت کی راہ ہے۔ اسے اپنے دلوں کا شعار بناؤ اور گناہوں کو اس کے ذریعہ دھو ڈالو'' (نہج البلاغہ ۱۱۵) عصبیت سے پاک معاشرہ کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہیں'' دیکھو! اپنے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو کہ جو اپنی جاہ وحشمت پر اکڑتے ہیں اور نسب کی بلندیوں پر غرہ کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو عصبیت کی عمارت کی گہری بنیاد ہیں'' (نہج البلاغہ ۵۱۹) ایرانی شاعر جامی نے مولا علیؑ کے ان ارشادات کو کس خوبصورت انداز میں ایک شعر میں سمو دیا ہے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دراین راہ فلان ابن فلان چیزی نیست

فضیلت کے بارے میں خطبہ حجۃ الوداع کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں'' فضیلت ان کے لئے ہے جو پرہیز گار ہیں اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور فائدہ مند پر کان دھر لئے ہیں۔ ان کے نفس زحمت وتکلیف میں بھی ویسے رہتے ہیں جیسے آرام وآسائش میں۔'' (نہج البلاغہ ۵۱۴) وہ کون لوگ ہیں؟ انہیں کیسے پہچانا جاسکتا ہے؟ آپ ان کی شناخت بتلاتے ہیں'' ان کے بدن، لاغر، ضروریات کم، اور نفس، نفسانی خواہشات سے بری ہیں۔ دنیا نے انہیں چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا۔ اس نے انہیں قیدی بنایا تو انہوں نے اپنے نفس کا فدیہ دے کر اپنے کو چھڑا لیا۔ دن ہوتا ہے تو وہ دانشمند عالم، نیکوکار اور پرہیز گار نظر آتے ہیں۔'' (نہج البلاغہ ۵۴۲)

قرآن حکیم کی اس آیت'' ایسے لوگ جنہیں خرید وفروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی'' کی

تفسیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں بناتی۔ کچھ اہل ذکر ہوتے ہیں جنہوں نے یادِ الٰہی کو دنیا کے بدلے میں لے لیا ہے۔ انہیں نہ تجارت اس سے غافل رکھتی ہے نہ خرید وفروخت اسی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔'' (نہج البلاغہ ۸۳۴) عبادت کی مختلف اقسام اور نیت کے بارے میں بتاتے ہیں۔'' ایک جماعت نے اللہ کی عبادت ثواب کی رغبت وخواہش کے پیش نظر کی، یہ سودا کرنے والوں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت کی، یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے ازروئے شکر وسپاس گذاری کی عبادت کی، یہ آزادوں کی عبادت ہے'' (نہج البلاغہ ۸۷۶) لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' اے خدا کے بندے! جھٹ سے کسی پر گناہ کا عیب نہ لگانا۔ شاید اللہ نے وہ بخش دیا ہو اور اپنے کسی چھوٹے گناہ کے لئے بھی اطمینان نہ کرنا شاید کہ اس پر تجھے عذاب ہو'' (نہج البلاغہ ۳۸۶)

دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں'' تم اس دارِ دنیا میں جو تمہارے رہنے کا گھر نہیں ہے، مسافر راہ نورد ہو اس سلسلے میں تمہیں کوچ کرنے کی خبر دی جاچکی ہے اور اس میں رہتے ہوئے تمہیں زادِ راہ کے مہیا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' (نہج البلاغہ ۴۸۵) صوفیا پر ایک الزام اکثر جہلا لگاتے ہیں کہ انہوں نے دنیا چھوڑنے کی تبلیغ کی۔ دراصل وہ جماعت تارک الدنیا کے معنی کو ہی نہ سمجھ سکی۔ صوفیا کے ولی کا ارشاد ہے۔'' بلا شبہ دنیا اس شخص کے لئے جو باور کرے، سچائی کا گھر ہے اور اسکی باتوں کو سمجھے اس کے لئے امن وعافیت کی منزل ہے اور اس ے زادِ راہ حاصل کرے، اس کے لئے دولتمندی کی منزل ہے اور جو اس سے وعظ ونصیحت حاصل کرے اس کے لئے وعظ ونصیحت کا محل ہے۔ یہ دوستان خدا کے لئے عبادت کی جگہ ہے۔ اللہ کے فرشتوں کے لئے نماز پڑھنے کا مقام، وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے اس میں انہوں نے فضل ورحمت کا سودا کیا اور اس میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کرلیا۔ تو اب کون ہے جو دنیا کی برائی کرے جب کہ اس نے اپنے جدا ہونے کی اطلاع دے دی ہے۔'' (نہج البلاغہ ۸۴) اسلام رہبانیت میں یقین نہیں رکھتا۔ جب علاء ابن زیاد نے کہا کہ یا امیر المومنین ! مجھے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی آپ سے شکایت کرنی ہے۔ حضرت نے پوچھا کیوں؟ اسے کیا ہوا؟ علاء نے کہا کہ اس نے بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے لگاؤ ہوگیا ہے۔ تو حضرت نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آیا تو آپ

نے فرمایا: اپنی جان کے دشمن تمہیں شیطان خبیث نے بھٹکا دیا ہے، تمہیں اپنی آل اولاد پر ترس نہیں آتا کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے اگر تم انہیں کھاؤ یا برتو گے تو اسے ناگوار گزرے گا۔ تم اللہ کی نظروں میں اس سے زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لئے یہ چاہے''۔ (نہج البلاغہ ۵۷۲)

حدیث محمد رسولؐ اللہ یہ ہے کہ، الکاسب حبیب الله ، روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ امام علیؑ پھاوڑا چلاتے تھے اور زمین کو قابل کاشت بناتے تھے۔ اسلام نے حلال روزی کمانے کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا فرماتے ہیں ''خدایا، میری آبرو کو غنا وتونگری کے ساتھ محفوظ رکھ اور فقر وتنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق مانگنے والوں سے رزق مانگنے لگوں۔'' (نہج البلاغہ ۶۱۴)

ایوب بن علیہ خدا کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہؐ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو حضرت علیؑ کے حصہ میں زمین آئی۔ آپ نے اس زمین میں چشمہ کھودا اور اس کا نام ینبع رکھا۔ لوگوں نے علیؑ کو اس کے لیے مبارک باد دی، تو آپ نے فرمایا: ''اس کے اصل وارث کو بشارت دو۔ میں نے اسے خدا کی راہ میں حج کرنے والوں کے نام وقف کردیا۔ یہ کبھی فروخت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کسی کو ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ یہ وراثت میں کسی کو حاصل ہوگئی'' مسلمان اس نکتے کو سمجھیں کہ جو زمین کا ٹکڑا انہیں ملا اس کو مولا علیؑ نے موروثی زمینداری میں تبدیل نہیں کیا، بلکہ حجاج کے لئے وقف کردیا اور اپنی روزی کا ذریعہ مزدوری پر ہی رکھا۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ نے بصرہ کے جوانوں میں سے ایک جوان کی دعوت کو قبول کیا تو آپ ان الفاظ میں تنبیہ فرماتے ہیں: ''تم لپک کر ان کی دعوت کھانے پہنچ گئے کہ رنگا رنگ کے عمدہ کھانے تمہیں کھانے کو ملیں۔ مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جن کے یہاں سے فقیر ونادار دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں۔ جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو، اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے پاک وپاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ''۔ (نہج البلاغہ ۷۲۵)

حضرت محمدؐ کا دوست وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور ان کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے، اگر چہ نزدیکی قرابت رکھتا ہو۔'' (نہج البلاغہ ۸۳۲) حضرت امام جعفر صادقؑ صوفی کی

تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں'' جو باطن رسول پر زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے'' رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ'' شیطان اللہ کا دشمن ہے تم اس کو دشمن رکھتی ہو؟ کہا کہ مجھ کو اللہ کی محبت سے اتنی فرصت کہاں کہ اس کی طرف توجہ بھی کروں۔''

صوفیا نے حضرت علیؑ کی ولایت کو رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کے مطابق میرے بعد''علیؑ میرے وصی ہوں گے اور علیؑ بھی اس کے ولی ہیں جس کا میں مولا ہوں'' جو راستہ حضرت علیؑ نے اپنا یا کہ''اگر میں نے ان باتوں پر عمل نہ کیا جن پر آنحضرتؐ عمل کرتے تھے تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان سے ملحق ہی نہ ہوسکوں گا۔'' وہی اتباع صوفیاء نے کی کہ ان باتوں پر عمل کیا کہ جن پر آنحضرت عمل کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت علیؑ کو اپنا ولی تسلیم کیا جیسا کہ حسن نظامیؒ نے کہا تھا۔'' خدا کے بعد نبیؐ ہیں، نبیؐ کے بعد علیؑ'' صوفیاء کا یہی راستہ ہے۔ پھر صوفیا نے جس پر سختی سے عمل کیا وہ مولا علیؑ کا ارشاد ہے۔'' جو ہم اہل بیت سے محبت کرے اسے جامہ فقر پہننے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔'' (نہج البلاغہ ۸۳۷) لہٰذا جن راستوں پر حضرت علیؑ نے چلنے کو کہا، مثلاً زہد وتقویٰ اختیار کرنے ، عالم باعمل، نبی کی سیرت کی پیروی ، جاہ وحشمت اور اکل حلال حاصل کرنے اور لقمہ حرام سے دور رہنے، دنیا اور دنیا والوں کے درمیان رہنے، نفس کو نفسانی خواہشات سے آزاد رکھنے ،ذکر خدا سے غافل نہ رہنے ، لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنے ۔صوفیا نے پوری طرح مولا کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا تاکہ ان کو صفائی قلب حاصل ہوسکے۔ اس لئے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ روزِ قیامت لوگوں سے علی ابن ابی طالب کی ولایت کی نسبت پوچھا جائے گا۔ اسی لئے میرے مورث اعلیٰ شاہ ہمدان اپنی کتاب القربیٰ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ'' بہ طلب برکت کلام قدیم اس کا نام مودۃ القربیٰ رکھا تاکہ مجھے اللہ تعالیٰ ان حضرات علیہم السلام سے میرے ملاقی ہونے کا وسیلہ بنائے''۔

۶۶۱ء میں خلافت کے خاتمہ اور موروثی ملوکیت، جس کے بانی معاویہ تھے کے قیام نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ۔ اس کی بین مثال یہ ہے کہ مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا گیا تاکہ اموی حکومت کو غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے سے مالی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ سیاست، سماج اور ہر طرح سے شکل ہی بدل دی گئی۔ ان حالات میں اسلام کی بقاء وتبلیغ کے لئے کام کرسکیں ۔ کیونکہ ان اموی، عباسی، حکمرانوں، سلاطین، بادشاہوں اور نوابین کی سیاسی ، معاشی اور سماجی پالیسیوں اور ظلم کا حصہ نہ بن

سکیں۔مولانا ضیاء الدین برنی جو چودھویں صدی کے مورخ اور سیاسی مفکر ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید بھی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔''ہارون الرشید بیٹھا تھا کہ قاضی ابو یوسف تشریف لائے، ہارون الرشید نے ان سے کہا کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ کسی طرح داؤد طائی سے میری ملاقات کرادیں، میں نے سنا ہے کہ آپ نے اور انہوں نے ابوحنیفہ کے پاس ایک ساتھ تعلیم حاصل کی ہے؟ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کو جواب دیا، میں جب غریب تھا وہ مجھ کو اندر بلوا لیتے تھے لیکن جب سے میں قاضی ہوا ہوں میں بیس مرتبہ ان سے ملنے ان کے دروازہ پر گیا ہوں مگر انہوں نے مجھے اندر نہیں بلایا۔در اصل داؤد طائی نے''حب دنیا کو خلوصِ دل کے ساتھ دشمن بنا لیا ہے'' یہ تھا ان حضرات کا ان حکمرانوں اور ان کے انتظامیہ میں شامل لوگوں سے نفرت کا عالم۔

تصوف وعرفان اور صوفیا کی مخالفت علماء کی ایک بڑی تعداد نے کی جن میں سنی وشیعہ علماء شامل تھے۔ ان میں ابن تیمیہ کا نام سرِفہرست لیا جاسکتا ہے۔ ایران میں صفوی دور میں تصوف کو نشانہ بنایا گیا لیکن اسی دور کے ایک ایرانی عالم قاضی سید نور اللہ شوشتری نے اپنی تصنیف مجالس المومنین میں باب تصوف قائم کیا ہے اور صوفیا کی سوانح بھی لکھی ہے۔صفوی دور کے ان شیعی علماء کے اثرات کو عراق کے شیعی علماء نے بھی قبول کیا اور وہاں سے فارغ شیعی علماء نے اس تحریک کو ہندوستان میں بھی جاری کیا۔ ہندوستان میں مغل عہد سے لے کر نوابان اودھ تک علماء کی ایک بڑی تعداد کو حکومت کی جانب سے زمینیں ملیں اور ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب نے علماء کو دی ہوئی مدد معاش کی زمینوں کو زمینداری میں تبدیل کرکے ان علماء اور ان کے وارثین کا موروثی حق ان زمینوں میں قائم کردیا۔ مدد معاش گرانٹس کے وہ فرامین اس کا بین ثبوت ہیں۔ پھر مغل حکومت کے زوال اور اودھ کی حکومت کے زوال کے بعد برٹش سرکار نے بھی علماء کو زمیندار یوں اور القاب سے نوازا اور ان کی برٹش دربار میں نشست کو ریزر وکیا گیا۔ ان قصبات سے متعلق تحصیل کے محافظ خانہ میں رکھے ہوئے ریکارڈ س ان کے زمیندار انہ حقوق کی آج بھی گواہی دے رہے ہیں۔محلات وحویلیوں میں رہائش اختیار کی۔ گھوڑ ے اور بگیاں سواری کے لئے مہیا تھیں۔مولا علیؑ کا تو ارشاد ہے:'جو ہم اہل بیت سے محبت کرے اسے جامہ فقر پہننے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے''۔حضرت نظام الدین اولیاء غیاث پور ہ سے کلو کھڑی نماز جمعہ کیلئے ضعیفی کے عالم میں پیدل جاتے تھے۔ جب کسی نے انہیں سواری کے لئے گھوڑا دینا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ کیا میرا ثواب کم کرنا چاہتے ہو۔ میر سید علی ہمدانی اپنی گذرا وقات

ٹوپیاں سی کر کیا کرتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بتائے ہوئے عبادات وتقویٰ اور فقر امتیاز ہے، جس کی صحیح معنوں میں اتباع صوفیائے کرام ہی نے کی۔ انہوں نے دنیا کو عبادت کی جگہ بنایا۔ لیکن جب دنیا نے انہیں قیدی بنانا چاہا تو انہوں نے اپنے نفسوں کا فدیہ دے کر چھڑایا۔ اور اس میں رہتے ہوئے جنت کا فائدہ حاصل کرلیا۔

ہندوستان میں صوفیائے کرام نے اسلام کی تبلیغ اور محبت اہل بیتؑ کی اشاعت کا کام کیا اور ہندوستان جیسے ملک میں ، جہاں مختلف مذاہب نے جنم لیا تھا، اسلام کو ہندوستانی سماج وثقافت کا حصہ بنا دیا اور آپس میں ایسے میل ومحبت کی بنیاد ڈالی کہ جس کا ثبوت آج بھی ان کی وہ یادگاریں ہیں جو ان کے انتقال کے سات سوسال بعد آج بھی اسی یکجہتی کا مرکز بنی ہوئی ہیں کیونکہ صوفیائے کرام نے مولاعلیؑ کے ارشاد کے مطابق فقر کا جامہ پہن لیا تھا۔ سلاطین، امراء، نوابین اور زمیندار جن فقیروں اور ناداروں کو دھتکارتے تھے، ان کے مسیحا بن گئے ۔کل ان کی خانقاہیں،طلباء، غریب، نادار، مریض، پریشان حال، دنیا کے ستائے ہوئے اور بے گھر بے در لوگوں کے لئے لطف وکرم کا مرکز بنی ہوئی تھیں اور آج بھی ان کی درگاہیں مرکز بنی ہوئی ہیں۔صوفیا مولاعلیؑ کی ولایت کے اس طرح قائل تھے:

چنین کہ از در ہمت گدائے کوے تو شد
کہ ہیچ سلطنتی خوشتر از گدائی نیست

ہم اسی لئے ہمت سے کام لے کر تیری گلی کے فقیر بن گئے ہیں کہ کوئی بادشاہت تیرے در کی فقیری سے بہتر نہیں۔

☆

عرفان وتصوف نہج البلاغہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد تعظیم

تصوف اس علم کا نام ہے جس میں خدائے بزرگ وبرتر کی ذات وصفات کی نسبت بحث ہوتی ہے اور وہ اعمال واشغال مقصود ہوتے ہیں جن سے تزکیہ وتصفیہ باطن ہو۔ یا یوں کہئے کہ تصوف قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک ایسی شاہراہ ہے جو افراط وتفریط سے بالاتر ہے۔ جس پر چل کر انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی اصل غرض وغایت معرفت الٰہی ہے جس کے لیے انسان کو خلق کیا گیا۔ کامیاب انفرادی یا اجتماعی زندگی بغیر اتقاء کے ممکن نہیں ہے۔ اتقاء کا مطلب تمام دنیاوی آلاؤشوں، جسمانی خواہشوں اور نفسانی مطالبات سے جسم وروح کو محفوظ رکھنا ہے، اور تمام عابدات کا مقصد بھی یہ ہے۔ ساتھ ہی انسان کا سب سے اہم کام انسانیت کی خدمت ہے اور یہی اسی وقت ممکن ہے جب انسان کو اس کے مقصد حیات سے روشناس کرا کے اس کی اخلاقی قوتوں کو بیدار کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس کو ''فقر میں فخر'' محسوس ہونے لگے اور دل کو خالق کائنات کی طرف جوڑنے کی کوشش کرے تو پھر وہ نہ صرف تخلیق کائنات کا منشاء پورا کرتا ہے بلکہ انسان کی حقیقی راحت اور مسرت کا سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ ''خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں اچھا خوش رہو''[۱] اور اصل عرفان الٰہی اسلام کے مایہ خمیر میں مضمر ہے اور قربت الٰہی کی حقیقی عبادات کا نصب العین۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یقین کرو کہ وہ (اللہ) تم کو دیکھ رہا ہے'' اس سے ہمارے قول وفعل کا تضاد اور فرق ختم ہو جاتا ہے۔ نیز فکر وعمل میں اخلاص وللّٰہیت پیدا ہوتی ہے اور یہی تصوف ہے۔

اسلامی تصوف کا اصلی سرچشمہ نفوس قدسی کا وہ سرشار جذبہ ہے جو رسول خداؐ کے کلام کی عبادات کی خاصیت تھی۔ آپ کی زندگی میں عملی فرائض کی انجام دہی کو دینی فکر ونظریہ پر ترجیح دی گئی تھی۔[۲] تصوف غیر اللہ سے بے تعلقی کا نام ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان بے عملی، ترک دنیا یا رہبانیت کی زندگی اختیار کرے۔ وہ دنیا میں رہے مگر اس میں حرام وحلال کی تمیز باقی اور کارگر رہے اور

حلال اوراس کے اسباب کی محبت دل میں جاگزیں ہوجائے۔تصوف کی بنیادمحبت الٰہی ہے۔قرآن میں بے شمار آیتوں میں محبت کی دعوت دی گئی ہے۔جن میں معیت وقربت ذاتی کا وعدہ کیا گیاہے ہرچیز سے کٹ کرصرف اللہ کی طرف ہوجانا اور تزکیہ نفس کا حاصل ہونا،تعلیم تصوف کے اہم اجزاء میں۔محبت ہی رازِ حیات ہے اور اسکی آگ اگر دل میں نہ ہوتو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے۔ محبت کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائے اور خدا کے لئے جینا مقصد بن جائے۔فکروعمل کی بلندی، راست بازی، خدمت خلق، سچائی اورصبروشکرجیسی خوبیاں اسی جذبے کا نتیجہ ہیں۔ جو دل میں خدا کی محبت پیداہونے کے بعد پیدا ہوتی اور پھر مقصد یہ ہوجاتاہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے او ر دیگر لوگوں کو بھی مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک وصاف کرے کیونکہ تصوف کا نام ہے قولاً فعلاً حالاً ہرحیثیت سے اتباع رسولؐ کا۔ بقول خلیق احمد نظامی'' اور یہ کام صرف وہی شخص کرسکتاہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشو نما پاچکا ہو۔جس کی روح پر اسلامی رنگ چڑھ چکاہو اور جس کی نگاہ حق وہ باطن میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکا نہ کھائے۔[۳]

دراصل ظاہر کے بجائے اپنے باطن کی نگہداشت اور دوسرے وسائل کے بجائے صرف ذات خداوندی پر اعتماد کا نام تصوف ہے اور جس کو یہ دونون باتیں حاصل ہوجائیں تو وہ قیل وقال کے جھمیلے میں کہاں پڑسکتاہے؟ وہ تو اپنے حال کی طلب وجستجو اور انجام کی فکر و اندیشے میں محو ہوجاتاہے۔ بقول سید امیرعلی'' انسانی کردار کسی صورت محض اتفاق نہیں ہوتا۔ ایک عمل دوسرے عمل کا نتیجہ ہوتاہے۔ زندگی اسمت اور سیرت کے معنی ہیں ایسے واقعات و اعمال کا ایک مربوط سلسلہ جو ایک محکم یعنی مشیت ربی کے ذریعہ ایک دوسرے سے علت ومعلول کے رشتے میں منسلک ہوتا ہے'' یہ مسئلہ حضرت علیؑ کے مواعظ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:'' اس سے پیشتر کہ تمہارے اعمال کے جانچنے کا وقت آئے اپنے نفس کو جانچو۔ اس سے پیشتر کہ اس زندگی میں تم نے جو کام کئے ان کا حساب تم سے مانگا جائے اپنا محاسبہ کرو۔ اس سے پیشتر کہ تمہاری روح کو اپنے نشیمن خاکی سے رخصت ہونا پڑے، نیک وپاک کام کرنے کی کوشش کرو اورحق وراست بازی کے راستے پر ثابت قدم رہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اگرتم اپنی تنبیہ اور اپنی ہدایت آپ نہ کرو گے تو کوئی دوسرا تمہیں راہ راست نہ دکھا سکے گا۔[۴]

حضرت علیؑ کی شخصیت، اوصاف، اعمال، عظمت، سیاست اور اصول زندگی کا مکمل و جامع مرقع ''نہج البلاغہ'' میں نظر آتاہے۔ جو بلاغت وفصاحت اورحکمت اسلام کا ایک حسین مرقوع ہے۔ اس کا

مطالعہ افکار علیؑ ، تاریخ اسلام ، ادب وحکمت کے لئے ضروری سمجھا گیا۔'نہج البلاغہ'' تاریخ نبوت، سیرت رسولؐ روح ایمان، انسانی اقدار اورحق وصداقت کے لئے اظہار وابلاغ کے معجز نما خطبات وخطوط اور ارشادات کا مجموعہ ہے۔ آپ کا شمار فصحائے عرب میں ہوتاہے۔ آپ کے خطبات وارشادات فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور اسکا معیار تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان خطبات وخطوط کو سید شریف رسید، ابوالحسن محمد بن حسین الموسودی (م: ۱۰۱۵ء) نے نہج البلاغہ' کے نام سے جمع کیا ہے۔ ان کے علاوہ طبری،مسعودی اوریعقوبی وغیرہ کی اہم تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جوعربی ادب کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۵؎

حضرت علیؑ کی منفرد ذات ایسی ہے جو پیدائش کے وقت سے ہی پیغمبر اسلامؐ کے آغوش تربیت میں رہی ہے۔ بچپن سے تعلیم وتربیت، جوانی میں شرف مصاہرت اور وصال نبویؐ تک در دولت سے وابستگی نے آپ کی ذات کوخلق نبویؐ کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر بنا دیا تھا۔ حضرت علیؑ کو ابتداء سے تربیت صالح ملنے کی وجہ سے ان کا دامن زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے محفوظ رہا۔ حضرت علیؑ بچپن ہی سے وعظ وپند اور تبلیغ اسلام میں ہر وقت آنحضرتؐ کے رفیق کا رہنے رہے۔ کلام اللہ پر آپ کی نظر عمیق ووسیع تھی اور قرآن کریم کی کسی بھی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا۔ نیز سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا تھا۔ وسعت علم کے ساتھ اسی درجہ آپ کی ذہانت، طباعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی۔ آنحضرتؐ نے آپ کو اسی لیے''صحابہ میں سب سے بڑے قاضی علیؑ ہیں'' (**اقضاهم علیؑ**) کہا تھا۔ ان خصوصیات کے ساتھ آپ میں تحصیل علم وکسب کمال کی فطری صلاحیت اور ذوق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو ذات نبویؐ سے جو فیض پہنچا وہ کم ہی دوسرے صحابہ کے حصے میں آیا۔ آپ قرآن ،تفسیر، حدیث، فقہ، نیز جملہ دینی علوم کا دریا تھے۔ آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو خود خیر الامۃ تھے فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں خدا نے علیؑ کو نو حصے عطا فرمائے اور دسویں حصے میں بھی آپ شریک تھے۔ زبان نبوت سے آپ کو''**انا مدينة العلم وعلیؑ بابها**'' کی سند ملی تھی۔ ٦؎

یہ حضرت علیؑ کی ذات ہے جس کی شمشیر اگر ایک طرف بڑے بڑے پہلوان اور سورما کو خاک وخون میں نہلاتی ہے تو دووسری طرف ان کی شخصیت زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار نظر آتی ہے۔ان (علیؑ) کا قول ہے کہ ''جب اپنے دشمن پر قابو پاجاؤ تو اس کو معاف کر کے نعمت کا شکر ادا کرو''۔ ۷؎

آپ کی سیرت واخلاق حسنہ کا سب سے نمایاں پہلو زہد وتقویٰ ہے۔بقول شاہ معین الدین ندوی ''حضرت علیؑ کی پوری زندگی زہدو وراع میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کرکے دکھانا مشکل ہے۔آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا۔ زہد کے بارے میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ'' دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے''۔عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم مین آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ'' وہ (علیؑ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے''۔تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ شدید سردی میں ایک چادر جو مدینہ سے لائے تھے ، اوڑھتے تھے۔ بدن کا نپ رہا ہے ۔ امیر المومنین ہونے کے باوجود بیت المال سے اس وجہ سے نہیں لیتے تھے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہو جائے ۔ ۸۔نمک ، کھجور ، دودھ ، اور گوشت سے رغبت نہ تھی آپ کی پسند یدہ غذاجو کی سوکھی روٹی تھی ۹۔ضمیر کے فیصلے کے مقابلے میں آپ نے مصلحت اندیشی کو کبھی راہ نہ دی ۔ دل کے جذبات کی صفائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلے میں مصلحت وقت کو ہمیشہ نظر انداز کیا ۔

ضرارہ بن حمزہؓ نے دربار شام میں سیرت علیؑ یوں بیان کی'' وہ بلند حوصلہ وقوی بہادر تھے ۔ ہر بات فیصلہ کن اور ہر فیصلہ عدل پر مبنی ہوتا تھا ۔ ہر پہلو سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے ۔حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا اور اس کی رعنائیوں سے بے نیاز مگر رات کی تاریکیوں سے شغف رکھتے تھے ۔مفکر اور عبرت پذیر تھے۔ سادہ معمولی لباس اور موٹی جھوٹی خوراک پسند تھی۔ ہمارے درمیان ہم جیسے لوگوں کی طرح بیٹھتے۔ ہم کچھ پوچھتے تو خوشی خوشی جواب دیتے ۔وہ ہم کوقریب رکھتے اور خود بھی قریب رہتے تھے ۔ غریبوں کو پہلو میں بیٹھاتے لیکن ہم ان کی ہیبت سے بات کرتے ڈرتے تھے ،وہ دینداروں کی تعظیم فرماتے۔ طاقت ور لوگ ان کے سامنے باطل کی طمع نہ کرتے تھے۔ اور کمزورانصاف سے مایوس نہ ہوتے تھے۔ میں نے دیکھا رات گزر رہی ہے ، ستارے جھلملا رہے ہیں اور وہ اپنی داڑھی ہاتھ میں لئے مارگزیدہ کی طرح تڑپ رہے ہیں ۔ آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے ہیں اور فرمارہے ہیں'' اے دنیا کسی اور کوفریب دے ۔ ،مجھ سے لگاؤ نہ کر ، مجھ سے اشتیاق نہ رکھ ، میں نے تجھے تین طلاق دے دئے ۔ تیری عمر تھوڑی اور اور تیرا مقصد حقیر ہے ۔ ہائے سفر بہت طولانی ہے ۔ راستہ وحشت ناک اور زاد سفر مختصر ہے ۔ یہ اوصاف سن کا امیر معاویہؓ رو دئے اور کہا کہ خدا ابو الحسن (علیؑ) پر رحم کرے ۔ بخدا وہ ایسے ہی تھے۔ ۱۰۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنی حکم'' فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة ''

کی تعمیل میں انہوں نے نہ دنیا ترک کیا اور نہ آخرت کو۔ آنحضرت کی روحانی تعلیم کو بطور خاص پھیلانے میں حضرت علیؑ کی شخصیت بہت ممتاز ہے۔

تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔؟ صوفیاء کے تمام بڑے سلاسل حضرت حسن بصریؒ کے واسطے سے آپ ہی پر منتہیٰ ہوئے ہیں۔تصوف ظاہری اسلام کی کسی خفیہ تعلیم کا نام ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ توحید کے عقیدے اور نظریہ کی وہ وسعتیں جو پیغمبر اسلام کی حیات ظاہری میں کھلی آنکھوں سے نظرآتی اور محسوس ہوتی تھیں انہیں پھر یاد دلایا جائے۔ بقول حضرت علیؑ ''ایمان چار ستونوں پر قائم ہے یعنی صبر، یقین، عدل، اور جہاد ان چاروں میں صبر کے چار شعبے ہیں شوق، خوف، زہد، اور امید۔ چنانچہ جو جنت کا مشتاق ہوگا اور جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتاہے وہ مصیبتوں کو آسانی سے برداشت کر جاتاہے۔ اور جو موت کا منتظر رہتا ہے وہ کارہائے خیر کی طرف تیزی سے بڑھتاہے۔ اور یقین کے بھی چار شعبے ہیں۔فہم کی درستی، حکمت کی گہرائی تک پہنچنا، عبرت انگیز حوادث سے سبق حاصل کرنا اور پہلے لوگوں کی سنت پر عمل کرنا۔ چنانچہ جس نے فہم کی درستی اختیار کی حکمت اس پر آشکار ہوگی۔ اس نے عبرت کو پہچان لیا۔ وہ ایسا ہوگا جیسے پہلے لوگوں میں رہ چکا ہو۔اور عدل کی بھی چار شاخیں ہیں فہم رسا، علم کی گہرائی تک پہنچنا، حسن فیصلہ اور قوت برداشت کی پختگی۔ چنانچہ جس نے فہم سے کام لیا اسے علم کی گہرائی معلوم ہوگئی اور جسے علم کی گہرائی معلوم ہوگئی، وہ فیصلے کے سرچشموں سے سیراب ہوکر نکلا اور جس نے قوت برداشت سے کام لیا، اس کے ادائے فرض میں کوئی کسر نہ رہی اور وہ لوگوں میں نیک نام ہوکر زندہ رہا۔ اور جہاد کے بھی چار شعبے ہیں۔ امر بالمعروف، نہی اعن المنکر، تمام موقع پر ثابت قدمی اور فاسقوں سے بغض رکھنا، چنانچہ جس نے معروف کے مطابق حکم دیا اس نے مومنوں کی کمریں مضبوط کردیں۔ اور جس نے ناروا باتوں سے لوگوں کو باز رکھا، اس نے کافروں کو ناکوں چنے چبوادیئے اور جو مواقع جنگ پر ثابت قدم رہا، اس نے اپنا فرض پورا کردیا۔ جس نے فاسقوں سے بغض رکھا اور اللہ کے لئے غضبناک ہوا، اللہ اس کی خاطر غضب ناک ہوگا اور قیامت کے دن اسے نہال کردے گا[۱۱]۔

مندرجہ بالا خطبے میں حضرت علیؑ نے اسلام وتصوف کی مکمل تشریح وتوضیح فرمادی اور ایک مومن کی زندگی کا مکمل لائحہ عمل بتا دیا۔ حضرت جنید بغدادی مندرجہ بالا خصائل وخصوصیات کو ایک دوسرے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ'' تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ جن سے آٹھ

پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ۔ ۲- رضا حضرت اسماعیلؑ کی ۳- صبر حضرت ایوب کا، ۴- اشارات حضرت زکریاؑ کے، ۵- غربت حضرت یحیٰ کی، ۶- لباس حضرت موسیٰؑ کا، ۷- سیاحت حضرت عیسیٰ کی اور ۸- فقر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا ضروری ہے۔ ۱۲؎ تبھی وہ معرفت الٰہی کے وجدان کو پاسکے گا۔ امام غزالیؒ اس بات کو ایک مختلف انداز میں یوں کہتے ہیں'' انسان کی قوت علم، قوت غضب اور قوت شہوت کے اعتدال کا نام ہی حسن خلق ہے۔ علم کی قوت اعتدال کا نام حکمت ہے۔ غضب کی قوت کے اعتدال کا نام شجاعت ہے۔ جس کے مظاہر خودداری، دلیری، آزادی، استقلال، ثبات اور وقار میں اور شہوت کی قوت کے قابل اعتدال کا نام عفت ہے۔ حیا، صبر، درگذر، قناعت، پرہیز گاری، لطیف مزاجی خوش طبعی ہے۔ طمعی وغیرہ عفت ہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ مختصر یہ کہ محاسن اخلاقی کے ارکان اصل تین ہیں۔ حکمت، شجاعت اور عفت، جس قدر اور اخلاق حسنہ ہیں سب ان ہی کے مختلف قالب اور مختلف مظاہر ہیں۔'' ۱۳؎ تصوف واقعتاً تہذیب اخلاق، تربیت نفس اور جلاء روح کا نام ہے۔ اور جب مذہبی وجدان پوری طرح نشو ونما پاجاتا ہے تو معرفت کا احساس مختلف زاویوں سے ہونے لگتا ہے۔ بقول حضرت علیؑ '' کیا یہ ماں کے بعض اعضاء کے وارد ہوجاتا ہے؟ کیا پروردگار کے حکم سے خود روح قبض کرتا ہے تو تم اسے دیکھتے ہو؟ نہیں بلکہ شکم مادر میں یہ جنین کی روح کس طرح قبض کرلیتا ہے؟ کیا یہ ماں کے بعض اعضاء پر وارد ہوجاتا ہے؟ کیا پروردگار کے حکم سے خود روح اس کی جانب پرواز کرجاتی ہے؟ یا خود ملک الموت ماں کے بعض اجزاء درونی میں ٹھہر جاتا ہے۔ (ذرا غور کرو) وہ شخص خدا کا وصف کیونکر بیان کرسکتا ہے جو اپنی ماں جیسی ایک مخلوق کے وصف سے عاجز اور درماندہ ہو'' ۱۴؎ ایک اور جگہ عرفان خدا کو حضرت علیؑ حکیمانہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں' جس نے خدا کی تعریف کی تو سمجھ لو اس نے اسے محدود کردیا۔ اور جس نے محدود کردیا۔ اس نے شمار کرلیا اور جس نے شمار کرلیا اس نے اس کی ازلیت ختم کردی۔ جس نے کہا'' وہ کیسا ہے، اس نے'' تعارف چاہا'' اور جس نے کہا'' وہ کہاں ہے'' اس نے اسے پابند مکان بنا دیا۔ وہ عالم تھا جب معلومات نہ تھی۔ وہ پالنے والا تھا جب پلنے والے نہ تھے اور وہ صاحب قدرت تھا، جب مقدور نہ تھے۔ ۱۵؎ اس لئے تنہائیوں میں گناہ سے ڈرو کہ جو گواہ ہے وہی حکام بھی ہے۔ ۱۶؎ اور حقوق اللہ کے سلسلے میں کم از کم یہ کرو کہ اس کی نعمتوں سے گناہ میں مدد نہ لو'' ۱۷؎ '' سب سے بڑی دولت مندی امیدوں کا چھوٹ جانا ہے۔ کیونکہ دنیا کی مثال ایک سانپ کی مانند

ہے جس کی کھال نرم اور زہر قاتل ہوتا ہے۔ ۱۸؎

حضرت علیؑ کے مواعظ میں توحید الٰہی ومعرفت الٰہی کی جو وجدانی کیفیت اور اسلام کی تشریح و توضیح دیکھنے کو ملتی ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں مل پاتی۔ حضرت علیؑ کے نزدیک اسلام کے معنی ہیں تسلیم اور تسلیم کا مطلب ہے یقین اور یقین بعینہ تصدیق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے اقرار اور اقرار ادا کرنے کو کہتے ہیں اور ادا کرنا عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ ۱۹؎ ''ایمان کا مطلب دل سے پہچاننا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا ہے''۔ اور جب ایمان کا عالم یہ ہوتو پھر یہ دنیا اور اس کی نعمتیں ہیچ دکھائی دیتی ہیں۔ تقویٰ، توکل، قناعت، فقر وشکر، وحسن سلوک میں حقیقی مسرت کا احساس ہوتا ہے اور پھر تخلیق انسانی کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا'' اے لوگو! میں تم سے اس گھر کی کیا تعریف کروں کہ جس کا آغاز رنج اور انجام نیستی ہے جس کے حلال میں حساب اور جس کے حرام میں عذاب ہے جو اس دنیا میں غنی اور مالدار ہوا وہ ہے وہ مبتلائے فتن ہوا اور جو اس دنیا میں مفلس ومحتاج ہے وہ اندوہ گیں ہے۔ جو اسے پانے کی کوشش کرتا ہے اسے یہ ملتی نہیں جو اس سے دور بھاگتا ہے اس کے پیچھے دوڑتی ہے، جو کوئی اسے (نگاہ عبرت سے) دیکھتا ہے اسے یہ بینا اور دانا بنا دیتی ہے اور جو اس کی زینت وآرائش کو دیکھتا ہے اسے یہ نابینا کردیتی ہے''۔ ۲۰؎ اس لئے قناعت پسندی بہت ضروری ہے اور پھر قناعت وہ دولت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اوراپنے نفس کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہے کہ جو باتیں دوسروں کے لئے ناپسند ہوں ان سے بچا جائے۔ ۲۱؎ قرآن کی واضح تنبیہ (**الهاكم التكاثر، حتى زرتم المقابر** (دنیاوی ساز وسامان پر فخر کرنا جو علامت ہے محبت طلب کی) تم کو آخرت سے غافل کئے رہتا ہے یہاں تک کہ قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔ ۲۲؎ جبکہ بعد ضروری ہے کہ وہ تقویٰ شعار بنیں۔ لیکن دنیا کی چمک دمک اور نفسانی خواہشیں ایسا نہیں ہونے دیتیں۔ حالانکہ منزل سامنے ہے اور قیامت پیچھے کھڑی ہے جو سبک بار بن کر ہنکار رہی ہے کہ باران تیز گام سے جاملو اور تمہارے اوّل کے لئے تمہارے آخر کا انتظار کیا جارہا ہے۔ ۲۳؎ مگر انجام یہ ہوتا ہے کہ بقول حضرت علیؑ '' مردہ اپنے عزیزوں کے درمیان پڑا ہوا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اپنے کانوں سے ان کا رونا سنتا ہے۔ عقل بجا اور فہم وادراک برقرار، پڑا سوچتا ہے کہ عمر عزیز کس طرح گنوادی، کس طرح بسر کیا، وہ جمع کردہ مال کو یاد کرتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں کس کس طرح حلال وحرام کے فرق کو نظر انداز کیا؟ اور مشتبہ وغیر مشتبہ ہر

طرح سے اسے فراہم کیا۔ اور اب بلاشبہ اس ذخیرہ اندوزی کے نتائج وعواقب لازم ہوگئے۔ یہ مال اس کے بعد ان لوگوں کیلئے رہ جائے گا جس سے وہ عیش وکامرانی کی زندگی بسر کریں گے اور یہ دکھ جھیل کر جمع کی ہوئی دولت غیروں کے لئے ہوجائے گی اور حساب وعذاب بارگراں اس کی پیٹھ پر رہے گا۔ اب وہ شخص اپنے اموال میں گرفتار ہے۔'' ۲۴ اس لئے خدا سے ڈرو چاہے وہ خوف کتنا ہی کم ہو۔ اور خدا اور اپنے درمیان شرم وحیا کا ایک پردہ رکھو چاہے وہ کتنا ہی باریک کیوں نہ ہو۔ ۲۵ بے شک تقوائے الٰہی استواری، قیامت کے دن کا کارآمد سامان، ہر غلامی سے آزادی اور ہر ہلاکت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ بے شک تقوائے الٰہی استواری، قیامت کے دن کا کارآمد سامان، ہر غلامی سے آزادی اور ہر ہلاکت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت علیؑ کا ارشاد'' اے لوگو! امیدوں کی کمی، نعمت پر خدا کا شکر، محارم سے اجتناب (بس یہی) زہد ہے۔ اگر ان چیزوں پر تم عمل نہ کرسکو تو کم ازکم حرام کو اپنی شکیبائی پر غالب نہ آنے دو (اور ہاں) نعمت خداوندی پر سپاس گزاری بھی نہ بھولو کیونکہ خدا نے اپنی ظاہر وروشن حجتوں اور واضح کتب آسمانی سے تمہارے کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے۔'' ۲۶

حضرت علیؑ نے اپنے مواعظ میں قناعت، فقر وتوکل صبر وشکر اور اکل حلال کی اور مادیت سے پرہیز گاری کی تلقین بھی واضح انداز میں لوگوں کو فرمائی جو تقویٰ شعاری کے لئے بنیادی شرائط ہیں۔ کیونکہ بنا تقویٰ کے عرفان الٰہی کے وجدان کا حصول ممکن نہیں۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں'' فرزند آدم! آج کے دن آنے والے دن کی فکر نہ کر اس لئے کہ اگر اس دن تیری زندگی ہے تو خدا تیرا رزق بھی اسی کے ساتھ لائے گا۔'' ۲۷ اس کی مزید تشریح وتوضیح حکیمانہ انداز میں فرماتے ہوئے ارشادعلیؑ ہے کہ'' جس روزی کی تمہارے لئے ضمانت دی جاچکی ہے وہ تو واجب ہوگئی اور جوعمل صالح تم پر واجب کیا گیا تھا وہ ساقط ہوگیا۔ پس عمل کی طرف جلدی کرو اور ناگہانی موت سے ڈرو۔ کیونکہ بازگشت عمر کی ایسی امید نہیں جیسی بازگشت رزق کی امید کی جاسکتی ہے۔ آج اگر روزی کا کچھ حصہ کم ہوگیا تو اس میں اضافہ ہوسکتا ہے اور کل (گذشتہ) جتنی عمر جاچکی ہے آج وہ واپس نہیں آسکتی۔ آئندہ روزی کی امید ہے اور گزشتہ (عمر) سے ناامیدی ہی بہتر ہے۔ لہٰذا (خدا کہتا ہے) عذابِ الٰہی سے ڈرو اور پرہیز گار بنو۔ ایسی پرہیز گاری جو اس کے لئے سزاوار ہے۔ اور نہ مردمگر مسلمان بن کر۔ ۲۸ حضرت علیؑ نے اپنے مواعظ میں ضرورت سے زیادہ کی مادی زندگی سے پرہیز پر زور دیا ہے وہ ایک

ایسی زندگی کے خواہاں نظر آتے ہیں جس میں مال و دولت انسان کو یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ ڈالے۔ اور خوف خدا کا احساس ان کے ذہنوں سے غائب نہ ہو۔ ان کا مال ومتاع صرف ان کے لئے نہ ہو بلکہ ناداروں، مسکینوں اور ضرورتمندوں کو بھی اپنے مال ومتاع میں شریک کرکے حسن وسلوک کا مظاہر کریں۔ اور جذبات تشکر ان کے زبانوں سے ہمیشہ جاری رہیں۔ حضرت علیؑ لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں'' جس نے تم کو مال ومتاع بخشا ہے اس کی راہ میں تم اسے خرچ نہیں کرتے اور نہ اپنی جانوں کو اس کے لئے خطرے میں ڈالتے ہو، جس نے ان کو پیدا کیا۔تم نے اللہ کی وجہ سے بندوں میں آبرو پائی لیکن اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرکے اس کا احترام نہیں کرتے'' ۲۹حضرت علیؑ عابد وزاہد تقویٰ شعار مومن، جس پر معرفت کی وجدانی کیفیت پوری طرح آشکار ہوچکی ہو اور خوف الٰہی وعذاب خدا کا احساس پوری طرح جاگزیں ہوچکا ہو، کی تصویر کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔'' دن کے وقت یہ لوگ بردبار اور حلیم ہیں، نیکو کار اور پرہیز گار ہیں۔ خدا کے خوف نے انہیں اس طرح لاغر کردیا ہے جیسے تیر کی لکڑی رندہ کرکے باریک کردی جاتی ہے۔ دیکھنے والا ان کی طرف دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے یہ بیمار اور مریض ہیں حالانکہ کوئی بیمار نہیں رکھتے اور دیکھنے والے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہی لوگ مجنوں اور دیوانے ہیں۔ حالانکہ نہ مجنوں ہیں نہ دیوانے بلکہ ایک بہت بڑی بات (اندیشہ قیامت) نے انہیں گھیر رکھا ہے۔ یہ اپنی کم عبادت سے رضا مند نہیں ہوتے اور بہت کو بہت نہیں سمجھتے۔ یہ اپنے آپ کو عاصی ومہتمم وگنہگار سمجھتے ہیں اور اپنے کردار سے ہراساں رہتے ہیں(کہ شاید ناپسندیدہ قرار پائے) تو جب ان میں کسی کے کردارِ نیک کا ذکر ہوتا ہے تو یہ ڈر جاتے ہیں او رکہتے ہیں'' میں اپنا حال دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں اور میرا پروردگار مجھ سے دانا تر ہے۔''۳۰

حضرت علیؑ کے نزدیک دنیا کی حقیقت فانی اور سراب سے زیادہ نہ تھی اور دنیاوی مال ومتاع اور ساز وسامان سے زیادہ اہم وہ زادِ سفر تھا جو عبادت وریاضت اور حسن وسلوک کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جس کے لئے خدا نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔ مادی وسائل فراہمی ان کے نزدیک صرف اس حد تک ضروری ہے جس سے زندہ رہا جاسکے۔ اور اگر مال ومتاع ہے تو اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ حضرت علیؑ کے نزدیک'' دنیا اسکے لئے سچائی کا گھر ہے۔ جو اس کے ساتھ سچا ہے۔ جو اسے سمجھ گیا، اس کے لئے تندرستی کی جگہ ہے۔ یہ سرمایہ داری کا ٹھکانہ ہے، جو اس سے سامان سفر لے اور نصیحت کا مقام ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ یہ تو دوستانِ خدا کی مسجد، اس کے ملائکہ کا مصلّی ،

وحی کی منزل ، اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے، جس میں وہ رحمت کماتے ہیں اور جنت کا نفع اٹھاتے ہیں''۳۱ حضرت علیؑ جن کے یہاں اسلام کے رموز واسرار کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا ،جو روز روشن کی طرح عیان نہ ہو۔ اور اسلام کی سچی اور عملی روح کا کوئی پہلو ان سے چھپانا تھا۔ مذہب شریعت کا کوئی عام و دقیق مسئلہ ان سے پوشیدہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے سوز و گداز اور ذوق وشوق سے بھری وجدانی کیفیت آپ کی عبادت کی خاصیت تھی۔ اور وہی وجدانی وفلسفیانہ نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی آپ کے مواعظ کا مظہر تھی۔ اور اللہ پر مکمل توکل ان کی ذات کا وصف خاص تھا۔معرفت باری تعالیٰ کی اس سے عمدہ مثال حضرت علیؑ کے یہاں اورکیا ہوسکتی ہے کہ'' میں نے خدا کو ارادوں کے توٹنے اور بندھنوں کے کھلنے سے پہچانا''۳۲ اور وجود خدا کی ایسی دلیل صرف وہی شخص دے سکتا ہے جس کو عرفان حاصل ہوجاتا ہے اور اعمال مواخذہ کا (خیال رہتا ہے اور پھر اس شخص کو فقر میں بھی مزہ آنے لگتا ہے اور پھر ایسا شخص خالق کائنات سے یوں دعا کرتا نظر آتا ہے کہ'' خدایا ! میری آبرو کو غنا وتونگری کے ساتھ محفوظ رکھ اور فقر وتنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق مانگنے والوں سے رزق مانگنے لگوں اور تیرے بندوں کی نگاہ لطف کرم کو اپنی طرف موڑنے کی تمنا کروں اور جو مجھے دے اس کی مدح وثنا کرنے لگوں اور جو نہ دے اس کی برائی کرنے میں مبتلا ہوجائیں'' ۳۳ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی وہ مثالی روح جس کی تبلیغ وہ اشاعت کے لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالق کون ومکاں نے مبعوث کیا تھا، انکے کردار کی آئینہ دار تھی۔ حضرت علیؑ لوگوں کو تلقین کرتے ہیں'' اپنے اندر حلم وعاجزی پیدا کرو۔ پرہیز گاری اور راست بازی سے کام لو، اپنے نفس کا محاسبہ کرو، کیونکہ جو ایسا کرتا ہے اسے اجرِ عظیم ملتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا بڑے خسارہ میں رہتا ہے۔ اور جو کوئی تقویٰ پر عمل کرتا ہے اپنی روح کو سکون بخشتا ہے اور جو شخص تنبیہ پر کان دھرتا ہے وہ حق کو سمجھ لیتا ہے اور جو شخص حق کو سمجھ لیتا ہے اسے کمال علم حاصل ہوجاتا ہے'' بقول سید امیر علی'' حضرت علیؑ کے ان ارشادات میں قضا وقدر کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اس کے برعکس وہ ایسے قلب کے آئینہ دار ہیں جس میں خدا پر ایک جیتا جاگتا ایمان تھا''۳۴ سرورِ کائناتؐ نے عقل وفہم، مقید ومطلق، حدود وغیر محدود کی جو تعریف کی ہے وہ ہمیں حضرت علیؑ کے مواعظ وارشادات میں مکمل توضیح وتشریح اور فلسفیانہ وحکیمانہ انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

شیخ محمد عبدہ نہج البلاغہ میں منقول حضرت علیؑ کے مواعظ وارشادات کے سلسلے میں رقمطراز ہیں ''میں جتنا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا مجھے مناظر بدلتے ہوئے ، آثار متغیر ہوتے ہوئے

دکھائی دیتے ہیں چنانچہ کبھی میں اپنے کو ایسے عالم میں پاتا جیسے اچھی عبارتوں کو حلوں میں معانی کی بلند ترین روحیں آباد ہورہی ہوں اور وہ اچھے اور پاکیزہ نفوس کے گرد طواف کرکے اور صاف قلوب سے قریب ہوکر اصلاح کا پیام دیتے ، مقصد کو پائیدار کرنے اور قلوب کو لغزشوں کے غار میں گرنے سے بچا کر فضل وکمال کے راستوں پر ڈال دیتے ۔ اور کبھی میں یہ سیکھتا کہ ایک عقل نورانی جو جسمانی مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی ، خداوندی کے شاہانہ جلوس اور سواری سے الگ ہوکر روح انسانی سے مل گئی ہے اور اس میں بڑے بڑے مادی عنصر کے پردوں کو چاک کرکے اس ملکوت اعلیٰ کی طرف اٹھا لے گئی ہے ۔ مشہد نورِ مجلی تک اسے لے کر پہنچ گئی ہے اور فتنوں واوہام کے داغ دھبوں سے صاف کرکے پایہ عرش کے ایک طرف ٹھہرا دیا ہے۔'' ۳۵ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ'' علیؑ کا یہی احسان کیا کم ہے کہ آپ نے ہم کو توحید کے تصورات بخشش فرمادیئے جن سے ہم نا آشنا تھے اور اگر علیؑ توحید کے اسرار تعلیم نہ فرمادیتے تو مسلمان فلسفہ الٰہیات سے بے بہرہ رہ جاتے'' ۳۶ حضرت علیؑ کے مواعظ واشادات میں ایسا لگتا ہے کہ ان کو مخلوقات عالم کے حقائق اور آفرینش عالم کے رموز سے اس طرح واقفیت تھی جیسے کہ یہ چیزیں ان کے سامنے بنائی گئیں ہوں یا بنانے والے سے اتنی قربت حاصل کرچکے تھے کہ اس کے تمام اسرار و رموز اس خالق کل نے ان کو کسی ذریعہ سے ودیعت فرمادئے تھے ۔ تبھی وہ اعلیٰ اقدار کی تعلیم دنیا والوں کو اس طرح دے سکے کہ'' خدا کی قسم اگر یہ صفت یعنی خدا کی توجہ اور تیری بے توجہی ایسے دو شخصوں میں ہوتی کہ تونگری میں مساوی اور توانائی میں برابر ہوتے (اور ان میں سے ایک تم ہوتے تو بے شک تم پہلے شخص ہوتے جو اپنے نفس کو ناپسند عادت اور بد اخلاقی کا مجرم قرار دیتے) میں سچ کہتا ہوں کہ دنیا نے تمہیں فریب نہیں دیا بلکہ تم خود پر فریفتہ ہو، دنیا نے تمہیں واضح نصیحتوں کی طرف متوجہ کیا اور عدل و برابری سے آگاہ کیا اور جو وعدے تم سے کئے (جیسے بیماری وکمزوری) ان میں وہ دنیا بڑی سچی اور وفادار تھی۔ بجائے اس کے کہ تم سے جھوٹ بولتی یا فریب دیتی۔ اور بہت ناصح ہیں جنہیں تم گناہگار جانتے ہو اور بہت سچی خبریں ہیں جنہیں تم دروغ سمجھتے ہو۔ اگر تم ویران شہروں اور سنسان ویرانوں سے اس دنیا کی معرفت حاصل کرو تو تم انہیں اپنا اچھا مہربان اور ناصح پاؤگے۔ تم انہیں ایسا شفیق دوست پاؤگے جو اس امر پر بخیل ہوگا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ کتنا اچھا ہے اس شخص کا گھر جو دنیا سے دل نہیں لگاتا اور کتنی اچھی ہے وہ جگہ جسے وہ اپنا مستقل محل اقامت نہ بنائے ۔ بلاشبہ کل کے دن دنیا کے نیک بخت وہی لوگ ہوں گے جو آج اس

دنیا سے گریزاں ہیں۔''۳۷ واقعتاً حقیقی عرفان وتصوف مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ جس کی اساس شریعت اور سرچشمہ قرآن وحدیث ہیں یہ شریعت کی نفی نہیں بلکہ اس کی تشریح وتوضیح ہے۔ یہ صرف اقرار باللسان ہی نہیں بلکہ اقرار بالقلب بھی ہے۔ عرفان وتصوف واقعتاً گہرے زہد وعبادت اور وجدو استغراق کا مسلک ہے۔ محبت اس کا ولولہ وعبادت اور عالمِ محسوسات سے گذر کر خدا سے مل جانا اس کی منزل مقصود ہے اور حضرت علیؑ کی شخصیت جو فطرتاً للّٰہیت اور خلوص نیت کا پیکر تھے اور اصول اسلام واعمال دین ان کے خمیر کا جزو لاینفک تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، اپنی ذات کا شعور، اسلام کی بصیرت اور اس کا تحفظ ان کی ذات کے لئے حاصل حیات اور تبلیغ واشاعت نیز حفاظت دین ان کا منصب تھا۔ ان کی ذات واقعتاً دامے درمے، سخنے اسی کام کے لئے وقف تھی، وہ حکمت ودانش کا پیکر عظیم تھے اور جو واقعی اسلام کے راز ہائے سربستہ کی توضیحات اور اسکی عرفانی ووجدانی کیفیت کو مترشح کرنے کے لئے ہی خلق کئے گئے تھے۔ احساس باطنی اور انکشاف حقیقت کو مترشح کرنے کے لئے ہی خدائے برترنے ان کو خلق کیا تھا۔ واقعی ان کی ذات گرامی لوگوں کو یقین وطمانیت نیز اعلیٰ وارفع منزل مقصود سے ہمکنار کرنے والی شاہراہ کی رہنمائی کرتی ہے جو ہماری عقل وظرف پر منحصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے مواعظ وارشادات صرف عرفان وتصوف کا سرچشمہ نہیں بلکہ ہماری خوابیدہ روح کو بیدار کرکے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

حوالے:

۱-القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۶۳

۲-روح اسلام از سید امیر علی، ترجمہ محمد ہادی حسین، دہلی، ۱۹۸۶ء ص ۶۴۸

۳- تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۸۵ء ص ۲۳

۴- روح اسلام، ۵۹۴

۵- تاریخ اسلام، جلد اول، از شاہ معین الدین احمد ندوی، اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء ص ۳۷۲

۶- ایضا، ۳۶۹

۷- نہج البلاغہ، سید شریف رضی، مترجم سید رئیس احمد جعفری، نائب حسین نقوی وغیرہم، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۷۱۹

۸- تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۳۷۵-۳۷۳
۹- ہندوستانی اردو مورچہ ہفت روزہ، دہلی، مولود کعبہ نمبر، جلد ۳، شمارنمبر ۱ رتا ۳، ۷ فروری ۱۹۹۰ء ص ۲۲
۱۰- نہج البلاغہ، ۷۲۸، تاریخ اسلام، جلد اوّل، ۷۸-۳۷۷، ہندوستانی اردو مورچہ، ۲۳-۲۲
۱۱- نہج البلاغہ، ۲۳، ۷۲۱، ۷۰
۱۲- کشف المحجوب از ابو الحسن سید علی بن عثمان ہجویری، مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۲۷-۱۲۶
۱۳- تصوف شریعت کی روشنی میں از پروفیسر ماجد علی خان، قومی آواز، روزنامہ، جلد ۷۱، شمارہ ۹۱، ۸ر اپریل ۱۹۷۷ء ص ۳
۱۴- نہج البلاغہ، ۳۵۵
۱۵- ایضا، ۴۲۷
۱۶- ایضا ۷۷۱
۱۷- ایضا ۷۷۲
۱۸- ایضا، ۷۷۳
۱۹- ایضا، ۶۹۱
۲۰- ایضا ۷۳۷، ۷۲
۲۱- ایضا، ۷۲۱-۷۲۰
۲۲- ایضا، ۷۸۶
۲۳- القرآن، سورہ التکاثر، آیات ۲-۱
۲۴- نہج البلاغہ، ۱۷۶
۲۵- ایجا، ۳۴۷
۲۶- ایضا، ۷۵۴
۲۷- ایضا، ۷۲۰
۲۸- ایضا، ۷۶۲

۲۹- ایضا، ۳۶۱

۳۰- نہج البلاغہ، مترجم مفتی جعفر حسین، بمبئی، ۱۹۸۸ء ص ۳۳۲

۳۱- نہج البلاغہ، مترجم سید رئیس احمد جعفری وغیرہم، ص ۴۹۰

۳۲- ایضا، ۳۹۷

۳۳- ایضا، ۵۵۷

۳۴- ایضا ۵۳۸

۳۵- ایضا، ۵۹۵

۳۶- ایضا، ۸۳

۳۷- ایضا، ۲۵

☆

ایک شیعہ صوفی: سید حسین خنگ سوار

پروفیسر عراق رضا زیدی

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا آغاز محمد بن قاسم کے حملے سے ہوتا ہے جو عرب تھا اس کے ساتھ آنے والوں میں صرف لشکری تھے صوفیوں کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ عرب اور ہندوستان کے درمیان مذہبی، تجارتی اور سیاسی تعلقات قبل اسلام بھی استوار تھے، لیکن عربوں کے مقابلے یہ تعلقاتی سلسلہ ایران اور ہندوستان کے درمیان زیادہ مستحکم اور پائیدار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب سندھ سے آگے قدم نہیں بڑھا سکے جبکہ محمود غزنوی کے ۳۹۰ھ سے ۴۲۱ھ تک کے سترہ حملوں کا اثر آج تک باقی ہے۔ یہ اثر غزنوی تلوار کی بنا پر نہ ہو کر اس کے ساتھ اور اس کے بعد آنے والے ایران اور وسط ایشیا کے صوفیوں کی حکمت عملی یا عادات وخصلت کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ ہندوستان میں ایک خدا سے محبت وعشق کی سرگرمی رشیوں، منیوں کے کردار وں میں رچی بسی تھی۔ اُپنشد کے مطابق:

ترجمہ: اللہ ایک ہے، دونہیں ہیں۔ اور ایسا (یعنی دویا دو سے زیادہ) ہو بھی نہیں سکتا[۱]

اصل اُپنشد کا یہ جملہ ''لا الہ الا اللہ'' کا آزاد ترجمہ ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان میں بت پرستی آتش پرستی کے ساتھ ہر اس سے شے کی پوجا ہور ہی تھی جو یا تو طاقتور تھی یا سود مند۔ ہندوستان میں صوفیوں کی آمد کا سلسلہ محمود غزنوی کے دور میں شروع ہو چکا تھا۔ شیخ حسن زنجانی، شیخ حسین زنجانی، ابو مودود چشتی، معین الدین اور ابو الفرح واسطی کے نام اسی دور سے وابسطہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ شیخ حسین زنجانی کا جس دن انتقال ہوا اسی روز شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج شکر وارد ملتان ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے لاہور کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں تصوف کی پہلی معرکۃ الآرا کتاب کشف المحجوب تحریر کی۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری انہیں کی قبر پر چلہ کھینچنے کے بعد اجمیر کی رونق دوبالا کرنے آئے تھے لیکن حضرت معین الدین چشتی سے قبل ہی یہاں سید حسین خنگ سوار اپنے وجود کا احساس دلا کر خدمت دین انجام دیتے ہوئے شہید ہو چکے تھے جن کا مزار تارہ گڑھ میں ہے جو اس سرزمین کا پہلا مزار اور خانقاہ ہے۔

سید حسین خنگ سوار کو اکثر مورخ اور مصنف سید حسن خنگ سوار کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ فیروز اللغات حصہ اول میں خواجہ سید حسن خنگ سوار کے معنی اس طرح تحریر ہیں ۔

'' ایک ولی کا نام اور لقب جنہوں نے شیوع اسلام کے ابتدائی زمانے میں اجمیر کے قریب شہادت پائی کیوں کہ ان بزرگ کی سواری کا گھوڑا خنگ یعنی نقرہ تھا۔ اس لئے خنگ سوار کہلائے۔'' ۲

سید حسین خنگ سوار کے جد ابو الفرح واسطی ۱۰۰۶ء میں محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان وارد ہوئے تھے ۔ ایک طرف محمود غزنوی جہاں لوٹ پاٹ اور حکومت بڑھانے میں مصروف تھا وہیں دوسری طرف اس کے ستائے ہوئے غریب انسانوں کے زخموں پر مرحم رکھنے کا کام صوفیائے کرام کررہے تھے جن میں سے ایک ابو الفرح واسطی بھی تھے۔ جیسا کہ صغیر احمد صدیقی نے لمحے لمحے کے قلم نمبر میں تحریر کیا ہے۔

'' بادشاہ محمود غزنوی کے ہمراہ حضرت ابو الفرح واسطی ہندوستان آئے اور حضرت ابو الفرح واسطی ہی وہ شخصیت ہیں جن کے سبب ملک میں پیری مریدی کو بے حد فروغ ملا۔'' ۳

پیری مریدی کے فروغ ملنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور کے عام انسان وہ چاہے کسی بھی مذہب کے ہوں ابو الفرح واسطی کے مرید ہورہے تھے ۔ پنجاب اور کشمیر میں یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے کہ ہر مذہب کے لوگ عام سید کے بھی مرید ہوجاتے ہیں ۔ پھر کسی صوفی کا کہنا ہی کیا ۔ ابوالفرح واسطی کی طرح اسی وقت نہ جانے کتنے صوفی رہے ہوں گے جو فاتح لشکر کی تلوار سے زخمی لوگوں کے دلوں پر اپنی میٹھی بولی سے مرہم لگا رہے تھے وہ دین دکھیوں کے دلوں کی باتوں کو سنتے اور ان کی مشکلات کا حل کرنے کی کوشش کرتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تو بیماروں کے لئے صحت یاب ہونے کی دعا بھی کرتے اور انہیں دوا بھی دیتے۔ ان کی دعاؤں میں اثر تھا یوں تو ''صوفی'' لفظ کی تعریف الگ الگ صوفیوں اور دانشوروں نے کی ہے جن سے کتابوں پر کتابیں بھری جاسکتی ہیں۔لیکن راقم کی نظر میں۔''صوفی وہ ہے جس سے کسی بھی انسان یا مخلوق خدا کو کسی طرح کا کوئی رنج نہ پہنچے۔ جسے دیکھ کر لوگ انوکھی خوشی کا احساس کریں۔''

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ کوئی صوفی نہیں تھا ۔ کیوں کہ صوفیوں کی باقاعدہ آمد کا سلسلہ ایران کے زیر اثر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ غزنوی دور حکومت میں ہی ہندوستان میں صوفیوں کا آنا جانا شروع ہوا۔ جیسا کہ محمد اکرام نے بھی تحریر کیا ہے۔

''عہد غزنویہ میں پاکستان (قدیمی ہندوستان) کے جس شہر نے سب سے زیادہ شہرت پائی وہ لاہور تھا....اب صرف عرب سے ہی نہیں بلاد اعظم سے بھی علماء ومشائخ آنے شروع ہوگئے تھے''۔ ۴

یہی وجہ ہے کہ اس سرزمین پر سب سے پہلے آنے والے صوفی صفی الدین گا ذرونی ۹۲۶ء تا ۱۰۰۷ء اچہ کا نام حفیظ الرحمٰن بھاول پوری نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

''صفی الدین مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابو اسحاق گاذرونی کے مرید اور خواہر زادے تھے۔ سترہ برس کی عمر میں اچہ تشریف لائے اور ۱۰۰۷ء میں وفات پاگئے۔'' ۵

صفی الدین کے بعد شاہ یوسف ملتانی ۴۶۲ھ/۱۰۴۰ء سے ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء کا وصال ہوا۔ ملتان میں ہی ان کا مزار بھی ہے۔ شیخ اسمٰعیل لاہوری کا مزار بھی لاہور میں ہے۔ لاہور میں یہ مزار کسی صوفی کا پہلا مزار ہے۔ ان کے بعد ہی حضرت داتا گنج بخش کی وفات ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۲ء لاہور میں ہوئی اور یہیں سے صوفیوں کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ پنجاب کے بعد باقی ہندوستان میں صوبۂ راجستھان کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ ''سلطان الہند'' کے خطاب سے پکارے جانے والے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر تشریف لائے۔ جن کی شخصیت بنا قید مذہب وملت نہایت عظیم ہے۔ ان کے مزار پر ہر مذہب کے لوگ مرادیں مانگتے، پاتے اور چادریں چڑھاتے ہیں۔ فقیر سے راجہ تک اس آستانے پر سر جھکاتے ہیں لیکن خواجہ صاحب سے پہلے ہی اجمیر میں سید حسین خنگ سوار تشریف لاچکے تھے۔ جن کی شہادت ۵۹۷ھ میں ہوگئی تھی۔ راجستھان کے مشہور شہر اجمیر کے ایک اوپری حصے تارہ گڑھ میں یہ کسی صوفی کا پہلا مزار بنا تھا جس پر آپسی بھائی چارے کی مثال اس وقت سے آج تک قائم ہے۔ وقائع راجپوتانہ کے مصنف بابو جوالا سہائے عدالتی ریاست بھرت پور جو انگریزوں کے اشارے پر راجستھان کے حالات لکھ رہے تھے وہ سید صاحب کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

'' تارہ گڑھ میں میران صاحب کی درگاہ ہے یہ میران حسین شہاب الدین غوری کے رسالدار تھے۔ اجمیر فتح ہوئی تب ان کو یہاں قلعہ دار کیا بعد ازاں راجپوتوں نے شبخون مارا اور ان کو قتل کیا۔ دوسرے روز دیگر ملازمان شاہی نے ان کو وہیں دفن کیا چونکہ مسلمانوں میں اکثر مرنے کے بعد پیر ہوجاتے ہیں۔ میران صاحب کے مزار کی پرستش اور زیارت ہونے لگی۔ جبار خاں نے اکبری عہد میں درگاہ بنوائی اور دیگر مکانات سندھیا کی عملداری میں تیار ہوئے۔ خصوصاً گمان جی راو نے کئی

مکان تعمیر کرائے۔ اس درگاہ کی جاگیر میں تین گاؤں ہیں دو مغلیہ سلطنت کے زمانے سے اور ایک سندھیا کا عطیہ ہے۔ یہاں بھی رجب کے مہینے میں عرس ہوا کرتا ہے اور اکثر رسوم مثل درگاہ خواجہ صاحب ادا ہوتی ہیں۔[۶]

انگریزوں کی شہ پر انہیں کو خوش کرنے کے لئے لکھا گیا وقائع راجستھان بھی اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ سید حسین خنگ سوار ہندو مسلم اتحاد اور یگانگت کے عکاس تو تھے ہی بلکہ ان کے یہاں چھوٹے بڑے کا بھی کوئی امتیاز نہیں تھا۔ بادشاہ سے لیکر فقیر تک ان کی ذات بابرکات سے مالا مال ہوتے رہے ہیں۔

سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ کے زبانی یہ جملہ ملتا ہے۔''کہ جب خواجہ بزرگ اجمیر تشریف لائے تو اس وقت رائے پتھورا ہندوستان کا بادشاہ اجمیر میں رہتا تھا۔''[۷]

سیر الاقطاب میں بھی خواجہ معین الدین چشتی کے احوال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حکم کا تذکرہ کیا ہے۔ جس سے یہاں سید حسین کی عظمت کا پتہ چلتا ہے وہیں رسول خدا سے ان کی قربت کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

'' آن حضرت می فرماید کہ معین الدین تو عین دین مائی ولیکن ترا بہ ہندوستان باید رفت ودر آنجا مقامیست اجمیر نام آنجا از فرزندانم سید حسین نام بہ نیت غزوہ وجہاد رفتہ بود اکنون اوشہید شدہ است۔ وباز آن مقام بدست کفار آمدہ بہ یمن قدومت در آنجا اسلام آشکار خواہد شد وکافران مقہور گردند۔[۸]

اور جب خواجہ صاحب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔

''القصہ چون آنحضرت بہ رانا ساگر سکونت نمود شخصے بعرض رسانید کہ یا حضرت این ہمان مقام است کہ سید حسین خنگ سوار وقتیکہ بہ تسخیر این دیار آمدہ بود ودر اینجا بسرمی برود این حوض راہمان مرتضوی انتساب نمودہ۔ حضرت خواجہ فرمود الحمد اللہ تعالیٰ کہ بر ملک برادر خود متصرف شدم۔''[۹]

سیر الاقطاب کے علاوہ سید حسین کی سوانح میں اکثر اخبار الاخیار تصنیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے افسوس کی بات ہے کہ اس کتاب میں سید حسین پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ اس دور کے صوفیوں یعنی طبقۂ اول میں صرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکی، شیخ بہاؤ الدین محمد ذکریا، سید نور الدین مبارک، شیخ حمید الدین، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ نظام الدین ابو المویدجیسے اکیس صوفیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اکثر

خواجہ معین الدین چشتی کے احوال میں خنگ سوار کا تذکرہ مل جاتا ہے لیکن اس کتاب میں وہاں بھی کوئی ذکر سید حسین کا نہیں ہے۔ طبقہ سوم میں ایک صوفی شیخ حسین کا نام درج ہے جن کا زمانہ ۹۱۴ھ سے ۱۰۰۵ھ تک کا ہے جب کہ خنگ سوار کی شہادت تقریباً چار سو سال قبل ہو چکی تھی ۔ اس طرح ایک اور شیخ حسین طبقہ دوم میں ہیں۔ یہ سید حسین خنگ سوار نہیں ہیں۔ در اصل اس کتاب میں کسی ایسے صوفی کا ذکر نہیں ہے جس کے پاس امارت رہی ہو خود شیخ محدث دہلوی بادشاہوں اور امیروں سے ملنے میں احتیاط کے قائل تھے۔ حالانکہ سیر الاقطاب میں خنگ سوار کو خواجہ معین الدین چشتی سے یہ کہہ کر افضل بتانے کی کوشش کی ہے کہ'' معین الدین تو میرے دین کی آنکھ یعنی دین پھیلانے والا ہے لیکن سید حسین کے لئے رسول خدا کا یہ کہنا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔'' اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ بیٹا اور وہ بھی متقی ۔ پرہیز گار اور جہادی ہوتو اپنے جد کی نظر میں سب سے پیارا ہوتا ہے۔ سید حسین خنگ سوار میں یہ ساری خصوصیات کراماتی حدود تک دکھائی دیتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثر عرفان وتصوف پر لکھے جانے والے صوفیوں کے حالات میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ تاریخ کی کتابوں میں محمد غوری اور قطب الدین ایبک کے حالات میں جداگانہ باتیں ملتی ہیں ۔کوئی انہیں اجمیر کا داروغہ تو کوئی صوبے دار تو کوئی صرف امارت کے عہدے پر سرفراز جانتا ہے ۔ حالانکہ خود ان کے نام کی نسبت حضرت میران سید حسین خنگ سوار میں میران صوفی کی علامت ہے تو خنگ سوار ان کے عہدہ امارت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ سید حسین خنگ سوار کے مکمل حالات ابھی بھی پردہ خفا میں ہیں یہاں تک کہ ان کے شجرے تک کا صحیح علم خود ان کے مزار کے خادموں کو بھی نہیں ہے۔ جنہوں نے پانچ سو سے زیادہ سال بیت جانے کے بعد بھی چودہ پشتوں کا حوالہ دیا ہے۔ حاجی سید شاہد حسین ایم اے جو خدام میں سے ہیں سید صاحب کا شجرہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

'' شجرہ طیبہ حضور سرکار میران سید حسین اصغر صاحب خنگ سوار نور اللہ مرقدہٗ''

۱۔حضرت امام علی علیہ السلام ۲۔حضرت امام حسین علیہ السلام
۳۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ۴۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
۵۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۶۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
۷۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام ۸۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

۹۔حضرت سید ابوجعفر موسی المبرقع ۱۰۔حضرت سید اکبر

۱۱۔حضرت سید ابوعلی ۱۲۔حضرت سید محمد الدعراجؒ

۱۳۔حضرت سید ابوعبداللہ (سید ابراہیم محدث) ۱۴۔شہید راہ خداغازی السلام ،حضرت میران سید حسین خنگ سوار نور اللہ مرقدہٗ۔''[۱۰]

یہاں بھی اس طرح نشاندہی ضروری ہے کہ اس شجرے سے منسوب نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کی شہادت ۲۲۰ھ میں بادشاہ وقت معتصم عباسی کے زہر دینے کی بنا پر ہوئی تھی۔ [۱۱] لہٰذا ۲۲۰ سالوں میں آٹھ بزرگوں کے نام ملتے ہیں۔ جبکہ ۵۹۷ھ تک ابھی تقریباً ۳۷۷ سالوں میں صرف پانچ کڑیوں کے بزرگوں کے نام دئے گئے ہیں ۔ اس کتاب کے علاوہ درگاہ میں لگے ایک فریم میں تیرہ بزرگوں کی شکل میں سید احمد نقیب کا ایک نام اور ملتا ہے ۔ گویا یہ شجرہ نامکمل ہے۔ حقیقت میں سید حسین خنگ سوار چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ جیسا کہ ایک قلمی شجرے سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ شجرہ قصبہ سیتھل ضلع بریلی ۔ یو۔پی کے سادات کا ہے۔ جو ہمایوں کے سال وفات ۱۵۵۶ء میں سید امان اللہ اور ان کے پوتے سید فیض اللہ نے بسایا تھا ۔ اس وقت سے آج تک شاید یہ دنیا کا تنہا شجرہ ہے جس میں شادی نکاح کی بناپرآنے جانے والی لڑکیوں کا احوال مع خاندان اور سکونت کے درج کیا گیا ہے۔ اس شجرے کے مطابق:

حضرت ہاشم

حضرت عبدالمطلب

حضرت عبداللہ حضرت ابو طالب

حضرت محمد مصطفیٰؐ

حضرت فاطمہ زہرا (س) حضرت علی علیہ السلام

امام حسنؑ ۲۔ امام حسینؑ

۳۔ امام زین العابدینؑ

۴۔ زید الشہید

۵۔عیسیٰ مختفی الوتم الاشبال ۶۔سید محمد ۷۔ سید علی ۸۔سید حسین ۹۔ سید علی عراقی ۱۰۔سید حسن ۱۱۔سید علی زید الحربی۔ ۱۲۔سید زید ثانی، ۱۳۔ سید عمر نر۔ ۱۴۔سید زید ثالث۔ ۱۵۔ سید یحیٰ ۔۱۶۔ سید حسین۔

۱۷۔سید داؤد۔ ۱۸۔سید ابو الفرح واسطی۔۱۹۔سید ابو الفضائل۔ ۲۰۔سید ابو الفتح۔ ۲۱۔سید جمال الدین۔ ۲۲۔سید ابراہیم۔ ۲۳۔سید حسین خنگ سوار عرف۔میران صاحب فاتح تارہ گڑھ۔ ۲۴۔ سید احمد محدث۔ ۲۵۔سید حسن تارہ گڑھ۔ ۱۲

مندرجہ بالا شجرے کے مطابق سید حسین خنگ سوار حضرت علی علیہ السلام کی چودھویں پشت میں نہ ہوکر تیئیسویں (۲۳ ویں) سلسلے میں آتے ہیں۔آج بھی آپ کی اولاد ہندوستان اور پاکستان کے دیگر مقامات کے علاوہ ضلع بریلی تحصیل نواب گنج کے قصبے سیتھل، گاؤں جریلی، کھاتا، گریم، برکھن اور ستوئیا وغیرہ میں ہزاروں کی تعداد میں پائی جاتی ہے۔

سید حسین کی پیدائش مشہد مقدس میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ کے والدین مشہد کی زیارت کو گئے ہوئے تھے۔اسی بنا پر آپ کو مشہدی بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۳

افسوس کی بات یہ ہے کہ سید حسین خنگ سوار کے بارے میں اکثر تاریخیں خاموش ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں فقط اتنا ملتا ہے۔

''از آنجا نیز متوجہ بلدہ اجمیر شدودہم ماہ محرم ۵٦۱ھ احدی وستین وخمسمانۃ سایہ وصول بر آن خطہ انداخت وسید السادات سید حسین مشہدی المشہور بہ جنگ سوار کہ شیعہ مذہب بود۔ بصلاح وتقویٰ آراستہ درسلک اولیاء اللہ انتظام داشت وسلطان قطب الدین ایبک او را داروغہ آن بلدہ ساختہ بودو قدوم شیخ را باعزاز واکرام تلقی فرمود۔ ۱۴

سید حسین کیلئے یہ بھی بڑے فخر کی بات تھی کہ آپ کی چچیری بہن کی شادی خواجہ صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔جس کی اجازت بھی خود آپ کے جد امجد حضرت رسول خداؐ نے عطا کی تھی۔فرشتہ کے مطابق۔

''وشرح آن چنین است کہ سید وجیہ الدین محمد مشہدی المشہور بہ خنگ سوار کہ عم سید حسین مشہدی داروغہ اجمیری بود دختری داشت درکمال حسن وعفت وچون بحد بلوغ رسیدہ بود میخواست کہ او را یکی از دود مان بزرگ درآورد ودرتعین آن متردد بود۔ ۱۵ اور سیر الاقطاب میں بھی۔'' میر سیدہ وجیہ الدین مشہدی در اجمیر حاکم بود۔دختری داشت۔'' ۱٦ تاریخ فرشتہ جلد دوم کے ترجمے میں آگے ملتا ہے کہ

''اس کی تلاش میں متردد تھے کہ ایک شب سید السادات نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو خواب میں دیکھا کہ ان سے فرماتے ہیں۔'' اے فرزند وجیہ الدین حضرت رسالت پناہ کا یہ اشارہ

ہے کہ یہ لڑکی خواجہ معین الدین محمد چشتی کے جائز نکاح میں لاکر وہ اصلان درگاہ الٰہی اور محبانِ خاندان رسالت پناہی سے ہے۔ سید وجیہ الدین نے معین الدین محمد چشتی کو اس امر سے آگاہ کیا۔ خواجہ نے جواب دیا کہ میری عمر کا آفتاب لب بام ہے لیکن جو حضرت رسالت اور امام ہمام کا یہ اشارہ ہے مجھے اطاعت کے سوا کچھ چارہ نہیں اس کے بعد خواجہ نے اس گوہر درج عفت کو شریعت مصطفوی کے مطابق اپنی سلک ازدواج میں منسلک فرمایا اور آفرید گا رعالم نے اس کے بطن سے دو فرزند کرامت فرمائے۔'' ۱۷

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہے کہ خواجہ صاحب کی نسل خنگ سوار کی بھتیجی کی بدولت خدا ورسول کی مرضی سے چلی ہے۔ کیونکہ رسول خدا کا وجیہ الدین کو حکم دینا اسی بات کی دلیل ہے۔ بلکہ حیات پاک میں یہاں تک لکھا ہے۔ کہ

'' ایک رات سرور دوعالم نے خواب میں تشریف لاکر فرمایا۔ اے معین الدین تو میری کوئی سنت ترک نہ کرنا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو نکاح کر اس وقت آپ کی عمر ستر سال کی تھی ادھر وجیہ الدین کو حضور کا یہ پیغام سید نا امام کی دختر جن کا اسم گرامی بی بی عصمت تھا سے ہوا۔'' ۱۸

سیر الاقطاب سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ''پس عقد نکاح بستند و بی بی عصمت را کہ وی عمہ میر سید حسین خنگ سوار است بخانہ آوردند۔'' ۱۹

سید حسین خنگ سوار کے لئے یہ بھی ایک بڑا اعزاز ہوا کہ خواجہ صاحب ان کے بہنوئی ہیں۔ بہت کم صوفی ایسے ہوئے ہیں جن کے پاس دنیوی اعزاز بھی رہے ہوں کیونکہ اکثر صوفیا کرام بادشاہوں سے ملاقات کرنا بھی اپنے ضمیر کے خلاف سمجھتے تھے۔ مشہور صوفی نظام الدین اولیاء نے علاؤالدین خلجی کے دباؤ کے باوجود اس سے کہلوادیا تھا کہ اگر وہ ایک دروازے سے برائے ملاقات آئے گا تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا۔ اس کے برعکس صوفیوں کا ایک دوسرا طبقہ یہ سمجھتا تھا کہ دینی ہوا وہوس سے بچ کر اگر کسی عہدے کو قبول کرلیا جائے تو اس طرح عوام کو زیادہ فیض پہنچایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ خود حضرت نظام الدین کے مرید خاص وخلیفہ امیر خسرو کا کردار رہا ہے وہ اپنے زمانے کے تقریباً سبھی بادشاہوں کے قریب رہے۔

سید حسین خنگ سوار بھی اسی اصول پر چلنے والے تھے لہٰذا جب انہیں اجمیر کی امارت ملی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا جیسا کہ فرشتہ کا قول نقل کیا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد اکرام آب

کوثر میں رقم طراز ہیں۔

''خواجہ بزرگ کے معاصرین میں سے ہم سید حسین خنگ سوار کا ذکر کر چکے ہیں۔ وہ سلطان محمد غوری کی فوج کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور یہیں بس گئے ۔غوری کے چلے جانے کے بعد قطب الدین نے خود پہلے کہرام اور پھر دہلی میں قیام کیا اور اجمیر میں خنگ سوار کو داروغہ مقرر کیا جو شیعہ مذہب کے تھے۔۲۰ اس بات کی تائید بابو جوالا سہائے نے بھی کی ہے۔

'' تھوڑے دنوں میں جب شہاب الدین غوری نے اپنے کلام قطب الدین ایبک کو دہلی کی حکومت بخشی تب اس طرف سے ۵۹۱ھ میں سید حسین اجمیر کا قلعہ دار ہوا۔ ۵۹۷ھ میں سید حسین راجپوتوں کے ہاتھوں سے شجنون میں قتل ہوا کہ مزار اس کا بنام درگاہ میرانصاحب تارہ گڑھ میں ہے۔''۲۱

جوالا سہائے نے نقشہ جاگیرات ضلع اجمیر میں اس مزار کی جاگیر کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

۱۔قسم جاگیر۔ نام جاگیر۔ تعداد دیہات۔ اوسط آمدنی

۲۔مکانات مذہبی۔ درگاہ میران صاحب ۳ (سہ) چار ہزار تین سو سترہ روپیہ

ایس ۔ اے ۔ آئی ترمذی نے بھی اپنی کتاب " Ajmer through Inscriptions When the latter was troubled by the chauhans Qutbuddin Aibak decided on direet annexation" He appointed Sayyed Husain Khing Savaras Darogha of Ajmer" 22 میں بھی داروغہ ہونا ہی مانا ہے۔

درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے شائع حیات پاک ایک نظر میں ،صوبہ دار کی بات کہی گئی ہے۔

''شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب اور ہندوستان کا والی مقرر کیا اور اجمیر میں پہنچ کر رائے پتھورا کے بیٹے کو اپنا مطیع وباج گزار بنا کر یہاں کی حکومت تفویض کی اور حضرت میراں حسین مشہدی جو خنگ سوار کے لقب سے مشہور ہیں کو شہر اجمیر کا صوبیدار مقرر کیا۔ ۲۳

یہ بات بھی سچ ہے کہ جن کی نظر میں دنیا کچھ نہیں ہے وہ بڑے سے عہدے پر رہ کر بھی فقیروں جیسی زندگی گزارتے ہوئے یاد خدا میں محو رہتے ہیں۔ وہ خدا کے بندوں کی خدمت کرنا ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے پر خدا کی جانب سے انہیں وہ کرامات عطا ہوجاتی

ہیں جن کے ذریعے وہ شہادت کے بعد بھی مخلوق خدا کی مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ کلام پاک میں اسی لئے شہیدوں کو زندہ بتایا گیا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے رزق بھی پاتے ہیں۔

انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ عوام مخلوق خدا جن لوگوں سے ان کے اعلیٰ کردار کی بنا پر محبت کرنے لگتی ہے دوسرے امراو وزرا ان سے حسد اور کینہ رکھتے ہیں ۔ اکثر بادشاہ توصوفیوں کے مریدنظر آتے ہیں تو کچھ ان کی جان کے دشمن بھی ہوئے ہیں۔ جلال الدین تغلق ، نظام الدین اولیاء کوشہید کرنے کے ارادے سے بڑھ ہی رہا تھا کہ خود اپنے داماد نما بھتیجے کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ خنگ سوار بھی شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ انہیں ۷۵۹ھ میں شب خون ما کر ایک گروہ نے شہید کردیا۔ تارہ گڑھ میں انہیں دفن کردیا گیا۔لیکن ان کے مزار پر آج بھی مانگنے والے عقیدت مندوں کا اژدہام لگا رہتا ہے۔ اور ہر مذہب کے سائلوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاہان ہند شیر شاہ سوری، جلال الدین محمد اکبر، نور الدین جہانگیر وغیرہ نے اس درگاہ پر حاضری دی ہے۔شیر شاہ کے بارے میں تاریخ داؤدی کے حوالے سے مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے۔

''جب شیر شاہ سوری مارواڑ کے راجہ مال دیوکو ہرانے کے بعد اجمیر پہنچے تو انہوں نے بڑی عقیدت اور احترام سے حضرت میراں خنگ سوار کی زیارت کی اور تارہ گڑھ قلعے پر پانی کی کمی محسوس کرکے چشمۂ حافظ جمال سے تارہ گڑھ پر پانی پہنچانے کی کوشش کی۔ ۲۴

شیر شاہ کے بعد اکبر بادشاہ کے تارہ گڑھ پہنچنے کا حال تاریخ فرشتہ میں بھی ملتا ہے۔

جلال الدین محمد اکبر ..... در ایام پادشاہی خود چنانکہ گذشت در اکثر سنوات پیادہ بہ اجمیر رفت وزیارت او وسید حسین مشہدی المشہو ربخنگ سوار دریافت۔'' ۲۵

عبد القادر بدایونی نے بھی اکبر کی حاضری کا حال اس طرح لکھا ہے۔

'' ۱۶/ ربیع الاول ۹۸۰ھ میں میر سید حسین خنگ سوار کی زیارت کے لئے پہاڑ پر تشریف لے گئے میر موصوف کی شان میں یہ شعر مشہور ہے۔

شکر اللہ بدل طاقت انوار جلی ازحسینؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ۲۶

اکبر نے تارہ گڑھ کی زیارت کرنے کے بعد ۹۷۶ھ/ ۱۵۷۰ء میں اسماعیل قلی خاں کی نگرانی میں ایک نہایت خوبصورت اور مضبوط دروازہ بنوایا جس کے مشرقی حصے میں سفید سنگ مرمر

کے پتھروں پر سورہ یٰسین کندہ ہے اور دروازے کی محرابوں پر آیت الکرسی۔ اس زمانہ کی روایت کے مطابق ایک قطعہ تاریخ برائے تعمیر بلند دروازہ بھی درج ہے۔

بعہد بادشاہ آسمان قدر — پناہ ملک وملت ظل یزدان
جلال الدین محمد اکبر آن شاہ — کہ دارد در نگین ملک سلیمان
بدین درگہ کہ ہمچو کعبہ آمد — سوادش عین نور ونور ایمان
بنا فرمود این دیوان عالی — کریم الذات اسمٰعیل قلی خان
زکاخ دلکشا تاریخ اتمام — اگر خواہد کسی می باید آسان

''کاخ دلکشا'' سے ۹۷۶ اعداد نکلتے ہیں جو اس بلند دروازے کی تعمیر کی تاریخ ہے۔

۱۰۳۳ھ میں جہانگیر شاہ تارہ گڑھ میں حاضری دینے آیا۔ نورجہاں بھی اس کے ساتھ تھی جسے سید صاحب سے ایک خاص لگاؤ اور محبت تھی۔ ان دونوں نے یہاں بارہ دری اور چشمے بنوائے۔ اسی زمانے میں جہانگیر کے بنائے گئے صوبیدار اعتبار خان نے اپنی مراد بر آنے کے سلسلے میں ایک خوبصورت جالی دار ریلنگ بنوائی تھی۔ جس پر ایک نظم کندہ ہے۔ اس نظم کا آخری شعر اس طرح ہے۔

در روضہ مقدس سید حسین کرد — این پنجرہ ز صدق وصفا اعتبار خان

شاہ جہاں نے بھی وہل داس وزیر مالیات کے ذریعے اس درگاہ کی مرمت کا کام کروایا تھا۔

جیسا کہ پہلے بھی درج کیا جاچکا ہے کہ اسی درگاہ پر ہر مذہب کے لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ یہاں اہل ہنود کا اژدہام رہتا ہے۔ لہٰذا مسلمان بادشاہوں کی طرح ہندو راجاؤں اور ان کی رانیوں نے بھی یہاں حاضری دی ہے جن میں مہارانی بیجابائی نے تو دلی مراد پوری ہونے پر ۱۲۲۵ھ میں ایک پائنتی کا دالان تعمیر کروا کے ایک کتبہ بھی لگوایا تھا جس کے آخری مصرعہ ''از روضہ سلطان دین'' سے ۱۲۲۵ھ برآمد ہوتی ہے۔

مہاراجہ گمان جی راؤ سندھیا نے بھی درگاہ کے پہلو کا دالان مغلئی صنعت کے زیر اثر نہایت دلکش اور جاذب نظر بنوا کر اس پر ایک کتبہ سنگ مرمر پر اُبھار کر لکھوایا تھا۔ یہ کام دوسالوں میں مکمل ہوا تھا گویا ۱۲۲۷ھ سے ۱۲۲۹ھ تک اس کی تعمیر کا کام چلا، جیسا کہ اس کتبہ نما سنگ مرمر پر یہ قطعہ تاریخ درج ہے۔

معدن نور منبع اسرار — ہست درگاہ شاہ خنگ سوار
ساخت دالان کہ ہست ''رشک بہشت'' — راؤ گمان جی سندھیا بوقار

اس قطعے میں ''رشک بہشت'' سے ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتی ہے۔ تو دوسرے قطعے کے آخری مصرعہ ''احاطق تا قیامت باد قایم'' سے ۱۲۲۹ھ برآمد ہوتی ہے۔

گمان جی راؤ چون کرد بنائی مکان پر فضا برکوہ محکم
پی تاریخ ختمش گفت ہاتف احاطق تا قیامت باد قائم''

۱۸۰۳ء سے ۱۸۰۸ء تک جب بالاراؤ اجمیر کے صوبیدار رہے تو انہیں خود سید حسین نے بشارت دی تھی کہ ''تو بھی اس درگاہ پر کچھ تعمیر کا کام کر'' تو اس نے سرہانے کا دالان ۱۸۰۷ء/ ۱۲۲۲ھ میں بنوانا شروع کیا جوایک سال میں مکمل ہوا اس تعمیر کی بھی تاریخ کا کتبہ موجود ہے۔

از بشارت سید الشہدا حسین خنگ سوار کرددالان راؤ بالا اینگلہ پیش مزار
یک ہزار و دوصد افزون کن ازین بیست ودو سال ہجری ہم خانۂ بیت العدن آمد شمار

مندرجہ بالا قطعہ تاریخ کے تیسرے مصرع میں صوری تاریخ ۱۲۲۲ھ تو چوتھے مصرع سے معنوی تاریخ ۱۲۲۳ھ موزوں ہوتی ہے۔

مہاراجہ دولت راؤ سندھیا گوالیر اور مہاراجہ رتن سنگھ وغیرہ نے بھی اس درگاہ پر منہ مانگی مرادیں پائی ہیں۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ تارہ گڑھ پر سید حسین خنگ سوار کا مزار راجستھان میں کسی صوفی کا پہلا مزار ہی نہیں بلکہ اس صوبے میں ہندو مسلم بھائی چارہ آپسی محبت اور یگانگت کا مرکز ہے جس پر اہل راجستھان فخر کرتے ہیں۔ یہ ہمارے ملک ہندوستان کی تمام روایتوں کا پاسبان اور دردمندلوں کا سہارا ہے۔

مآخذ:

۱۔ اپنشد اور اسلام (کتابچہ) از پروفیسر وید پرکاش اپادھیائے شعبہ سنسکرت دانشگاہ پنجاب چنڈی گڑھ ص ۔۷

۲۔ فیروز اللغات از مولوی فیروز الدین ص ۴۰۰ حصہ اوّل

۳۔ احمد اصغر قلم نمبر سہ ماہی لمحے لمحے بدایون ایڈیٹر خان فہیم ص ۱۸۲

۴۔ آب کوثر از شیخ محمد اکرام ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ص ۷۲ آٹھویں بار

۵۔ تاریخ اچہ مرتبہ مولوی محمد حفیظ الرحمٰن بھاولپوری ص ۴

۶۔ وقایع راجپوتانہ حصہ اوّل از بابو جوالہ سہائے عدالتی ریاست بھرتپور مطبوعہ مفید عام آگرہ،ص۔ ۱۸۸۔۱۸۹
۷۔ سیر الاولیاء از محمد مبارک علوی مطبع محبّ ہند دہلی ۱۳۰۲ھ ص ۲۰۲
۸۔ سیر الاقطاب الہدایہ الچشتی العثمانی نول کشور جنوی ۱۹۱۳ ص ۱۲۴
۹۔ ایضاً ص ۱۲۵
۱۰۔ شعاع خنگ سوار از حاجی سید شاہد حسین جنوری ۲۰۰۴۔ص ۱۰
۱۱۔ تاریخ الخمیس از حسین دیار بکری مطبوعہ معرج ص ۳۲۰
۱۲۔ مخطوطہ شجرہ سادات سیتھل ضلع بریلی قلم لائبریری سیتھل۔ص ۵
۱۳۔ شہر قلم تاریخ سیتھل از شاہین رضا زیدی قلم لائبریری سیتھل ص ۵۰
۱۴۔ تاریخ فرشتہ از ابو القاسم فرشتہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ج ۲ ص ۳۷۷
۱۵۔ ایضاً ص ۳۷۷
۱۶۔ سیر الاقطاب مذکورص ۱۳۴
۱۷۔ تاریخ فرشتہ از ابو القاسم فرشتہ اردو ترجمہ نول الکشور ج ۲ ص ۵۷۳، ۵۷۴
۱۸۔ حیات پاک از کمیٹی درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ص ۱۰
۱۹۔ سیر الاقطاب مذکور۔ص ۱۳۵
۲۰۔ آب کوثر از شیخ محمد اکرم ادارہ ثقافت اسلامیہ لمب روڈ لاہور ص ۲۰۹ آٹھویں بار
۲۱۔ وقایع راجپوتانہ از بابو جوالا سہائے عدالتی ریاست بھرتپور مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۷۷ء ص ۱۹۲
۲۲۔ Ajmer Taough Inseriptions by S.I.A. Trmizi (1532,1852)page-19Studies Indian Institute of Islamic
۲۳۔ حیات پاک ایک نظر میں مذکورص ۲۰
۲۴۔ ایضاً ص ۳۱
۲۵۔ تاریخ فرشتہ مذکور۔ص ۳۷۷
۲۶۔ منتخب التواریخ از عبد القادر بدایونی ترجمہ اردو نولکشور پریس لکھنؤ ج ۲ ص ۱۰۹

☆

تصوف اور حضرت میر سید علی ہمدانیؒ

پروفیسر محمد صدیق نیاز مند
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ کشمیر میں اسلام کی بنیاد آٹھویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں سرخیل صوفیاء حضرت سید عبد الرحمٰن ملقب بہ بلبل شاہؒ کے ہاتھوں پڑی، کیونکہ اسلام کا سراج منیر سب سے پہلے ان ہی کے چراغ ہدایت سے اس وقت منور ہوا جب انہوں نے کشمیر کے مقامی فرمانروا راجہ رینچن کو جو کہ بدھ مذہب کا پیرو تھا، اس کی دس ہزار افراد پر مشتمل افواج کے ہمراہ نور اسلام سے مشرف فرمایا۔ رینچن کا نام صدر الدین رکھا جو بعد میں تاریخ کشمیر میں سلطان صدر الدین کے نام سے متعارف ہوا۔ اس طرح سے سلطان صدر الدین کشمیر کا پہلا مسلمان حکمراں بنا۔ مؤرخین نے سلطان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تاریخ حروف ابجد میں ''طلوع آفتاب دین محمدی'' سے نکالی ہے جو ۷۲۶ ہجری مطابق ۱۳۲۰ عیسوی کے برابر ہے۔[۱] اس طرح سے کشمیر میں اسلام کی بنیاد باضابطہ طور پر ۷۲۶ ہجری میں رکھی گئی۔ سلطان نے شہر سرینگر میں عالی کدل کے نزدیک دریائے جہلم کے دائیں کنارے پر محلّہ بلدیمر میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ مسجد کے قریب اس نے اولین داعی اسلام حضرت بلبل شاہ کے لئے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی۔ خانقاہ کے متصل غربا اور مساکین کے لئے ایک لنگر خانہ تعمیر کرایا۔ چنانچہ یہ محلّہ آج کل بلبل لنکر کے نام سے مشہور ہے لنکر درحقیقت ''لنگر'' کی بگڑی صورت ہے۔ سلطان صدر الدین کی بنوائی ہوئی خانقاہ کو کشمیر میں تصوف وعرفان کی پہلی تربیت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس طرح سے کشمیر میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تصوف وعرفان بھی پروان چڑھا اور اس کے پنپنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع میسر ہوئے۔

حضرت بلبل شاہؒ کو علوم ظاہری وباطنی میں کمال حاصل تھا۔ یہ ان کے روحانی کمال کا ہی فیضان تھا کہ انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں تشنگی طلب قلوب کو توحید وعرفان سے منور کیا۔ انہوں نے خود خرقہ ارشاد بالواسطہ طور پر حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے جس طرح تصوف کی بنیاد ڈالی وہ سہروردی سلسلہ طریقت ہے۔[۲]

حضرت بلبل شاہؒ کے انتقال کی وجہ سے کشمیر میں رشدو وارشاد کا سلسلہ کچھ دیر تک کے لئے متوقف رہا۔ چنانچہ ان کے انتقال (۷۲۷ ہجری مطابق ۱۳۲۷ عیسوی) کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو پورا کرنے کے لئے وسط ایشیا سے سادات کی ایک بڑی جماعت رشدوارشاد کی غرض سے وادی کشمیر میں داخل ہوئی۔ ان شخصیات میں حضرت سید جلال الدین بخاریؒ سرفہرست ہیں جو مخدوم جہانیان جہانگرد کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کا قیام وادی میں چند ہفتوں تک ہی محدود رہا۔ لہٰذا تصوف کی ترویج میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہوئی۔ البتہ جس عظیم مفکر، عالم دین اور پیشوائے طریقت کی وجہ سے تصوف کا سورج کشمیر میں پھر ایک بار اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگا وہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ ملقب بہ شاہ ہمدانؒ کی بابرکت شخصیت ہے۔

شاہ ہمدان صوفیا کے کبروی سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے اسی سلسلے کے ایک صوفی بزرگ شیخ محمود المزدقانیؒ سے خرقۂ ارشاد حاصل کیا تھا۔ آپ طالبان حق اور سالکان معرفت الٰہی کو کبروی سلسلہ کے کسی بزرگ سے تربیت حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ درج ذیل اقتباس میں جو ان کے ایک مکتوب سے مأخوذ ہے وہ ایک نو آموز سالک سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں کہ ''ایک سالک کو چاہیے کہ وہ اہل دل اور اہل کشف وشہود کے واردات قلبی سے بہرہ حاصل کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ خرقہ ارشاد کبروی سلسلہ کسی درویش سے حاصل کرے۔ [۳] شیخ یعقوب صرفی کشمیری انکے طریق تصوف کو راہ سلوک کے دوسرے طریقوں اور صوفی سلسلوں پر فوقیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

گرچہ دو صد راہ سوی مطلبست راہِ امام ہمدان اقرب است
بہ چہ نکوراہی وخوش رہبری رہبر ما در رہ دین حیدری
(مسلک الاخیار ص ۱۴)

حضرت شاہ ہمدانؒ آٹھویں صدی ہجری کے سربراہ عارف اور ولی کامل تھے۔ شعرو ادب کے شہسوار ہونے کے علاوہ آپ بلند پایہ عالم دین بھی تھے اور انہیں فقہ، حکمت، فلسفہ اور سیاسیات پر اچھا خاصہ عبور حاصل تھا، چنانچہ آپ کے بعد آنے والے اکثر وبیشتر اولیاء نے اپنے آثار میں آپ کے تذکرے ایک پیشوا اور مرشد کی حیثیت سے درج کئے ہیں:

این ہمدانی ہمہ دانی دہد معرفت سرِ نہانی دہد

یعنی اگر باشدت این آرزو از در شاہ ہمدانی بجو
مفخر ارباب ولایت ہم و است رہبر اصحاب ہدایت ہم و است
آن ہمدان مولد و ختلان وطن شیوۂ او طی زمین و زمن [۴]

کشمیر میں ترویج اسلام کے سلسلے میں حضرت سید علی ہمدانیؒ نے ایک پیغمبرانہ رول ادا کیا ہے۔ تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ آپ نے ہدایت طلب لوگوں کو صوفیانہ عقائد وافکار سے بھی آشنا کرایا۔ اس طرح سے آپ اہل کشمیر کے مرشد اور پیر طریقت قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں تعظیماً آپ کو قطب ربانی، غوث صمدانی ، بانی مسلمانی ،علی ثانی ، شاہ ہمدان ، اور امیر کبیر جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے ۔ اتناہی نہیں بلکہ فرزندان توحید کی تقدیروں کے اس معمار نے کشمیر کے ثقافتی ، سیاسی ،تہذیبی اور تمدنی نقشے میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، جس کے سایہ میں انہوں نے اہل کشمیر کو ایرانی اور وسط ایشیائی علوم وادبیات ،توحید وعرفانی اور صنعت وحرفت سے مالامال کردیا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے کشمیر کا معاشرہ ، یہاں کی زبان، آداب ورسوم ،طرز زندگی ، اشیاء خوردنی غرض کہ زندگی کا کوئی بھی پہلو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ اور آگے چل کر مختصر سی مدت میں کشمیر میں ایک مخلوط کلچر (Culture Composit) وجود میں آ گیا۔ کشمیر کے معاشرے کی زرخیز مٹی میں ایرانی ووسطہ ایشیا میں پنپتے ہوئے اسلامی تصوف کا قلم نصب کیا گیا جو سینکڑوں برس کے عرصے میں پھل پھول کر ثمر دار درخت کی صورت اختیار کر گیا، جس کے سایہ میں پنپی ہوئی تہذیب اور ثقافت کا نام ایران صغیر یعنی کشمیر ہے جس کے معمار حضرت شاہ ہمدان ہیں۔ علامہ اقبال اپنے جاوید نامہ میں اس کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

سید السادات سالار عجم دست او معمار تقدیر امم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت ذکر او از دودمان او گرفت
مرشد آن کشورِ مینو نظیر میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آن شاہ دریا آستین داد علم و صنعت و تہذیب و دین
آفرید آن مرد ایران صغیر باہنرہائی غریب و دلپذیر
یک نگاہِ او کشاید گرہ خیز و تیرش را بدل راہی بدہ [۵]

بنیادی طور پر تصوف کی بنیاد ایک بڑی حد تک مادی اشیا اور قواعد کی قیدوبند سے آزادی اور

دنیا سے لاتعلقی پر قائم ہے۔

وجود مطلق جو قادر وقیوم بھی ہے اور تمام اشیاء میں جلوہ گر بھی، اس پر ایمان لانا اور پھر خلوص نیت سے قناعت اور عزلت اختیار کرنا تصوف کے اہم ارکان میں شامل ہیں۔ سالکانِ راہ عقل وبرہان اور منطق واستدلال کو راہ سلوک کی سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے ہیں ۔ وہ جاہ طلبی اور ظاہر داری کو قرب الٰہی کا مانع گردانتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے عشق میں سرمست رہ کر اسی کی مہر ومحبت میں تسکین قلب اور روحانی سکون حاصل کرتے ہیں۔صوفیاء راہ سلوک کے تکاملی مراحل طے کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کی اپنی ذات مطلق کی ذات میں مدغم نظر آتی ہے۔ اتناہی نہیں بلکہ وہ اپنی ذات کو وجود مطلق کی ذات محسوس کرتے ہیں چنانچہ حضرت سید علی ہمدانی جوشعر وشاعری میں علائی تخلص کرتے تھے،فرماتے ہیں۔

ازکنارِ خویش می یابم ومادم بوی یار　　زان ہمی گیرم بہردم خویشتن را درکنار
چون کنارم رامیانی نیست زان در حیرتم　　کانچنان نازک میانی، ہست دایم درکنار[۶]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

عاشقان عکس رخت از ہمہ اشیا بینند　　سرِّ سودائی تو از سینہ ہویدا بینند
ہرچہ ہست آن ہمہ آئینہ ذاتت دانند　　رویِ مقصود در آن آئینہ پیدا بینند[۷]

سالکانِ راہ حق کو نہ جنت کی تمنا ہوتی ہے اور نہ ہی حوران بہشت کی ہوس، بلکہ ان کی ہر خواہش اور ہرآرزو کامدعاومقصد انکا محبوب ہوتا ہے۔محبوب کے حصول کے لئے وہ دنیائے سفلی اور دنیائے اخروی یعنی دونوں دنیاوں کی نعمتوں سے دست بردارہوجاتے ہیں، بلکہ اپنی عزیز جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔حضرت سید علی فرماتے ہیں:

چندین ہزار بیدل بربوی آن سعادت　　دلہا نثار کردند جانہا بباد دادند
مستان حضرتش را آرامگہ بلاشد　　در صد ہزار محنت بریادِ دوست شادند[۸]
ارباب ذوق در غم توآرمیدہ اند　　و زشادی نعیم دو عالم رمیدہ اند[۹]
سری کز سر معنی باخبر شد　　دروگنجائش شادی وغم نیست
جہان از عکس رویش گشت روشن　　اگر اعمی نہ بیند ہیچ غم نیست[۱۰]

تصوف سے مراد اخلاق الٰہیہ کے ساتھ متصف ہونا، اپنے دل کو تمام آلایشوں اور کدورتوں

سے پاک کرنا ہے۔ علماء تصوف کو ایک ایسا علم تصور کرتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے ہدایت نور نبوت ،تعلیم سرور کائناتؐ ،اللہ کی ذات وصفات و وصول الی اللہ کے طریقے سلوک کے لوازمات اور طریقت کے اصول وضوابط اور رموز معرفت وحقیقت بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تصوف کی غرض وغایت انسان کامل بننے کے علاوہ متخلق باخلاق اللہ اور متصف بہ اوصاف اللہ ہونے کے ہیں۔ [۱۱]

اس طرح سے اخلاق کی بلندی اور اوصاف پاک اور سیرت وصورت کو نیک رکھنا سالک کا پہلا فریضہ ہے۔ حضرت سید علی ہمدانی ظاہری صورت اور باطنی سیرت میں فرق بیان کرتے ہوئے باطنی سیرت کے لئے علم ،حکمت ،تقویٰ ،سخاوت ،شجاعت،حلم ،تواضع ،عفت اور عدل کو اس کی اساس تصور کرتے ہیں۔

حضرت سید علی ہمدانیؒ نے اپنی پوری زندگی تصوف کی نشرواشاعت میں بسر کی ۔ایک بلند پایۂ فقیہ اور صاحب قلم ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایک پرہیزگار مرشد طریقت کی حیثیت سے ہزاروں کی تعداد میں تشنگی طلب قلوب کو معرفت الٰہی سے سرشار کرایا۔ انہوں نے اپنے اکثر وبیشتر رسائل میں عرفان وتصوف کے اسرار ورموز اور مسائل ومقامات پر بحث کی ہے۔ چنانچہ جن رسائل میں حضرت سید علی ہمدانیؒ نے صرفاً تصوف کو موضوع بحث بنایا ہے ان میں خاص طور پر مودۃ القربیٰ منہاج العارفین ، دہ قاعدہ ،چہل مقام صوفیہ، منازل السالکین ، درویشیہ ،حل مشکل ،فضل الفقرا وبیان حالات الفقراء صفۃ الفقراء، تلقینیہ، عقبات، منامیہ، ہمدانیہ، داودیہ، رسالہ فی آداب الشیخ مشہور ہیں۔ یہ تمام رسائل آج کل دنیا کے مختلف کتب خانوں اور گنجینہ ہائے نوادرات میں محفوظ ہیں۔

فارسی ادب کے اکثر شعراء و ادباء نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کی مبالغہ آمیز حد تک تعریفیں کی ہیں۔ دنیوی اغراض ومقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے ممدوحین کی توصیف میں حداغراق وغلو سے بھی گذر چکے ہیں۔ ان بادشاہوں کا درجہ شعر اورادباء نے بسا اوقات اولیاء اللہ اور مرسلین تک پہنچانے میں کوئی عار محسوس نہیں کی ہے۔ برعکس اسکے حضرت سید علی ہمدانیؒ کی دنیا اور دنیوی مال ومتاع کے تئیں بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ وہ حکماء، امراء ووزراء کی تعریف میں چرب زبانی سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کی اتنی ہی تعریف کرتے ہیں جس کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ وہ وقت کے حکمرانوں کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ وہ امر معروف ونہی منکر پر عمل پیراہوں۔ عدل وانصاف سے

کام لیکر رعایا پر ظلم و جبر سے احتراز کریں، بلکہ قرآن وسنت کے مطابق حکومت کے امور انجام دیں تا کہ انہیں سعادت ابدی حاصل ہو۔ چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں وہ رقم طراز ہیں کہ حاکم کو چاہیے کہ جس نعمت سے اللہ نے اسے سرفراز کیا ہے اس کا حق بجالائے، لوگوں پر عدل واحسان کرنا قرب الٰہی کا ایک وسیلہ تصور کریں، کامرانی اور خوشحالی کے ایام میں در ماندگی کے ایام سے متعلق سوچتے رہیں۔ ضعیفوں، زیردستوں اور کمزوروں پر رحم کریں اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، دنیا پر فریفتہ نہ ہوں۔ تیز رفتاری کے ساتھ گذر نے والی عمر کے گھوڑے پر اعتماد نہ کریں بلکہ روز جزا میں گرفتار ہونے سے بچنے کی تدابیر اپنی زندگی میں کیا کریں، مغرور نہ ہوں بلکہ ماضی کے مغروروں کے انجام سے عبرت حاصل کرتے رہیں، رعیت پر رحم کریں تا کہ قہر خداوندی کو دعوت نہ دیں۔ ۱۲

حضرت سید علی ہمدانیؒ کے مطابق سعادت اُخروی حاصل کرنے کے لیے اطاعت لازمی ہے۔ ان کے مطابق اطاعات کے بہت سے طریقے ہیں، البتہ سالک کے لئے اطاعات کے راستے دو طرح سے کھلتے ہیں پہلا تعظیم لا مر اللہ یعنی اللہ کے تمام احکامات کی حرمت وتعظیم کی جائے اور دوسرا شفقہ علی خلق اللہ یعنی اللہ کی مخلوق کے ساتھ پیار ومحبت سے پیش آئیں۔ ۱۳ اس طرح سے حضرت سید علی ہمدانیؒ اپنی نگارشات کے ذریعے سے راہ سلوک کے متوالوں کے لئے خدائے قادر کے احکامات کی بجا آوری کے بعد انہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اللہ کی جانب سالکوں کے رجوع ہونے کے لیے حضرت سید علی ہمدانیؒ بالکل نرم رویہ اپناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ کی جانب طالبان حق کے رجوع کے لئے راستے اتنے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ خداوند کریم تک جانے کے لئے سالکوں کے لئے لوگوں کی سانسوں کی تعداد کے برابر راستے موجود ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی یوں نقل کرتے ہیں کہ ''الطرق الی الله تعالیٰ بعدو انفاس الخلایق'' البتہ حضرت سید علی ہمدانیؒ کے مطابق یہ سارے راستے تین طرح سے کھلتے ہیں۔ پہلا طریقہ ارباب معاملات یعنی لین دین وغیرہ میں معروف لوگوں کا طریقہ ہے۔ یہ راستہ سالکوں پر بہت زیادہ روزہ رکھنے، نماز پڑھنے، تلاوت کلام مجید کرنے، حج بیت اللہ انجام دینے وغیرہ جیسے ظاہری اعمال کے انجام دینے سے کھلتا ہے۔ یہی عام مسلمانوں کا راستہ ہے جو ان کے لئے عذاب ابدی سے نجات کا موجب بنتا ہے۔ البتہ حضرت سید علی ہمدانیؒ کے مطابق اس طرح کی

عبادت کے انجام دینے سے حقیقت تک رسائی پانا دشوار ہے۔

دوسرا طریقہ ارباب مجاہدہ کا ہے۔ یہ راستہ برے عادات کے بدل ڈالنے ،نفس امارہ کی پاکیزگی، تصفیہ قلب و روح کے سنوارنے اور ان کوششوں سے کھلتا ہے، جن سے سالک کا باطن آباد ہو۔ یہ راستہ نیکو کار لوگوں کا ہے ۔ اس گروہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے سالک ، خدا کے حکم سے چلنے والے تیر ہیں۔ اس گروہ کو میانہ رو یعنی متوسط فرقہ بھی کہتے ہیں ۔ وصال حق سے سرشار ہونے والے یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں۔ تیسرا طریقہ ان طالب حق عرفا کے لیے کھلتا ہے جو الوہیت کے حصول کے لیے لاہوت کی وسیع فضاؤں میں پاک پروردگار کی دائمی عنایات کے جذبے کے پروں سے پرواز کرتے ہیں ۔ ایسے سالکوں کو وصال حق دوسرے طالبوں کے مقابلے میں پہلے نصیب ہوتا ہے۔ یہ راستہ جو وصول حق کے حصول کے لئے نزدیک ترین راستہ ہے ، ارادی موت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے۔'' موتو اقبل انت تموتوا'' (یعنی مرجااس سے پہلے کہ تجھے موت آئے۔) اس سعادت کے ظہور پذیر ہونے کے آثار کی بنیاد ان دس قاعدوں پر مشتمل ہے ۔ توبہ، زہد، توکل ، قناعت، عزلت، ذکر، توجہ، صبر، مراقبہ اور رضا۔ ۱۴

حضرت سید علی ہمدانیؒ تصوف اور سلوک کے مختلف راستوں کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:

حضرت صمدیت تک پہنچنے کیلئے راستے اتنے ہیں جتنے کہ دنیا میں لوگوں کی تعداد ۔ ہر شخص اپنے مقدور کے مطابق اور اپنے مناسب حال حضرت صمدیت کا تقرب حاصل کرسکتا ہے ۔ البتہ حکام اور بادشاہوں کے لئے تقرب الٰہی کے یہ راستے عدل و انصاف کرنے سے کھلتے ہیں۔ قیامت کے روز حکمرانوں سے پہلا سوال لوگوں کے تئیں ان کے عدل وانصاف اور احسان کے بارے میں ہوگا۔ ۱۵

حضرت سید علی ہمدانیؒ کے صوفیانہ عقائد وآراء پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری ہے کہ ان صوفیا اور اولیاء کرام کے صوفیانہ نظریات وافکار کو بھی ملحوظ خاطر نظر رکھا جائے جن سے وہ خود متاثر ہیں یا جن کی تصنیفات ان کے زیر نظر رہی ہیں ۔ اس ضمن میں ان کے پیران طریقت کا سلسلہ سب سے اہم ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ حضرت شاہ ہمدان کبروی سلسلہ کے ساتھ وابستہ تھے۔ اس طرح سے اس سلسلے کے اکثر مشائخ اور اولیائے عظام کی

نگارشات و اوراد و اذکار ان کے پیش نظر رہی ہیں، چنانچہ نجم الدین احمد کبریٰ جو کبروی سلسلے کے موجد بھی تھے، کی تصنیف مرصاد العباد سے ایک بڑی حد تک انہوں نے استفادہ کیا ہے، اس کے علاوہ اپنے پیران طریقت تقی الدین علی دوستی اور شیخ شرف الدین بن عبداللہ المزدقانی الرازی سے بھی متاثر ہیں۔ در اصل یہ انہی مرشدان طریقت کا فیضان تھا کہ حضرت سید علی ہمدانیؒ تصوف میں ایک ممتاز اور مشہور ولی کامل کی حیثیت سے ابھرے۔

جن دوسرے صوفیا کے نظریات کی چھاپ حضرت سید علی ہمدانیؒ کی نگارشات پر نظر آتی ہے، وہ حجۃ الاسلام غزالی اور پیر ہرات خواجہ عبد اللہ انصاریؒ جیسے ایران کے مایہ ناز صوفیوں اور ادیبوں کی نگارشات کی ہے۔ چنانچہ حضرت سید علی ہمدانیؒ نے امام غزالی کی تصنیف نصیحت الملوک کی پیروی میں ذخیرۃ الملوک اور خواجہ عبد اللہ انصاری کی مناجات کی تقلید میں رسالہ مناجات اور مناجات امیر یہ تحریر کیے ہیں۔ وہ ابن عربی کے افکار وخیالات سے بھی بے حد متاثر ہیں۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تصنیفات ابن عربی کی تصنیفات کی صدائے بازگشت ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کی شرح بھی لکھی ہے۔ وحدت الوجود کے بارے میں ابن عربی اور سید علی ہمدانی کا یکساں نظریہ ہے، چنانچہ وجود سے متعلق حضرت امیر کا تحریر کیا ہوا رسالہ وجود یہ اس کا بین ثبوت ہے۔

دوسرے مقتدر صوفیاء کے نظریات وآراء کی پیروی کرنے کے باوجود حضرت سید علی ہمدانیؒ نے ایک نئے مسلک کی داغ بیل ڈالی جو ان کی جائے پیدائش اور نام کی مناسبت سے ہمدانیہ اور علائیہ کے ناموں سے مشہور ہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت سید علی ہمدانیؒ سے قبل یہ سلسلہ رہبیہ یا سلسلۃ الذہب کہلاتا تھا جو کہ سلسلہ کبروی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور اس سلسلے کے مشائخ آٹھویں صدی ہجری کی پہلی نصف صدی تک ابن عربی کے نظریات کے خلاف تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ علاء الدولہ سمنانی نے ابن عربی کے صوفیانہ عقائد و آرا اور اس کی تصنیف میں درج افکار وخیالات کو زور دار الفاظ میں رد کیا ہے۔ البتہ اس کے برعکس حضرت سید علی ہمدانیؒ ابن عربی کے سب سے بڑے مقلد تھے۔

کبروی سلسلہ کے اکثر وبیشتر صوفیاء اور مشائخ مزامیر اور سماع کے قائل ہیں۔ وہ مجلس انس ومحبت تشکیل دیتے ہیں۔ ان مجالس میں آلات موسیقی بھی بجائے جاتے ہیں اور صوفیاء رقص وسماع

میں محو رہتے ہیں اور وجد میں آتے ہیں اوران پر حال طاری ہوجاتا ہے۔ سماع اور ساز کے قائل یہ مشائخ اسے قرب الٰہی کا طریقہ سماع تصور کرتے ہیں۔

حضرت سید علی کی تصنیفات اور خاص طور پر ذخیرۃ الملوک کے مطالعہ کے بعد یہ بات اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ سماع کی مجلس آراستہ کرتے اور خود سماع کرتے تھے۔ منقبت الجواہر کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک بار ایک مرید نے ان سے پوچھا کہ اے سید مختلف صوفی سلسلوں میں ہم صرف کبروی میں سماع کرتے ہیں، اگر یہ بدعت ہے تو ہمیں منع کردیجئے۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ شریعت کی رو سے سماع ناجائز ہے لیکن سرمستان وحدت اس کو ایسا درد تصور کرتے ہیں کہ جس کا علاج نہیں۔ یہ ایک ایسا نہ بھرنے والا زخم ہے جو کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔

حضرت سید علی ہمدانیؒ صوفیاء اور اولیاء اللہ کے دلوں کو ایک ایسے گلشن یا پھلواڑی کے ساتھ مشابہ کرتے ہیں کہ جو انوار الٰہی کا مظہر ہے اور ان کے سینوں کو لامتناہی اسرار الٰہی کا سمندر تصور کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایسا طائفہ ہے کہ جس نے راہ سلوک میں اپنے نفس امارہ کو ریاضت کے چراغ سے پگھلا دیا ہے اور اپنے جمال روح قدسی کو ہوا وہوس کی کدورتوں سے پاک وصاف کیا ہے۔ ترک لذات کرکے اپنے قلوب کو زنگ اور آلایشوں سے صاف کیا ہے۔ انہوں نے استغراق کی بدولت محبوب کے جمال کی تجلی کو اپنا منتہائے مقصد بنالیا ہے اور اپنی پیاری عمر کے سرمائے کو جناب کبریائے کریم کی درگاہ میں بھینٹ چڑھایا ہے۔ ۱۶

وحدت الوجود کے قایل سید علی ہمدانیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں صرف ایک حقیقت ہے، جس کا ظہور مختلف صورتوں میں عیاں ہے۔ چونکہ عام لوگ اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اس لئے وہ اختلافات کے دلدل میں پھنسے ہیں۔ ان کی نظروں میں وجود اور قدرت یعنی اختیار دونوں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس کی ذات یگانہ جوہر ہے کیونکہ وہ قائم بذات ہے۔

تو کان گوہر کافی وگوہر نونی — چہ کاف ونون کہ زکاف و زنون بیرونی
محیط گنبد اسرار را توئی مرکز — صفای صخرۂ اسرار را تو ستونی
زدورِ دایرہ گرسوی مرکز آیی باز — یقین شود کہ زہر وصف و وہم بیرونی
سپہر مطلع انوار و آفتاب جلال — بگردِ نقطۂ ذات تو کردہ گردونی
ظہور سرکمالات سرمدی از تست — اگر چہ خازن اسرار را تو مخزونی ۱۷

شاہ ہمدان کے مطابق راہ سلوک ایک مشکل اور دشوار گذار راستہ ہے۔ سالک کو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے اس راستے میں ہر قدم پر رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں وہی سالک کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے جس کو اس راستے کے مشکلات اور مصائب برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ رنج اور مصائب برداشت کیے بغیر گنج حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہی شخص مزدوری پاتا ہے جو کام کرنے کی زحمت اٹھاتا ہے۔ طریقت میں سالک کا سب سے بڑا دشمن اپنا ہی نفس امارہ ہے۔ یہ ہر انسان کی ذات میں موجود ہے لہٰذا سب سے پہلے نفس امارہ کے ساتھ جنگ کرکے اِسے اپنے قابو میں کرنا اور تزکیہ نفس وتشفیہ قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نفس کو پہچاننا ہی حق تعالیٰ کے پہچاننے کے مترادف ہے، البتہ راہ سلوک بغیر مرشد طریقت کی رہنمائی کے طے نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ پیر کامل کی رہنمائی سے متعلق حضرت سید علی ہمدانیؒ لکھتے ہیں:'' سالک کے لئے لازمی ہے کہ مرشد کامل کی صحبت میں رہے تاکہ وہ اس کی تربیت اور رہنمائی کرے۔ مرشد طریقت کے تصرف میں یوں رہے کہ جیسے مردہ جسم کسی غسال کے اختیار میں رکھا جاتا ہے تاکہ غسال (مرشد) ولایت کے صاف وشفا پانی سے اس کے مردہ نفس امارہ کو غیریت کے گناہ سے دھوئے اور اس کے دل کے آئینے سے غیر اللہ کے زنگ کو صاف کرے'' ۱۸؎

شاہ ہمدانؒ کے نگارشات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تصوف کے اسرار و رموز سے سالکان طریقت اور طالبان حقیقت کو آشنا کرایا جائے اور اس مقصد میں وہ ایک بڑی حدتک کامیاب بھی رہے۔ ایک مصلح کی حیثیت سے انہوں نے ایک طرف مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی تانے بانے میں قابل قدر حد تک تبدیلی لائی تو دوسری طرف صوفیانہ عقائد کی تشہیر سے حق شناسی، اخوت اور باہمی محبت کا جذبہ لوگوں میں اجاگر کیا۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کو تصوف وعرفان میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اور تصوف میں ان کے رول کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

حوالے:

۱۔ پیر غلام حسن کھوسہامی، جلد ۲، ص ۶۶، محکمہ ریسرچ پبلیکشن

۲۔ تاریخ ادبیات درایران، جلد ۳، ص ۔ ۱۶۶

۳۔مکتوبات، ص ۳۸

۴۔ شیخ یعقوب صرفی کشمیری، مسلک الاخیار، ص ۱۵

۵۔کلیات اقبال، جاوید نامہ،ص ۱۴۶،مطبوعہ کتب خانہ نذیریہ، دہلی
۶۔ چہل اسرار از سید علی ہمدانیؒ ،ص ۱۵ ،مطبوعہ شعبہ نشرواشاعت جموں کشمیر، ہمدانیہ ٹرسٹ، سرینگر
۷۔ ایضاً ،ص ۵۲
۸۔چہل اسرار، ص ۵۲
۹۔ایضاً ص ۶۲
۱۰۔ایضاً ص ۲۹
۱۱۔ اصطلاحات صوفیہ،ص ۲۷
۱۲۔مکتوب، ص ۱۵
۱۳۔ ایضاً ص ۱۹
۱۴۔رسالہ ٔدہ قاعدہ ،ص ۳۰ و ۳۱
۱۵۔مکتوبات سید علی، ہمدانی ص ۲۲
۱۶۔ایضاً ،ص ۳۵
۱۷۔ چہل اسرار،ص ۵۹۔ ۵۸
۱۸۔رسالہ دہ قاعدہ ،ص ۳۴

☆

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

خواجہ حسن ثانی نظامی

ہندوستان میں چشتیہ سلسلے میں پہلا اسم گرامی حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کا ہے، دوسرا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا، تیسرا حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا اور اس سلسلۂ عالیہ کے چوتھے خلیفہ اور جانشین کا نام حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ہے۔

اگر پوری اسلامی تاریخ کو ہم ایک یونٹ اور اکائی مان کر چلیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس اس عظیم تاریخ کے پورے نصف اول کا مذہبی، علمی اور تہذیبی رچاؤ تمام وکمال کے ساتھ موجود ہے۔ اور ان کی ذات گرامی اس رچاؤ کی پوری پوری اور سچی نمائندگی کررہی ہے۔ شاید اس لیے ہمارے دور کی دومشہور ترین مذہبی اور تاریخ داں شخصیتوں یعنی پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے اپنی اکثر تحریروں میں اور حضرت مولانا سید علی میاں ندوی علیہ الرحمہ نے اپنی لازوال کتاب تاریخ دعوت وعزیمت میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے پہلے آنے والے جن تین بزرگوں کے نام اوپر لئے گئے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ بے مثال ہستیاں ہیں۔لیکن ایک بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نہ صرف اپنے سے پہلے آنے والے بزرگوں کی تعلیمات اور فیوض وبرکات کا خلاصہ نظر آتے ہیں بلکہ انہوں نے اس وراثت اور امانت کو اپنے بعد آنے والوں کے سپرد جس کامیابی اور کمال کے ساتھ فرمایا وہ بھی صرف اسلامی تاریخ ہی کا نہیں پوری انسانی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ ورنہ ایسے تسلسل اور تواتر اور کامیابی کے ساتھ تعلیم وتربیت اور انسانیت کے شرف کے قیام ودوام کا انتظام اور اہتمام کم ہی نظر آتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے بعد حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت سراج الدین عثمان عرف حضرت اخی سراجؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت امیر خسروؒ اور ان ہی جیسے دوسرے ان گنت جانشینوں اور ایک کے بعد ایک آنے والے خلفاء کا ختم نہ ہونے والا وہ سلسلہ جو اسلامی تاریخ کے دوسرے نصف آخر یعنی آج تک موجود ہے، بھلا دنیا نے اس سے پہلے کب دیکھا تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مبارک زندگی اور خدمات کا جائزہ لینا اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ ان کی حیات پاک کے بے شمار واقعات زبان زد خاص وعام ہیں۔ لیکن ان میں سے درج ذیل چیزیں خاص طور پر نشان لگا کر رکھنے اور فائدہ اٹھانے کی ہیں۔ مثلاً

۱۔ انہوں نے بڑے شدومد کے ساتھ مسلمانوں کو کتاب وسنت یعنی قرآن مجید اور سیرت پاک سے جڑے رہنے کی تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ اس کے عملی طریقے بھی بتائے اور ساری زندگی اسی کام کی نذر فرمادی اور ایسے جانشین بھی تیار کردئے جو ان کے بعد اس کام کو جاری رکھیں۔

۲۔ ہندوستان میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ غالبًا پہلے بزرگ ہیں، جنہوں نے حدیث شریف کے چرچوں کو عام کیا۔ اور اس نکتے کی طرف توجہ دلائی کہ فقہ کے مسائل دراصل وہ رولز اور ریگولیشنز ہیں جنہیں بنیادی طور پر قرآن وحدیث ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس لئے ان قوانین کو یاد رکھنے ان کی پابندی کرنے اور رتی رتی ان احکام کو بجالانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں سے ان کو اخذ کیا گیا ہے یعنی قرآن وحدیث، ان کی تعلیم وترویج سے غفلت نہ برتی جائے اور ہم سے پہلے آنے والے جو بے مثال کام کرکے ہماری رہنمائی کرگئے ہیں، اس کام کو مسلسل قرآن وحدیث کی کسوٹی ہی پر پرکھتے رہنے اور ضروریات زمانہ کے تحت غوروفکر کرتے رہنے کے کام کو جاری رکھا جائے۔

۳۔ قرآن وحدیث اور تعلیمات اسلام چونکہ تمام انسانوں کے لئے ہیں، اس لئے ان میں سے ماننے والوں کے ساتھ ساتھ نہ ماننے والوں کے لئے بھی جو کام کی باتیں اور فائدہ پہنچانے والی باتیں ہیں وہ چن چن کر اور نکال نکال کر سب کے سامنے پیش کی جاتی رہیں تاکہ اپنے پرائے سب فیض یاب ہوتے رہیں۔

۴۔ انہوں نے اسلامی پرچار کے سلسلے میں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی کتاب قرآن کو یاد کرنے یعنی حفظ کرنے اور لکھ کر محفوظ رکھنے کا اہتمام ہوا۔ اور حدیث شریف کو پوری صحت اور علمی دیانت کے ساتھ محفوظ رکھا گیا اور فقہی قوانین کو ضبط تحریر میں لایا جاتا رہا اسی طرح بزرگوں کی تعلیمات اور تذکروں کو بھی پوری دیانت کے ساتھ محفوظ رکھنے کا کام ہو کیونکہ یہ تعلیمات اور تذکرے افراد کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور پرچار کی تاریخ بھی ہیں۔ وہ اس بات کو بتاتی ہیں کہ اسلام ہر زمانے میں وقتی اور دائمی تقاضوں کے تحت کس طرح عام

کیا گیا۔ اور آئندہ زمانے میں کس طرح ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور کیونکر انسانی برداری کا بھلا کیا جاسکتا ہے۔

اس چوتھے اصول کے تحت بزرگوں کے تذکرے اور تعلیمات کو اسی طرح لکھنے اور محفوظ کرنے کا اہتمام ہوا جیسے حدیث شریف کا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے فیض یافتگان اس طرح قلم لے لے کر ان کی خانقاہ شریف سے باہر نکلتے ہیں، خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے بزرگوں کی حیات اور تعلیمات کا قدیم تذکرہ حضرت خواجہ امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیاء کے نام سے لکھا تو حدیث شریف کی پیروی میں یہ طریقہ رکھا کہ صاف صاف پہلے یہ بیان کیا کہ فلاں بات براہ راست لکھنے والے کے علم میں آئی یا لکھنے والے نے کسی سے سن کر لکھی تو یہ بھی بتایا کہ یہ بات فلاں سے سنی اور وہ صاحب اعتبار کرنے کے قابل تھے اس لیے لکھنے والے نے ان کی روایت پر یقین کرکے کتاب میں درج کرنے کے قابل سمجھا۔ نیز اس احتیاط کے باوجود حضرت کے جانشین، حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی، نے مزید تاکید فرمادی کہ اس طرح کی تحریر اور روایت اور قول اور فعل کو بھی ہمیشہ کتاب اور سنت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا رہے۔ سند محض کسی کے قول وفعل سے نہ لی جائے۔ قول وفعل کو قرآن وحدیث سے پرکھا جائے۔ مطابق نکلے تو مانا جائے، مطابق نہ نکلے تو پرہیز کیا جائے۔ یا اس کو سمجھنے میں تامل اور غور وفکر ضروری رہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے اس غیر معمولی طریقے کے دو نتیجے ظاہر ہوئے: ایک طبقہ تو وہ تھا جو لکیر کا فقیر بنا رہنا چاہتا تھا۔ اور یہ تک سوچنے کو تیار نہ تھا کہ ہم کیا کررہے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا؟ ان لوگوں نے کھل کر اور جم کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مخالفت کی، مگر دوسری طرف علماء اور روحانی رہنماؤں کا وہ بڑا طبقہ تھا جن کو حضرت کی ظاہری زندگی اور موجودگی ہی میں یہ احساس ہوگیا تھا کہ حضرت خواجہ کے پاس وہ کچھ موجود ہے جو اتنا کتابی اور روحانی علم حاصل کرنے کے باوجود ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس لئے وہ لوگ جوق در جوق حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض کے طلب گار ہوئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک قدیم تذکرے قوام العقائد میں، جو علماء کے نزدیک معتبر اور سیر الاولیاء سے بھی پہلے لکھا جانے والا تذکرہ ہے، جو چند سال پہلے ہی دریافت ہوا ہے جس کا اصل متن پروفیسر نثار احمد فاروقی کے اردو ترجمے کے ساتھ حال ہی میں چھپ بھی گیا

ہے، اس طرح کے بہت سے حوالے دیئے ہیں جن میں چند ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا حسام الدین ملتانی اپنے زمانے میں دہلی کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اور شہر کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کی خواہش تھی کہ مولانا ان کے یہاں کے درس یا حلقے سے وابستہ ہوجائیں مگر مولانا کو کسی سے دلچسپی نہیں تھی، یہاں تک کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے بھی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ مگر ایک دفعہ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بہت مشکل دینی مسئلہ ہے جو کسی سے حل نہیں ہورہا ہے۔ مگر ایک بزرگ آئے اور انہوں نے وہ مسئلہ حل کردیا۔ اس کے بعد ایک روز اتفاق سے مولانا کی ملاقات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ہوگئی اور انہوں نے باتوں باتوں میں اس مسئلے کو انہی الفاظ میں اور اسی طرح حل فرمادیا، جس طرح مولانا نے خواب میں دیکھا تھا۔ مولانا فوراً حضرت کے مرید ہوگئے اور ساری زندگی وابستہ رہے۔[۱]

۲۔ حضرت خواجہ عثمان سیاحؒ سہروردیہ سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی کے صرف مرید ہی نہیں خلیفہ بھی تھے۔ وہ اپنے پیر کی خدمت میں رہنا چاہتے تھے مگر پیر نے کہا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی صحبت میں رہو اور اپنے آپ کو ان کی خدمت کے لئے وقف کردو۔ (حضرت کی درگاہ قصبہ قندھار نزد ناندیڑ، مہاراشٹر، میں آج بھی مرجع خلائق ہے)۔[۲]

۳۔ صاحب قوام العقائد مولانا محمد جمال قوام نبیرہ حضرت شمس العارفین لکھتے ہیں: حضرت خواجہ نظام الدین سارے عالم کے محبوب تھے۔ وہ مشائخ اور علماء جو خود کامل صاحب نسبت اور ہزاروں مریدوں کے پیر ہوتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے فیض کے طلب گار ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک عالم اور بزرگ اپنے مریدوں کے ساتھ حضرت کے پاس آئے۔ مریدوں کو باہر چھوڑا اور خود حضرت سے اکیلے ملے۔ اور باہر نکلے تو جھومتے ہوئے نکلے۔ مریدوں نے پوچھا حضرت ایسی کیا بات ہوئی ہے جس نے آپ کو متوالا کردیا۔ فرمایا تم کو کیا بتاؤں کہ اندر کیسا بادشاہ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ایسی بابرکت ہستی ہے جس نے دنیا کی ساری بلاؤں کو اپنے گھٹنے تلے دبا رکھا ہے۔ جس دن یہ گھٹنا اٹھے گا دنیا کا حال دیکھنا (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے وصال کے بعد سلطان محمد تغلق نے دلی کو بالکل اجاڑ دیا تھا اور دلی بے چراغ ہوگئی تھی)۔[۳]

۴۔ حضرت مولانا فخرالدین زرداری بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ دہلی کے اکثر علماء ان کے شاگرد تھے۔ ایک روز وہ یکا یک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس آئے اور مرید

ہوگئے۔شہر بھر میں یہ چرچا ہوا کہ مولانا زرداری جیسے بڑے عالم اور بزرگ کو کیا ضرورت تھی کہ کسی کا شاگرد اور مرید بنتے۔مگر مولانا جانتے تھے کہ حضرت خواجہ کے پاس وہ کچھ ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔[۴]

۵۔محمد جمال قوام بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا نے ان کو بتایا کہ ایک دفعہ جوگی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں آئے اور دہلیز میں دھیان جما کر بیٹھ گئے۔ جب واپس جانے لگے تو اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرکے کہا یہ شخص چالیس سال سے فلاں پہاڑ کے غار میں مقیم تھا اور کسی سے ملاقات نہیں کرتا تھا۔ پھر دوسرے کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ پچاس سال سے ایک گپھا میں رہتا تھا۔ اسی طرح سب کے بارے میں بتایا اور کہا کہ ہمارے دل میں غیب سے یہ بات ڈالی گئی کہ دہلی میں ایسے ایسے ایک بزرگ ہیں ۔ اگرتم ان کے سامنے جاکر کچھ دیر ان کی نظر کے سامنے رہوتو یہ ایک بڑا کام ہوگا۔ اس لئے یہاں آئے تھے اور کوئی مقصد ہمارا نہیں تھا۔ اب پھر اپنے اپنے مقام کو واپس جاتے ہیں۔[۵]

۶۔ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ شہر میں کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک برہمن کھڑا تھا، اس نے شیخ کو دیکھا تو بے خود ہوگیا۔کسی سے پوچھنے لگا کہ یہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ حضرت مولانا یوسف کلاکھیڑی نے اس کو حضرت کے بارے میں بتایا۔ اس نے درخواست کی کہ قیام گاہ پر جانے کے بعد مجھے حضرت خواجہ کی خدمت میں باریاب کرادیجئے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت (حضرت بابا فریدؒ کے نواسے اور حضرت خواجہ کے مرید اور خلیفہ خواجہ سید محمد امامؒ) حضرت کے پاس بیٹھے تھے۔مولانا یوسف نے برہمن کی درخواست پیش کی ۔حضرت نے فرمایا بلالو۔ برہمن سامنے آیا تو ادب سے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔حضرت خواجہ نے سید محمد امامؒ کی طرف دیکھ کر کہا یہ شخص مراقبے (دھیان) میں چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بات چیت کے بغیر رخصت ہوگیا ۔مولانا یوسف حیران ہوئے کہ اس شخص کو کہاں لے آیا۔ اس نے تو کچھ بات بھی نہیں کی۔حضرت نے البتہ مولانا کی طرف مسکرا کر دیکھا اور فرمایا ''مولانا اس قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں۔''

جب صبح کو مولانا اپنے گھر آئے تو وہ برہمن بھی ان کے پاس پہنچا۔مولانا نے اس سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا کہ سامنے جاتے ہی مراقبے (یعنی دھیان) میں چلے گئے۔ بات بھی نہ کی ،یوں ہی واپس آگئے۔ برہمن بولا میں کیا بات کرتا؟ دھیان میں جا کر باطن کو ٹٹولا کہ کون کون سی نعمتیں ہیں

جو ان سے گفتگو میں ظاہر ہورہی ہیں ۔ ہر چند کوشش کی مگر اندر جانے کا راستہ نہیں ملا۔ اور کسی جانب سے بھی خواجہ کے باطن میں داخل نہ ہوسکا۔ خداہی جانتا ہے کہ ان کے اندر کیسی کیسی نعمتیں ہیں۔ میں تو حیران ہوگیا بات کیا کرتا؟[۶]

۷۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا کوئی مرید ایک دفعہ اپنے کسی ہندو دوست کو حضرت کی خدمت میں لے کر آیا۔حضرت نے اپنے مرید سے پوچھا کہ تم نے اپنے دوست کو کچھ اسلام کے بارے میں بھی بتایا ؟وہ بولا، بہت بتایا۔مگر یہ کچھ متاثر نہیں ہوا۔حضرت آبدیدہ ہوگئے اور بولے میاں وعظ اور تقریر سے کچھ نہیں ہوتا کسی اچھے اور سچے مسلمان کو دکھاتے پھر اثر ہوتا۔ یہ اچھا اور سچا مسلمان دکھانے اور بنانے کی بات ہی تھی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ساری زندگی کرتے رہے اور ان کے جانشین آج تک کررہے ہیں۔ اسی لئے ان کی درگاہ اور ان کے جانشینوں کی درگاہوں میں آج تک میلہ لگا ہوا ہے۔اور دنیا فیض پارہی ہے۔

حوالے

۱۔قوام العقائد، اردو ترجمہ،صفحات ۳۳۔۳۴
۲۔ایضاً صفحہ ۴۷
۳۔ ایضاً صفحہ ۵۸
۴۔سیر الاولیاء
۵۔ایضاً صفحہ ۶۳
۶۔ایضاً صفحہ ۶۴

تصوف ،صوفیا اور ان کے خصوصیات عالیہ

پروفیسر شاہ محمد وسیم،علی گڑھ

خدانے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف عطا کیا، اور اسے روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا تو اعلان ہوا کہ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اور خلقت آدم پر ملائکہ نے جب یہ کہا کہ اتجعل فیھا من یفسد ویسفک الدماءَ ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔(تو کیا زمین میں ایسے کو پیدا کرے گا جو (زمین میں) فساد اور خونریزی کرتا پھرے، حالانکہ (اگر خلیفہ بنانا ہے تو ہمارا حق زیادہ ہے) کیونکہ ہم تیری تعریف وتسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں) فرشتوں کے یہ کہنے پر آواز حق آئی ..انی اعلم مالاتعلمون۔(جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے) الفاظ قرآنی کے معنی ومطالب پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خالق کو اپنے شاہکار (اشرف المخلوقات) پر بھروسہ تھا، کہ یہ دنیا جو جائے عمل ہے، آخرت کی کھیتی بن جائے گی ،جیسا کہ ہمارے نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (الدنیا مرزعة الآخرہ) بلاشبہ! یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ روئے زمین پر فساد نہ پھیلائے اور دنیا میں جس توازن کو خلاق عالم نے خلق کیا ہے، اس کو قائم رکھنے کے لئے عقیدہ اور عمل دونوں میں 'راسخ العقیدہ بندے' کی طرح ثابت قدم رہے۔ خدا کی خلقت پر نظر کرے، اس کے توازن پر غوروفکر کرے اور ایمان کی روشنی میں عمل پیرا ہو کہ اعلان قدرت ہے کہ

تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئی قدیر ...الّذی خلق سبع سمٰوٰات طباقاً ماتریٰ فی خلق الرحمن من تفٰوت فارجع البصر ھل تری من فطور۔ ثم الرجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر۔

(جس خدا کے قبضہ میں (سارے جہاں کی) بادشاہت ہے، وہ بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے...جس نے سات آسمان تلے اوپر بنا ڈالے ، بھلا تجھے خدا کی آفرینش میں کوئی کسر نظر آتی ہے؟ تو پھر آنکھ اٹھا کر دیکھ، تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ آنکھ اٹھا کر دیکھ تو (ہر بار تیری) نظر ناکام اور تھک کر تیری طرف پلٹ آئے گی : الملک ، آیات ۱، ۳، ۴)

جس خالق نے زمین وآسمان اور ہر جگہ، اور چیز میں توازن عطا کیا ہے، اسی نے انسان کو

بھی احسن تقویم پر پیدا کیا اور اعلان کیا کہ

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجرٌ غیر ممنون۔

(اور ہم نے انسان کو بہت اچھے کینڈے (تقویم) پر پیدا کیا۔ پھر اسے اسفل سافلین میں پہونچایا، مگر انہیں نہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح انجام دئے، پس ان کے لئے بے حساب اجر ہے:(سورہ تین، آیات ۳۔۵)

آیات کے معنی ومطالب پر غور وفکر کریں تو نظر آئے گا کہ خالق اپنے بندوں سے ایمان وعمل کا تقاضہ کررہا ہے، اور کامیاب انسانوں کے لئے بے حساب اجر کا وعدہ کہ یہی کامیاب زندگی کی ضمانت ہے ۔ اور یہی نہیں کہ خود انفرادی طور سے کامیابیاں حاصل کرلو، نہیں، سب کو ساتھ لے کے چلو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے النّاس کاٰئنان المشط (لوگ مثل کنگھی کے دانوں کے ہیں)، ان میں باہمیت پائی جاتی ہے ۔قرآن اعلان کررہا ہے کہ

والعصر انّ الانسان لفی خسر۔ الاّ الّذین آمنوا وعملوا الصالحا ت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

(زمانہ کی قسم ! بیشک انسان گھاٹے میں ہے، مگر (وہ لوگ نہیں) جو ایمان لائے اور اعمال صالح کرتے رہے اور آپس میں حق وصبر کی وصیت کرتے ہیں: (سورہ العصر آیات ۱۔۳)

اس کے معنی یہ ہوے کہ ایمان کی روشنی میں عمل کرنا انسان کی ذمہ داری ہے اور حق وصبر کے ساتھ زندگی گذارنے کی خود بھی اور دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرنے کی۔ لیکن ہر حال میں خدا سے رجوع کرنا، اسے حاضر وناظر جان کر اس سے مدد کے لئے دعا کرنا اور نفس کی تغیانی سے اسی کی پناہ مانگنا، جیسا کہ سورہ یوسف میں ارشاد خداوندی ہے:

وما ابرئ نفسی ، ان النّفس لامارۃ باسوء الا مارحم ربی۔ انّ ربی غفور رحیم۔

اور (یوں تو) میں اپنے نفس کو (گناہ سے) بے لوث (بے لاگ) نہیں کہتا ہوں (کیونکہ میں بھی انسان ہوں)، نفس برابر برائی کی طرف ابھارتا ہی رہتا ہے، مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے (اور گناہ سے بچائے) بیشک ! میرا پروردگار بہت بخشنے والا مہربان ہے ۔(سورہ یوسف، آیت: ۵۳)

لہٰذا انسان کو صراط مستقیم پر رکھنے کے لئے میزان شریعت قائم ہوئی تاکہ تزکیۂ نفس ہو، افکار وخیالات پر ایمان کا سایۂ ہو اور اعمال خالق کی خوشنودی کے مدنظر انجام دیئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خالق کی بندگی کرتے ہیں اور اسکے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دنیا میں رہتے ہیں مگر دل ونگاہ اس طرف ہوتی جہاں سوائے نوروحق کے اور کچھ نہیں ہے۔ خدا کے یہ خاص بندے جنہیں دنیا صوفیہ کہتی ہے وہ منتخب لوگ ہیں جو خدا کی خوشنودی پر نظر رکھتے ہیں اور وہی ان کا مقصود ومطلوب ہوتا ہے۔ زہدو مجاہدہ نفس ،فقر،توکل ،علم وعمل ان کا مشغلہ ہوتاہے۔ ترک دنیا میں انہیں رغبت ہوتی ہے، دنیا میں رہتے ہیں مگر دل اس کی طرف رغبت سے خالی ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام وہ ہیں جو خدا کی محبت ہی کو مرکز توجہ بناتے ہیں،لیکن بہترین اخلاق اورمخلوق خدا سے محبت ہی کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں ، کیونکہ مولانا آزاد کے بقول ''خدا سے محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہوکر گزرتی ہے، جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے، اسے چاہئے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے''۔[۱]

اس طرح سالک راہ حق وہ ہے جومنزل دعا میں یہ کہتا ہے:

''بارالہا! اپنی بارگاہ کی طرف توجہ کے لئے (دنیا کے تمام متعلقات سے) میرے اندر کامل انقطاع اور لاتعلقی پیدا کردے اور ہمارے دل کی آنکھوں کو اپنے جمال کے دیدار کے نور سے منور فرمادے، تاکہ دل انقطاع اور لاتعلقی پیدا کردے اور ہمارے دل کی آنکھوں کو اپنے جمال کے دیدار کے نور سے منور فرمادے تاکہ دل کی آنکھیں نور کے حجابوں کو چیر کرسر چشمۂ عظمت وجلال تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیری ذات مقدس سے تعلق پیدا کرلیں۔''

''پروردگار ! مجھے ان لوگوں میں قرار دے جنہیں تونے آواز دی اورانہوں نے تیری آواز پر لبیک کہی۔ تونے ان پر ہلکی سی ایک نظر ڈالی اور وہ تیرے جلال کے روبرو مدہوش ہوگئے۔ پس تونے ان سے درپردہ رازونیاز کی باتیں کیں۔''[۲]

منزل علم وعرفان اورمعرفت میں سرگرم عمل ہونا صرف جستجو برائے جستجو تک محدود ومقید ہوکر نہ رہ جائے، ورنہ کیا حاصل ہوگا، بلکہ یہ کدوکاوشیں، یہ عبادت وریاضت عشق الٰہی میں سرشار ہوکر اس طرح کی جائے کہ عقیدہ کوصیقل اور سالک کو اس کا مقصودمل جائے ۔ ہاں! جستجو پاکیزگئ نفس اور تابع عقیدہ وعمل ہویعنی شرط تہذیب نفس اورتطہیر قلب کے ساتھ ۔آیئے۔! بات کو اور واضح طور پر سمجھانے

کے لئے ہم حدیث رسولؐ پر نظر کریں۔ اوّل العلم معرفت الجبار وآخر العلم تفویض الامرالیه (علم کی ابتداء جبار کی معرفت ہے اورعلم کی آخرش یہ ہے کہ ہر امر اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے)، تو سمجھ میں آئے گا کہ اگر علم وعمل کی بنیاد توحید پر استوار ہوگی تو عرفان اور معنویت کی خوشبو سموئے ہوئے، منزل تک پہونچنے والی راہ پر روشنی بکھر جائے گی۔ یہ سب تصوف کے لئے مشہود وجدائی ہوگا اور اس کے بعد منزل بہ منزل فنا کی منزل خوش آئند ہوگی، جہاں وجدانی ہوائیں سرگوشی کریں گی۔ ''چراغ بجھا دو کہ سورج نکل آیا۔''

یہ عارفین حق پسند ہیں، جو مقام باطنی تک پہنچنے کی دھن میں ہیں، مگر ذمہ دارانہ طور پر کہ شرع مقدس کے ظواہراور دستورات کے پابند ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شرعی احکام کی پابندی کے ساتھ ہی کمال تک رسائی ممکن ہے۔ بیشک ! وہ پوشیدہ جو عالم معنی سے مربوط ہے اور (وہ) ظاہر جو کہ سروباطن سے وابستہ ہے، وہی ہے جو خدا، اس کے رسولؐ اور اس کے اولیاء کے اقوال وگفتار کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، دینی احکام وآداب یعنی شرع مقدس الٰہی (کتاب وسنت) کے ظواہر کا علم اسرار ربانیہ، انوار غیبیہ اور تجلیات الٰہیہ تک رسائی حاصل کرنے کی سیدھی راہ ہے، اگر ظواہر (آداب وشریعت) نہ ہوتے تو کوئی سالک الی اللہ کمال تک اور کوئی مجاہد مقصود وحقیقت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔'' [۳]

اس کے معنی یہ ہوئے کہ تصوف شریعت پر عمل کا نام ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ''ابن جوزی کہتے ہیں کہ قدمائے صوفیہ قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ کے امام ہوا کرتے تھے۔'' [۴] لہٰذا قرآن وسنت پر خود بھی عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتے تھے۔مولانا جلال الدین رومی نے اپنی وصیت اس طرح کی ہے۔

''میں تم کو باطن و ظاہر (دونوں) میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور کم خوراکی اور کم خوابی اور کم گوئی کی، اور گناہ نہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کی اور متواتر روزے رکھنے کی اور نماز میں پابندی کی اور نفسانی خواہشوں کو ہمیشہ ترک کرنے کی، اور سب کی سختیاں برداشت کرنے کی اور بے شعوروں .... کے ساتھ نہ اٹھنے بیٹھنے کی اور صالحین کرام کے ساتھ نشست وبرخاست کی، بیشک ! خیرا لناس وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہونچائے اور خیرالکلام وہ ہے جو دلالت سے (لوگوں کو) قائل کرے۔ پس ساری حمد وثنا اللہ واحد کے لئے ہے۔''

لہٰذا تصوف طریقت سے نہیں شریعت سے وابستہ ہے۔ اور تصوف رہبانیت بھی نہیں ہے۔

''صوفیائے کرام رہبانیت کے قائل نہیں تھے، بلکہ وہ جس چیز کو ترک کرنے پر زور دیتے تھے، وہ دنیا نہیں بلکہ دنیا کا غیر ذمہ دارانہ و بے اعتدالانہ استعمال تھا، کیونکہ بقول مولانا آزاد'' دنیا نہیں، بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال ہی روحانی سعادت کے خلاف ہے۔''

''صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھائے، اس کائنات کی ایک ایک چیز سے مستفید ہو، لیکن اس طرح کہ دنیا کی محبت اس کے دل کو آلودہ نہ کرنے پائے اور جب جان دئے اور اس کی لذتوں سے دستبردار ہونے کی دعوت دی جائے تو 'لبیک' کہتے ہوئے اس طرح دوڑے گویا بھوکے کو غذا اور پیاسے کو پانی کی پکار سنائی دی۔ اس کی زندگی کا مرکز ومحور رضائے خداوندی بن جائے۔'' ۵؎ یعنی زندگی ایمان کے سایۂ میں گذاری جائے کہ ایسے لوگ مومن ہیں۔ اور جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے: مومن وہ ہے جس'' نے اپنی عقل کو زندہ رکھا اور اپنے نفس کو مارڈالا، یہاں تک کہ اس کا ڈیل ڈول لاغر اور تن وتوش ہلکا ہوگیا۔ اس کے لئے بھرپور درخشتہ گیوں والا نور ہدایت چمکا کہ جس نے اس کے سامنے راستہ نمائیاں کردیا اور اسے سیدھی راہ پر لے چلا اور مختلف دروازے اسے ڈھکیلتے ہوئے سلامتی کے دروازہ اور دائمی قرار گاہ تک لے گئے اور اس کے پاؤں بدن کے ٹکاؤ کے ساتھ امن وراحت کے مقام پر جم گئے، چونکہ اس نے اپنے دل کو عمل میں لگائے رکھا تھا اور اپنے پروردگار کو راضی وخوشنود کیا تھا''۔ ۶؎

یہ وہ لوگ ہیں جن میں تکبر وخود پسندی، نام کو بھی نہیں ہوتی کیونکہ'' تکبر وخود پسندی اپنی بے مائگی اور خالق کی عظمت سے انتہائی درجہ جہالت ولاعلمی کی دلیل ہے۔ اگر عالم خلقت کی عظمت پر ذرا غور کرلیا جائے، کم از کم اسی قدر جتنا آج تک انسان علم کی تمام تر ترقی کے ذریعہ اس سے آگاہ ہوا ہے، تو انسان اپنی تمام شمسی منظوموں اور کہکشانوں کی حقیقت کم مائگی کو محسوس کرتے ہوئے، ان کے خالق کی عظمت کو ایک حد تک درک کرلے گا اور اپنے تکبر وخود بینی اور خود پسندی سے خجالت کا اظہار کرتے ہوئے، جہالت کا احساس کرے گا۔.... انسان خود کو ساری خلقت کا محور سمجھتا ہے، ہر چند کہ انسان کامل کی یہی شان ہے۔ تمام موجودات کی نظر میں معلوم ہے کہ ایسا ہی ہوا اور رشد وارتقا سے عاری انسان (یقیناً) ایسا نہیں ہے۔.....'' ۷؎

انسان کے لئے عرفان وادراک اس کی رہبری کرتے ہیں مگر یہ خیال رہے کہ باوجود اس کے کہ

وتزعم انک جرم صغیر وفیک نطوی العام الاکبر

(تو سمجھتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا وجود ہے، حالانکہ تیرے اندر سب سے بڑا عالم موجود ہے: علیؑ) اس میں نہ تکبّر ہو، اور نہ غرور، بلکہ وپیکر صدق، صفا بنا مرضیٔ خدا کا تابع بندہ بن جائے، فہم وادراک کے ساتھ صدق وصفا کے منازل طے کرتا ہوا تو اس کی منزل کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔ اور بقول علامہ اقبال ؎

مقام آدم خاکی نہاد دریا بند مسافران حرم خدا دہد توفیق

مومن ہے تو خوف وحضر میں رہتا ہے، صوفیاء کرام نے اسی طرح زندگی گذاری ہے کیونکہ ''بیشک ! اللہ کا خوف ہدایت کی کلید اور آخرت کا ذخیرہ ہے۔(خواہشوں کی) ہر غلامی سے آزادی اور ہر تباہی سے رہائی کا باعث ہے، اس کے ذریعہ طلب گار منزل مقصود تک پہنچتا ہے اور (سختیوں سے) بھاگنے والا نجات پاتا ہے۔ اور مطلوبہ چیزوں تک پہونچ جاتا ہے۔ (اچھے) اعمال بجا لاؤ، ابھی جبکہ اعمال بلند ہو رہے ہیں، تو بہ فائدہ دے سکتی ہے۔ پکار سنی جارہی ہے، حالات پر سکون اور (کراماً کاتبین کے) قلم رواں ہیں.....''

عرفان کی منزل وہ منزل ہے جہاں فہم وادراک سربلندیوں کی طرف لے جاتے ہیں، معرفت کے باب در باب کھلتے ہیں، تزکیۂ نفس، یاد الٰہی اور اعمال صالح کی بارش ہوتی ہے اور بندہ حب اللہ میں سرشار منزل بہ منزل بڑھتا ہوا ایک مقام پر فائز ہوجاتا ہے اور اب سب کا منتہا اور منبہ حب اللہ ہے، فقط اور فقط حب اللہ اور اس کے زمرہ میں وہ سب ذوات مقدسہ آجاتی ہیں، جنہیں خدا سے محبت ہے اور خدا ان کو دوست رکھتا ہے، ان میں ہمارے نبیؐ بدرجہ اتم اس منزل پر فائز ہیں، اور ان میں وہ بھی ہے، جن سے صوفیاء کا سلسلہ نسب جا ملتا ہے یعنی امیر المومنین حضرت علیؑ کہ شب ہجرت بستر رسولؐ پر سوئے تو یہ پوچھا کہ اس طرح آپ کی جان تو بچ جائے گی؟ اور جب آنحضرتؐ نے کہا کہ ہاں، تو علیؑ نے سجدہ شکر کیا۔ علماء کہتے ہیں کہ روئے زمین پر یہ پہلا سجدۂ شکر تھا۔ ملک قرآن کی زبان میں قصیدہ پڑھتا ہوا اترا: ومن النّاس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰه۔

منزل فہم وذکاء اور عرفان وادراک پر فائز افراد کا کیا کہنا کہ:

''بیشک ! اللہ سبحانہ، نے اپنی یاد کو دلوں کو صیقل قرار دیا ہے ... یکے بادیگرے ہر عہد اور انبیاء سے خالی دور میں حضرت رب العزت کے کچھ مخصوص بندے ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ جن کی فکروں میں سرگوشیوں کی صورت میں (حقائق ومعارف کا) القاء کرتا ہے اوران کی عقلوں سے

(الہامی آوازوں کے ساتھ) کلام کرتا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں سے بیداری کے نور سے (ہدایت وبصیرت کے) چراغ روشن کئے، وہ مخصوص یاد رکھنے (کے قابل) دنوں کی یاد دلاتے ہیں اور اس کی جلالت وبزرگی سے ڈراتے ہیں، وہ لق ودق صحراؤں میں دلیل راہ ہیں۔ جو میانہ روی اختیار کرتا ہے اس کے طور پر طریقہ پر تحسین وآفرین کرتے ہیں اور اسے نجات کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اور جو (فراط وتفریط کی) دائیں بائیں سمتوں پر ہولیتا ہے، اس کے رویہ کی مذمت کرتے ہیں اور اسے تباہی اور ہلاکت سے خوف دلاتے ہیں۔ انہی خصوصیات کے ساتھ یہ ان اندھیاروں کے چراغ اور ان شبہوں کے لئے راہنما ہیں۔ کچھ اہل ذکر ہوتے ہیں جنہوں نے یاد الٰہی کو دنیا کے بدلے لے لیا۔ انہیں نہ تجارت اس سے غافل رکھتی ہے، نہ خرید وفروخت، اسی کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرتے ہیں اور محرمات الٰہیہ سے متنبہ کرنے والی آوازوں کے ساتھ غفلت شعاروں کے کانوں میں پکارتے ہیں، عدل وانصاف کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ برائیوں سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے باز رہتے ہیں، گویا کہ انہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے آخرت تک منزل کو طے کرلیا اور جو کچھ دنیا کے عقب میں ہے، اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا...'' [۸]

یہ وہ بلند وبالا لوگ ہیں جو اسلام پر کاربند ہیں، اس طرح کہ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے بندوں سے محبت، جیسا کہ حضرت علیؑ نے اسلام کی تعریف کی ہے۔ ان کی عزت وتکریم کرنا چاہئے اور ان کی عظمتوں کو سلام کرنا چاہئے۔

جب اسلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا جارہا تھا، خلافت کو ملوکیت میں بدلا جارہا تھا، تو صوفیاء نے خانقاہوں کو آباد کرکے بلا تفریق مذہب وفرقہ تعلیمات اسلام کو عام کیا، اسطرح حکمرانوں، امراء اور روسا کو ان کی من مانی کرنے سے روکا، تکلیفیں بھی اٹھائیں، غم وغصہ بھی سہا اور قربانی پیش کی، مگر صراط مستقیم کی طرف ہدایت سے باز نہ آئے۔

یاد خدا صوفیاء کا سرمایہ حیات، اسی کی قدرت کاملہ پر یقین واعتماد اور اسی ہی کی خوشی ان کا ماحاصل ہوتا ہے اور جیسا کہ امام آیت اللہ خمینی نے کہا ہے:

ای یاد تو مایۂ غم و شادی من سروقد تو نہال آزادی من
بردار حجاب از رخ و گیسو بکشای ای اصل ہمہ خراب و آبادی من

(اے تو پروردگار!) کہ تیری یاد ہی میرے غم وخوشی کا سرمایہ ہے، تیرا خیال ہی میری نہال آزادی کا

سرووقد ہے۔ اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر اپنا جلوہ دیکھا کیونکہ تو ہی میری تمام بربادی اور مجھے آباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے)

حوالے:

۱۔ ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی ،ص ۴

۲۔ امام آیت اللہ خمینی کا ایک عرفانی خط (۲۴ شعبان المعظم بروز شنبہ، ۱۴۰۴ھ) ترجمہ سید احتشام عباس زیدی، توحید، جلد ۷ ،شمارہ ۴۱، جون۔ جولائی ۱۹۹۰ء ،قم، جمہوری اسلامی ایران ،صفحہ ۱۵

۳۔ محمد سروش ، امام خمینی کا عرفان ، ترجمہ سید ولی الحسن رضوی، توحید ، جلد ۷ ، شمارہ ۴، جون ۔ جولائی ۱۹۹۰ء ،صفحہ ۹۰،

۴۔ علاّمہ محمد غزالی اسلامی تصوف : اسلام کا روحانی ونفسیاتی پہلو، ترجمہ ابومسعود اظہر ندوی مکتبہ اشاعت القرآن، دہلی ۱۱۰۰۱۱،صفحات ۶۔۷

۵۔ایضاً ،صفحات ۵۔۶

۶۔ نہج البلاغہ مرتبہ سید انصار حسین ماہلی ، احباب پبلیشرس،لکھنؤ، ۱۹۸۲ خطبہ نمبر ۲۱۷،صفحہ ۶۹۴

۷۔ ایضاً ، خطبہ نمبر ۲۲۷،صفحہ ۴۹۴

۸۔ ایضاً خطبہ نمبر ۲۱۹،صفحات۔ ۶۷۶۔۶۷۷

☆

اسلامی تصوف : ایک تنقیدی جائزہ

برصغیر ہند میں سلاسل صوفیاء کی آمد بالخصوص چشتی سلسلہ اور اس کے اثرات

ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی
گدی نشین، درگاہ شریف، اجمیر

ا۔ اسلامی تصوف پر ایک طائرانہ نگاہ

تصوف خالص اسلامی ہے جس کی فکری اساس وبنیاد قرآن کریم حدیث وسنت نبویؐ واقوال زریں بزرگان دین وعلمائے امت پر مبنی ہے۔ تاریخ تصوف کے کامل واول ترین صوفی نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کے ذکر وفکر، صبر ورضا توکل وزہد خشیت وعشق الٰہی، حق شناسی، تبلیغ وہدایت، شریعت ومعرفت جملہ مکارم اخلاق اہل بیت اطہارؑ اورصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین تبع تابعین۔ ائمہ۔ امامین صلحاء، فقراء، اولیاء واہل اللہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے لئے مشعل راہ بنے اور جو ان آداب واخلاق اوصاف حمیدہ کو اپنا نصب العین اور طرۂ امتیاز بنا کر تزکیۂ نفس کے ذریعہ فنا فی اللہ کے راستہ پر گامزن ہو کر کامیاب دوجہاں رہے۔

حضور اکرمؐ کے ''اخلاق اعلیٰ اور'' خلق عظیم'' کو بارہا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا خلق قرآنِ ناطق تھا۔ مادی دنیا کے مقابلہ آخرت کو ترجیح دنیا ہی حقیقتاً تصوف ہے۔ فنا فی اللہ کے ساتھ خدمت خلق صوفیاء کا نصب العین رہا ہے۔'' تصوف ہر اچھے وپاکیزہ اخلاق میں داخل ہونے کا اور برے عادات سے بچ نکلنے کا نام ہے جس کے جتنے پسندیدہ اور پاکیزہ اخلاق ہوں گے وہ اتنا ہی عظیم اور بڑا صوفی ہوگا۔'' (امام محمد باقرؒ)

شیخ علی ہجویری لاہوری صاحب ''کشف المحجوب'' اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ پاکیزہ اخلاق واوصاف (آداب) کی ۲ اقسام میں اک خداوند عالم کے ساتھ اور دوسری خلق خدا کے ساتھ محبت دنباہ ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ فضا وقدر پر راضی رہے۔ خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ رب کے خاطر مخلوق کی صحبت کا بار اٹھائے (برداشت کرے) اور اُف نہ کرے۔

حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور نظام کائنات کی اک مکمل توجیہ پیش کرتا ہے۔ سیرت کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر انسانی زندگی کا سب سے مشکل وکٹھن مگر اہم ترین مرحلہ ہے جس کو خلوص نیت ، انہماک خیالات اور اعلیٰ ترین اخلاق وعادات واطوار و آداب سے اکبر صوفیائے کرام نے بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا جس کی مثال تاریخ دینے سے قاصر ہے۔

اگر مستشرقین(Orientalists) اس پر حیرت زدہ نظر آتے ہیں کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین دور میں اور زوال پزیر ساعتوں میں مذہبی روحانی ثقافتی (تصوف) اسلام نے حیرت انگیز ونمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور ترقی کے سلسلہ کو جاری وساری رکھا۔ پروفیسر ایچ گب کے مطابق ایسے مواقع پر اسلامی کلچر (تصوف) نے سیاسی اسلام کو اتنی توانائی اور مدد بخشی کہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اور بالآخر کامیاب سرخرو ہوا۔ بقول شاعر مشرق پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے۔

یہ خیال کے تصوف غیر اسلامی ہے اور جہلا کا مسلک ہے۔ خود ایک ''عظیم جہالت'' ہے۔ یقیناً کچھ بیرونی (باہری) عناصر بشکل فلسفہ و رسم ورواج معمولات سماجی وثقافتی پس منظر میں اثر انداز ہوئے مگر ان کی شمولیت واہمیت برائے نام ہے۔ تصوف خالص اسلامی رنگ وادب وخدوخال لئے ہوئے ہے۔

تصوف اقرار باحق اور فرار دنیا وخلق کا نام ہے۔ علم دین وشریعت ومعرفت کے ماہر علم دار ہر دور میں تصوف کی کٹھن منازل پر گامزن رہے اور نہ صرف قرب الٰہی حاصل کرتے رہے بلکہ مخلوق خدا کو بھی سیراب وشفاف کرتے رہے۔ ان کی زندگیوں اور کرداروں میں شریعت وطریقت اس طرح سماتے گئے کہ اک پاک وصاف پاکیزہ سماج کی تشکیل ہوتی گئی اور انسانیت کا بقا ہوتا رہا۔ یہ روحانی واخلاقی معراج نہ مودویت کی ''خیسہ بیگم'' ہے نہ مارکیست کی ''افیونی گولی'' ہے۔

۲۔صوفی کی تعریف اور اولین صوفیاء:

لفظ ''صوفی '' کے عالم وجود میں آنے پر مختلف رائیں اور تحقیقات ہیں۔ صفا۔ بمعنی صفائی قلب) صفہ اشارہ (اصحاب صفہ) صف (صف اوّل جماعت میں) صوف (گدڑا رپشمینہ)صفی (یونانی اس فلسفہ رفلسفہ وغیرہ وغیرہ الفاظ اس لفظ کی پیدائش کے ساتھ جوڑے اور منسلک کئے جاتے رہیں ہیں۔ اگر ان سبھی الفاظ کی خوبیوں کا تجزیہ کرکے ایک مرکب مجموعۂ ذات مان لیا جائے تو جس

مکمل صاف وشفاف شخصیت کا وجود عمل میں آتا ہے وہ حضرت ''صوفی'' ہیں۔ بالفاظ دیگر قلب کی صفائی، کردار واذکار اصحاب صفہ، ریاضت وعبادت الٰہی میں صف اوّل، یشمیہ گڈری پہچان فقر، اور فلسفہ ٔ حکمت سبھی صوفی کے طرہ امتیاز رہے ہیں۔ علامہ ابن جوزی کے مطابق قبل از ظہور اسلام عرب میں ایسے عابد وزاہد حضرات موجود تھے جو اکثر خاموشی سے کعبۃ اللہ میں حاضر ہوکر دنیا سے بے نیاز عبادت الٰہی وخدمت کعبہ (رسم صفائی وغیرہ) ادا کرکے چلے جاتے تھے۔ ان کو اس وقت لوگ ''صوفی'' کہا کرتے تھے۔ اسلام میں اس ذوق ومشرب ومذاق کے لوگوں کو صوفی اسی پس منظر میں کہا گیا ہے۔ عربی شاعری میں قبل از اسلام اکثر صوفی لفظ استعمال اسی انداز میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ صوفی لفظ قدیم ہے۔ بقول پروفیسر کے اے نظامی ان حضرات کو ''خادم کعبہ'' بھی کہا جاتا تھا اور صوفی خدمت خلق کو رب کعبہ تک پہنچنے کا ذریعہ مانتے ہیں لہٰذا یہ اصطلاح لفظ ''صوفی'' کے قریب ترین معلوم ہوتی ہے۔ الفقر الفخری کا حضور اکرمؐ کا یہ لطیف اشارہ یہی ہے کہ مجھے فقر نصیبی، بے رغبتی دنیا، غربت، مفلسی پر فخر ہے اور یہ دراصل تصوف ورخسان ہے۔

مانا جاتا ہے کہ ابو ہاشم کوفی نے تقریباً ۱۵۰ ہجری میں سب سے پہلے لفظ ''صوفی'' اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا۔

صحابہ ٔ کرام کے بعد حضرت اویس قرنیؒ کا شمار بحیثیت اول مکمل ترین ''صوفی''، بوجہ عشق الہ اور بالخصوص عشق رسولؐ'' کیا جاتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی قربانی ٔ کربلا بھی صوفیائے کرام کے اس سلسلہ کی اہم کڑی جس میں ظلم کے خلاف ترغیب جہاد ہے۔ اس کے بعد ہی صوفیاء کرام نے اور ان کے لواحقین نیظلم پر خاموشی کی مخالفت کی اور اسی دور تابعین میں مشہو صوفیاء کرام میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ، شیخ عبد الواحد بن زید، حبیب عجمی، داؤد طائی، فضیل بن عیاض وغیرہ جیسے نامور ومشہور صوفیائے کرام موجود تھے۔ جن پر خشیت الٰہی کا جذبہ سرگرم تھا اور جن کو مستشرقین خاموش علیحدہ گی پسند بے نیاز (Quitist) کے نام سے پکارتے ہیں اسی دور کی ایک خاتون صوفیہ رابعہ عدد یہ یا رابعہ بصری تھیں جن کے صبر وتوکل عشق الٰہی اور راضی بارضا کو دیکھ کر اس دور کے دوسرے مردان صوفی حضرات عش عش کرتے تھے۔ فرماتی ہیں کے عبادت الٰہی اس لالچ میں کہ ''جنت ودوزخ'' ملے گی لاحاصل میرا بس چلے تو دونوں کو ختم کردوں تاکہ ذکر وعبادت الٰہی بے غرض ہو صرف اس کے (اللہ) لئے ہو نہ کہ انعام واکرام کے لالچ ہیں۔

انہیں حضرات نے اس دور بنوا میہ میں جس میں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی اور جو تاریخ اسلام کا ایک طرح سے ''دہشت ووحشتناک دور''(Reign of Teror) تھا خاموشی سے اسلامی وقار، افکار ونظریات کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ انہی کاوشوں سے عوام کو اس پر چلنے کی کامیاب تلقین وتبلیغ کی سعی کی۔

ان کے بعد کے مشہور ترین صوفیاء کرام میں ابو بکر شبلیؒ سری سقطی ،جنید بغدادیؒ ، رئیس الطائفہ، ابراہیم بن ادھم، ابوالحسن نوری وغیرہ جیسے اجلاء فضلاء حضرات ہوئے جنہوں نے اس غلط فہمی کو دور کیا کے شریعت اورطریقت دو الگ الگ راستہ ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت وطریقت کے دائرہ میں رہ کر ہی معرفت الٰہی حاصل ہوسکتی تھی۔

امام غزالی اور شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی نے اسی اصول کے پس منظر میں اپنی تصانیف میں شریعت وطریقت ومعرفت کو یکجا کرکے ثابت کردیا کہ تصوف خالص اسلام ہے ان کا یہ احسان تاریخ تصوف میں بے مثال ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی شیخ اکبر نے فلسفۂ وحدت الوجود ''ہمہ اوست'' (Unity of Being) کی اس طرح تشریح کی کہ وہ صوفی حضرات کے'' قالب جان'' ہوا اورتصوف کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوا۔

اسی دور میں اہل علم حضرات نے تصوف کے خلاف اٹھے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے اورصوفیائے کرام کے پاکیزہ حالات کوعوام سے روشناس کرانے کے لئے تصانیف بامقصد کیں۔ اس میں ابونصر سراج ، ابو طالب مکی،عبد الرحمٰن سلامی ، امام قشیری کی تصانیف قابل ذکر ہیں اور کارآمد ثابت ہوئیں۔ بزرگوں کے ملفوظات جمع کرنے کا سلسلہ بھی رہا۔شیخ ابوسعید ابو الخیر کے ملفوظات اس ضمن کی اک اہم کڑی ہے۔حکیم سنائی نظامی گنجوی ، حافظ شیرازی،سعدی رومی،عطار جیسے شعراء نے تصوف کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا اور پروان چڑھایا۔منصور حلاج شہاب الدین سہرودی مقتول عین القضات سمنانی نے سولی پر چڑھ کر اپنے خون سے اس کی آبیاری کی۔ پیری مریدی مرشد،شاآبا طالب ومطلوب کا سلسلہ جاری رہا۔لیکن بارہویں صدی عیسوی کے قبل تصوف میں باقاعدہ سلاسل (Orders Chains) کی روش شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے اکثر حضرات صوفیہ اپنے نام کے ساتھ پیشہ لگالیتے تھے تاکہ پہچان ہوسکے خیاط ،سراج قصاب ،قصار وغیرہ اس ضمن میں لگائے گئے تھے جس کو ایک موجودہ تاریخ مارکسی نویس پروفیسر ریاض السلام نے یہ کہہ کر گھمانے کی کوشش کی کہ

تصوف اپنے اول دور میں پیشہ ور (Profesional Classes) حضرات کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں کسی بھی ولی اللہ / بزرگ /صوفی کے ارد گرد جمع ہونے والے مریدین وطالبین کوصرف ''خادم'' (خدام) کہا جاتا تھا اور یہ لفظ حقیقتاً دنیائے تصوف میں اپنے معنوی اعتبار سے سمندر کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے۔''

۳۔صوفی سلاسل کی تدوین اور آمد ہند:

بہرکیف ۱۲ ویں صدی کے آغاز سے ہی سلاسل (سلسلوں) کی تدوین کا کام شروع ہوا اور ایک باقاعدہ نظام عالم وجود میں آیا۔ اکثر سلاسل وطریقہ (طرائق) بانی سلسلہ کی جائے پیدائش و رہائش سے منسوب ہوئے مثلاً نقشبندی /سہروردی/چشتی/ وغیرہ ۔ یہ تینوں مقامات کے نام ہیں جہاں ان کے بانی یا اکابر پیران عظام رہائش رکھتے تھے یا پیدا ہوئے۔ دوسری طرف کئی سلاسل بانی سلسلہ کے نام سے عوام میں مقبول ہوئے ،ان میں جنیدیہ (جنید بغدادی) نوری (ابو الحسن نوری) شاذلی (ابو الحسن شاذلی) قادری (عبد القادر جیلانی) وغیرہ اہم ہیں۔سلسلوں کی ان ناموں کے ساتھ ساتھ شجرہ (بمعنی شجر) کا معاملہ بھی شروع ہوا۔ ہر بزرگ وشیخ نے اپنے پیر ودرپیر کے نام کے ساتھ ایک سلسلہ رکھا اور اکثر وبیشتر نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے توسل سے نبی کریمؐ تک رشتہ وناطہ قائم کیا۔ شجروں کی اہمیت اور باقاعدہ ورد نے سلسلوں کو مضبوط کرنے میں مدد کی اور بڑی حد تک عوام میں مقبول کیا۔ کچھ سلاسل خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ سے اور حضرت اویس قرنی سے اپنا شجرہ جوڑتے ہیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ والہ تعالیٰ تک اپنا وسیلہ پہنچاتے ہیں ۔ بہر حال تدوین سلاسل اور ''شجرہ'' (اشجار) نے تصوف کو پھیلانے اور عوام میں مقبول کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا اور صوفیوں کو ایک خاندانی (Faternity) حیثیت سے روشناس کرایا۔ بقول پروفیسر کے اے نظامی تقریباً ۲۰۰ سے زائد سلاسل عالم وجود میں آئے اور پورے عالم میں لاتعداد علاقوں میں اپنے اثرات چھوڑے۔

برصغیر ہندوپاک ، افغانستان، بنگلہ دیش یعنی جنوبی ایشیا میں صوفیائے کرام کی آمد ۱۲ ویں صدی سے قبل سے شروع ہوچکی تھی ۔ ادھر حال کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ کے جنوبی ہند میں اسلام کے اوّل ترین دور میں ہی صحابہ /صوفی / تابعین /حضرات بسلسلہ تجارت وتبلیغ بذریعہ سمندری راستہ نازل ہوچکے تھے ۔ ادھر ریگستان سندھ میں بھی کئی بزرگ حضرات کی آمد بہت پہلے ہی ہوچکی

تھی۔منصور حلاج اور خواجہ مودود چشتی کے دورۂ ہند کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں۔

بارہویں صدی میں سید یوسف کردیزی نے ملتان کو اپنا مرکز بنا کر صوفی سلسلہ کی اشاعت کا کام شروع کردیا۔مشہور صاحب تصوف بزرگ شیخ علی ہجویری المعروف'' داتا گنج بخش'' لاہور میں بارہویں صدی میں جم چکے تھے اور تبلیغ اسلام اور اشاعت تصوف میں مصروف تھے۔ سالار مسعود غازی بھی محمود غزنوی کے دور میں بہرائچ آچکے تھے ۔ روشن علی عبد الرحمٰن درویش اجمیر میں اور حمیدالدین ریحانی ناگور میں اسی دور میں وارد ہوئے۔قنوج اجمیر ، ناگور وغیرہ میں مشہور بزرگوں اور صوفیائے کرام کی آمد سے مسلمانوں کی مختصر تعداد کے حوالے جات ملتے ہیں۔

۴۔ چشتیہ سلسلہ کی مختصر تاریخ:

لیکن سرزمین ہند میں جن سلاسل کو مقبولیت اور عوام کی محبت حاصل ہوئی وہ چشتیہ/قادریہ /سہروردیہ/نقشبندیہ سلاسل تھے ان میں بھی اول الذکر چشتیہ سلسلہ سرزمین ہند میں اس طرح پیوست ہوگیا کہ اس کی شاخوں نے نہ صرف ساری سرزمین ہند کو اپنی چھتر چھاؤں میں لے لیا اس طرح نہ صرف جنوبی ایشیا میں بلکہ اسکے باہر موجودہ یوروپ وامریکہ اوروسطی ایشیا میں بھی اسکے پیروکاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی گئی اور آج بھی موجود ہے۔

علامہ ابو الفضل نے سرزمین ہند میں مجملہ ۱۴/سلاسل صوفیہ کی نشاندہی کی ہے جس میں مشہور چار سلسلوں کا تذکرہ ہوچکا ہے باقی سلاسل یا تو اس سلاسل کی شاخیں تھیں یا پھر بعد کی پیداوار ہیں، اس میں شطاریہ/قلندریہ/مداریہ/فردوسیہ وغیرہ اہم ہیں۔

سلسلہ چشتیہ کے سرزمین ہند میں پیغامبر شیخ الشیوخ خواجہ خواجگان حضرت سید معین الدین حسن چشتی کی ذات والاتھی چشت دراصل موجود افغانستان میں دریائے ہری رد پر ہرات سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر موجود ہے جس کو'' خواجگان چشت'' کے نام سے تاریخ میں پکارا جاتا تھا اور آجکل'' عسقلان'' کہا جاتا ہے ۔ یہاں دسویں اور گیارہویں صدی میں اس سلسلہ کے چھ بزرگوں نے قیام کے اور سلسلہ کی اس علاقے میں آبیاری کی۔تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت خواجہ حسن بصری /عبد الواحد زید/فضیل بن عیاض /ابراہیم بن ادہم بلخی حذیفہ مرعشی بوہیرہ بصری/ممشاد دینوری/تک یہ سلسلہ چشتی کے نام سے موسوم نہیں تھا۔ ان میں صرف حضرت ابراہیم بن

ادہم علاقہ بلخ (Balkh) کے رہنے والے تھے ، باقی سب دنیائے عرب کے مشہور ومعروف بزرگ وصوفیائے کرام تھے ر جب ابو اسحٰق شامی حضرت خواجہ ممشاد دینوی خلفیہ مقرر ہوئے اور ان کو پیر نے ابو اسحٰق شامی کے بجائے ابو اسحٰق ''چشتی'' کا لقب عطا کرکے ''چشت'' کے گردونواح میں دسویں صدی ہجری سلسلہ کی اشاعت کے لئے بھیجا اس طرح چشتی سلسلہ بمقام دیگر سلاسل کے قدیم ترین ہوا اور یہ اول بزرگ ''چشتی'' سلسلہ کے تھے جو چشت میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ علاقہ بدھ مذہب کا پیرو کا رتھا مگر اس زمانہ میں یہ علاقہ ملامتیہ رعیسیو یہ وغیرہ سلاسل کے زیر اثر ہونا شروع ہوگیا تھا۔

بہر حال حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی نے اس مقام کو اپنا مرکز بنایا اور حضرت خواجہ ابو ابدال احمدؒ کو خلیفہ بنا کر آپ واپس بلادِ اسلامیہ کی طرف چلے گئے ۔خواجہ ابدال احمد کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت خواجہ ابو محمد ر حضرت ابو یوسف چشتی اور ر حضرت خواجہ مودود چشتی نے اس مقام سے چشتی سلسلہ کو فروغ دیا اور اس کی نشونما کی۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کے خلیفہ حضرت خواجہ شریف زندانی (زندان ر ایران) نے اس سلسلہ کو پھر ایران میں مقبول کیا۔ ان کے جانشین وخلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی (نیشاپوری) واسطی نے بھی اس کی اشاعت وترویج اسی علاقے میں کی۔ آخر میں ان کے نامور خلیفہ حضرت سید نا خواجہ معین الدین حسن چشتی نے ایک مرتبہ اس قدیم وعظیم سلسلہ کو اس علاقہ اور سرزمین ہند میں پہنچایا اور اس کامیابی سے اس کی اس دیار ہند میں سینچائی کی کہ یہ سلسلہ گذشتہ ۸ سو سال سے اس سرزمین میں پھل پھول رہا ہے اور اپنی فیوض وبرکات سے اس دیار کے لوگوں کو مالا مال کر رہا ہے۔

کیا تھا ہند کو تاریک جب باطل پرستی نے اجالا کر دیا آکر معین الدین چشتی نے

خلاصہ یہ ہے کہ اس علاقے میں پیران وبزرگان سلسلہ چشتیہ کے پیشواؤں کی مضبوط پکڑ حضرت ابراہیم بن رہم ملخی سے تھی اور خواجہ مودو چشتی کے بعد پھر یہ سلسلہ واپس بلاد اسلامیہ کی طرف لوٹا تو خواجہ معین الدین حسن چشتی نے پھر اس کو ہند میں لاکر یہاں کے لوگوں میں اتنا سمو دیا کہ وہ مقامی سلسلہ ہو کر پھیل گیا اور قبول ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت وذات ہند کے عوام کے لئے ایک بہت بڑی نعمت الٰہی کا درجہ رکھتی ہے۔

پانی جنم جنم کا دامن میں لئے چھپالیا
رحمت خدا کی لایا ہر یالہ بنالیا

۵۔ سلطان ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مختصر حالات زندگی:

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زندگی کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں ۔موجودہ تاریخی مواد کی بناء پر مختصر اور اجمالاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیدائش اک نامورعزت دار سید خاندان میں بمقام سنجر(Sanjar)میں ہوئی جہاں حالات کی خرابی کے بعد آپ کی والدہ اور آپ کے والد سیدغوث الدین نے ترک وطن کر کے خراسان میں بودوباش اختیار کی۔حضرت خواجہ کا اصل نام حسن ہے بچپن میں یتیمی کا داغ آپ کو نصیب ہوا۔ اوائل عمر میں حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب (Qanduzi) سے ملاقات کے بعد آپ کی زندگی میں ایک تغیر پیدا ہوا اور جملہ علائق دنیا کو راہ خدا میں لٹا کر آپ تحصیل علم اور تلاش حق میں نکل پڑے۔سمرقند بخارا/ اور دیگر اسلامی مراکز پر دینوی تعلیمات سے روشناس ہوکر بالآخر بغداد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہو کر خادم شیخ ہو گئے۔

سالہا سال خدمت پیر کر کے تربیت وآداب واخلاق سے نوازے گئے اور آخر ہمراہ پیر زیارت حرمین شریف کے بعد بحکم نبی کریمؐ ہند کی آمد کی تیاری کر لی۔ رخصت ہو کرتبریز /ہمدان / استر آباد/مہنہ//خرقان /چشت/ہرات/سبزوار/غزنی وغیرہ ہوتے ہوئے لاہورتشریف لائے۔ دوران سفر جملہ ہمعصر بزرگان دین سے ملاقاتیں کیں اور فیوض وبرکات کالین دین ہوا اور ان بزرگان دین اولیاء کرام کے مزارات پر بھی حاضری دے کر فیض حاصل کیا۔ جو دنیا سے پردہ لے چکے تھے۔ راہ میں لاتعداد لوگوں کی اصلاح کی اور صراط مستقیم پر قائم کیا اور اپنی غلامی سے نوازا۔ اکثر وبیشتر قبرستان میں قیام کرتے تھے جوعموماً شہر سے باہر ہوتا تھا اور جب زیادہ شہرت ہوتی اس مقام سے کوچ کرجاتے تھے ۔ لاہور میں شیخ علی ہجویری کے مزار پر معتکف رہے اور چلہ کیا اور جو کچھ صاحب مزار سے مل سکتا تھا حاصل کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقص آں پیر کامل ۔کامل آں رہنما

سرزمین ہند اس وقت سیاسی /سماجی/ثقافتی/اعتبار سے اپنے تاریخ کے نازک ترین دور سے گذرر رہا تھا۔ اہل ریاست اور والیان حکومت آپسی رنجشیں جھگڑےلڑائیاں اس پرمحمود غزنوی کے متواتر حملوں نے تمام نظام سلطنت اور والیان سلطنت کوتتر بتر اور پارہ پارہ کردیا تھا۔ خانہ جنگی کا سا عالم تھا۔ سماجی طور پر چھوا چھوت۔ اونچ نیچ/ ذات برادری۔ غلامی /جیسی مہلک بیماریاں موجود تھیں ۔محمود

غزنوی کے بنام اسلام مگر در اصل بغرض زرو سیم اور حکومت کے متواتر کامیاب حملوں نے یہاں کی عوام اور اہل حکومت کو منفر اسلام کر رہا تھا اور جذبۂ نفرت کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دلوں میں بھر دیا تھا۔

ایسے ماحول میں حضرت خواجہ اجمیری کا اس سرزمین میں قدم رکھنا اور سونے پر سہاگہ کے دار الخلافہ حکومت چوہان ''اجمیر القدس'' میں قیام پذیر ہونا جو اک مذہبی مرکز بھی تھا، ان کے عزائم روحانیت کی دلیل ہے رائے پتھورا جو عرف عام میں پرتھوی راج کے نام سے جانا جاتا ہے، اسکی دور حکومت میں راجدھانی اجمیر میں آپ کا نزول ۱۱۹۰ کے قبل یا قریب ہوا۔

یہاں بیٹھ کر آپ نے جن نامساعد حالات میں خندہ پیشانی سے عوام میں اسلام اور تصوف وچشتیہ سلسلہ کی تبلیغ کی اس کا سوچنا بھی محال ہے۔ تقریباً ۴۰ سال سے زائد اس نائب الرسول اللہ فی الہند نے عوام کو یہ پیغام دیا کے درحقیقت اسلام وہ نہیں جو حملہ آور سلاطین وبادشاہوں نے بتایا بلکہ حقیقی اسلام وتصوف یہ ہے کہ جو ہم تم کو بتاتے ہیں کہ اعلیٰ ترین طاعت یہ کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، فریاد کرنے والوں کی مدد کی جائے اور پریشان حال کی پریشانیوں کا ازالہ کیا جائے۔''

اور یہ کہ وہ شخص کامل صوفی اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک اس میں ''سورج کی سی شفقت دریا کی سی سخاوت او زمین کی سی تواضع نہ ہو'' انہیں خدمت خلق کے جذبات سے حضرت شیخ معین الدین چشتی نے اجمیر کو اپنا مرکز بنا کر تبلیغ اسلام اور اشاعت چشتیہ مسلک کی ان کی ہند میں آمد ایک خاموش سماجی مگر زبردست سماجی اور روحانی انقلاب کے بانی ہوئی۔

حضرت خواجہ اجمیری نے اجمیر میں شادی کی اور ایک شادی مقامی خاندان میں کی۔ آپ کے اولاد بھی ہوئی۔ اس طرح سرزمین ہند کو خواجہ نے اپنا وطن بنا کر زندگی گذاردی اور بعمر ۹۷رسال ۱۲۳۵ء میں وصال فرمایا۔ آپ کے اجل خلفاء میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمید الدین ناگوری سوالی نے بالترتیب دہلی او ناگور کو اپنا مستقر الخلافہ بنایا۔ حضرت خواجہ کے فرزند اکبر سید فخر الدین سردار مانڈل خاندن اور پوتے شیخ حسام الدین سانبھر (چوہانوں کا اصل مرکز) میں آباد ہوئے اور سلسلہ کو بڑھایا۔ حضرت خواجہ کے بعد وصال آپ کی اولاد مسلک ودین کی اشاعت وتبلیغ کے لئے چودھویں صدی کے اوائل میں گجرات اور مانڈو (مالوہ) کی حکومتیں میں جابسے او روہاں سے مزید دکھن کی طرف بھی چلے گئے۔ اور پھر اجمیر نہ لوٹے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کے دوسرے خلفاء ہندوستان میں مختلف مقامات پر گئے اور تیرھویں صدی میں ہی سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان کے عوام سے روشناس کرایا۔ ایک خلیفہ وعمراو برادر طریقت اور خادم خاص حضرت خواجہ سید فخر الدین علی احمد گردیزی کو آپ نے اپنے پاس رکھا اور خانقاہ ولنگر کا انتظام سپرد کیا انہی بزرگ کی اولاد جو خدام سیدزادگان کے نام سے مشہور آج تک صدیوں ونسل در نسل آستانہ ودرگاہ خواجہؒ پر وہی رسومات اور خدمات کو انجام دے رہی ہے، جو ان کے جد کرتے تھے اور زائرین کے وکیل کی حیثیت سے ان کی رہبری ودعا گوئی میں مصروف ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا دہلی میں قیام اک مقصد کے تحت تھا ۔ شہاب الدین غوری کی فتح ہند کے بعد دار الخلافہ اجمیر سے منتقل ہو کر دہلی ہوگیا وہاں ایک جید خلیفہ کی ضرورت تھی ۔لیکن قطب صاحب کے جلد ہی وصال نے حضرت شیخ بابا فرید الدین گنج شکر کو اس سلسلہ کی خلافت پر بٹھادیا۔بابا صاحب نے دہلی سے سلسلہ کا مرکز اجودھن پاک ٹین بنایا جس سے یہ سلسلہ اب شہری سے دیہی علاقوں کی طرف پھیلنے لگا۔

پنجاب کے لاتعداد دیہی علاقوں میں بابا فرید اور ان کے خلفاء ومریدین کی بدولت لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایسے ہی جیسے شیخ معین الدین اجمیری کے زمانے میں راجپوتانہ/میوات/ دکھن/لکھنوتی وبدایونی وغیرہ میں ہوا۔ بابا فرید کے ۱۲۶۵ میں وصال کے بعد سلسلہ کی خلافت وتبرکات (کلاہ اعصا۔جامہ ۔سجادہ نعلین وغیر) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی کے حصہ میں آئے۔حضرت کا وطن بدایوں تھا، سادت تھے مگر خانقاہ فرید یہ میں بیعت کے بعد تربیت حاصل کی اور بحکم پیر دہلی کو پھر بسایا۔ اب سلسلہ چشتیہ کا مرکز ۳۰ سال بعد پھر دارالخلافہ میں آ گیا۔ اور یہ اس سلسلہ کے لئے سب سے زیادہ خوش آئند ثابت ہوا۔حضرت نظام الدین اولیاء نے شفقت وبیعت کا دروازہ عام کردیا اور اس سلسلہ کو اس کے معراج کمال تک پہنچادیا کہ حضرت زیر نگیں یہ سلسلہ دوسرے سلاسل خاص کر سہروری پر سبقت لے گیا۔ اور سرزمین ہند میں مقبول ترین طریقہ ہوگیا۔

حضرت محبوب الٰہی نے اپنے زمانہ میں ہی دکھن/میوات/ بنگال/ مالوہ/ گجرات/ وغیرہ میں اپنے ممتاز اور اجل خلفاء کو بھیج کر حضرت خواجہ اجمیری کے اس مشن کو مستحکم کیا جو انہوں نے اپنے زمانہ میں اپنے خلفاء کے ذریعہ ان علاقوں تک پہنچادیا تھا۔

بابا فرید کے ایک اور مشہور خلیفہ حضرت شیخ علاء الدین صابر نے چشتیہ سلسلہ کی ایک شاخ،

صابری سلسلہ، کی بنیاد ڈالی جس نے پانی پت ر روڈ کی کلیر ر ردولی ودیگر پنجاب ویوپی کے علاقوں میں اس سلسلہ کو فروغ دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کو بحکم اپنے پیر دہلی میں رہنا پڑا اور کافی مشکلات واذیت کا سامنا کرتے ہوئے اس سلسلہ کی مرکزی حیثیت کو سنبھالنا پڑا۔ سلاطین دہلی سے ان کے اور ان کے پیر حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کے تعلقات کچھ اچھے وخوشگوار نہیں رہے خاص کر چراغ دہلی کو بہت صعوبتوں کو جھیلنا پڑا۔ محمد بن تغلق جیسے ضدی جامع الاضدادا اور جابر بادشاہ سے حضرت چراغ دہلوی کو تکالیف ملتی رہی مگر آپ نے مردمجاہد کی طرح تمام حالات کا صبر ورضائے مقابلہ کیا اور ہمت واستقلال وعزت آبرو کے ساتھ سلسلہ کی نگہبانی کی۔ حضرت امیر خسرو بھی اس عظیم بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفۂ خاص میں تھے۔ چونکہ دربار سے تعلق تھا اسی لیے خلافت عظمیٰ نہ مل سکی مگر ہندوستانی ملی جلی گنگا جمنی تہذیب کا ایک مینارہ تھے۔ ان کی شاعری ہندوی میں ان کی عظمت کا ثبوت ہے۔ بہر کیف ۱۳۵۱ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کی مرکزی نظام کی حیثیت اسی طرح ختم ہوگئی جس طرح تیموری حملہ کے بعد ۱۴۰۰ء میں سلطنت دہلی کی مرکزی وکلیدی حیثیت سمٹ گئی۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ چشتیہ سلسلہ کے بڑے بڑے بزرگ دوسرے علاقوں اور صوبوں میں جابسیں اور ایک آزادانہ حیثیت سے وہاں سلسلہ کا نظم ونسق سنبھالیں اس آزادنہ حیثیت کے یہ معنی نہیں تھے کہ انہوں نے اپنے پیروں سے قطع تعلق کرلیا ہو بلکہ انہی پیران عظام کے آستانوں سے خاص کر خواجہ اجمیری کہ قطب صاحب بابا فرید نظام الدین اولیاء کے درگاہوں سے وہی رشتہ رکھا جو پیروں سے تھا لیکن ایک مرکزی پیر ہم عصر (Centrel Figure) کے سلسلہ کو بحالت مجبوری منقطع کیا۔

اسی وجہ سے گلبرکہ ردکھن میں پینیڈ بنگال میں پٹن، احمد آباد گجرات میں کہ جونپور وکالپی مشرق میں خلجیون کے مالوہ مائڈو میں چشتی بزرگوں اور خانقاہوں کا ایک سیلاب سارواں ہوگیا، جس نے عوام کی تشنگی دور کی اور اپنے افکار عادات وخوارق میں سب کو بہالے گیا۔ ہندرہویں صدی اور سولہویں صدی کے وسط تک ان بزرگوں نے ''ہرجا'' چشتیت کا وہ علم بلند کیا جس کے زیر سایہ حکمراں اپنی حکومتیں، امراء اپنی امارتیں اورعوام اپنے دکھ درد کا درماں وحل تلاش کرتے نظر آئے۔

یہ اجمیر شریف کی خانقاہ ودرگاہ کا اثر تھا کہ اکبر اعظم جیسا مہابلی اور طاقتور شہنشاہ ''صلح

کل'' کے مسلک پر گامزن نظر آتا ہے۔ مغلوں میں ظہیر الدین بابر/اکبر/ جہانگیر کا آستانوں خانقاہوں سے نسبت وتعلق سیاسی واتفاقی نہیں جذباتی روحانی اورعقیدت مندی پر مبنی تھا گو اس سے قبل شمس الدین التتمش / علاء الدین خلجی /محمد بن لودھی/ جیسے نامور سلاطین دہلی ، منظر شاہ / احمد شاہ بہادر شاہ / جیسے والیان گجرات محمود خلجی /غیاث الدین خلجی / جیسے حکمراں مالوہ اور مقامی راجپوت غیر مسلم راجاؤں نے ان چشتی بزرگان دین کے آستانوں پر بالخصوص اجمیر شریف کی درگاہ میں سر عقیدت خم کیا مگر مغلوں کے احترام وعقیدت اور روحانی تعلق ان آستانوں اور درگاہوں سے ایک بے مثال اور نادر جذبہ تھا۔ اکبر اعظم کو اپنی ہر فتح ہر اولاد کے پس منظر میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کی روحانی مدد کا یقین کامل تھا۔ جہانگیر ودیگر اولاد کی پیدائش ان کی ہی مرہون منت تھی۔ شاہ جہاں /دارا شکوہ اور جہاں آرا کی حضرت خواجہ اجمیری سے نسبت اورعقیدت ان کے تذکروں سے عیاں ہیں گو کے آخر الذکر دونوں لوگ یعنی دارا شکوہ اور جہاں آرا قادریہ سلسلہ میں میاں میر سے بیعت تھے مگر چشتیت کا رنگ ان پر آخر تک غالب رہا۔

اورنگ زیب گو کہ نقشبندی حضرت وبزرگان سے قریب تھا مگر حضرت خواجہ اجمیری کی بارگاہ میں بوقت حاضری عقیدت قوالی کی محفل میں مسکراتا ہوا خاموشی سے چلا گیا۔ بہادر شاہ بن اورنگ زیب آخری مغل حکمراں تھا جس نے اجمیر القدس میں حاضری دی۔ مگر شاہان مغلیہ کا تعلق اس آستانہ سے بہادرشاہ ظفر تک قائم رہا۔

مغلوں کے زوال کے بعد مراٹھوں راجپوتوں نے بھی اس سلسلہ کے عظیم مرکز اجمیر القدس سے جذباتی اور روحانی لگاؤ رکھا ۔ گوکہ سترہویں صدی میں اس سلسلہ کا زور دہلی اور اس کے اطراف میں شمالی ہند میں نمایاں نظر نہیں آیا بلکہ قادری نقشبندی بزرگان نے زمانہ وحالات پر اپنی چھاپ بیٹھائی، مگر ۱۸ویں صدی کے شروع میں چشتی سلسلہ پھر عروج پر آنا شروع ہوا۔ شاہ محبّ اللہ الہ آبادی نے سترھویں صدی میں اپنی تصانیف سے اورعلمیت سے اس سلسلہ کی عظمت کو برقرار رکھا مگر ان کے بعد شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی، شیخ نظام الدین اورنگ آبادی اور ان کے جانشین محبّ الٰہی مولانا فخرالدین دہلوی نے اس سلسلہ کے نشاۃ ثانیہ کی رہبری کی۔ مولانا فخرالدین دہلوی کے ۳ جل خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی (پنجاب)، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی (شمالی ہند)، اور شیخ نجم الدین جھنجھنوی (راجستھان) نے چشتیہ سلسلہ کو دوبارہ ابھارا۔ اور اس مقام پر لانے کی سعی وکوشش کی جس پر

۱۴/ ۱۳ صدی میں یہ سلسلہ تھا۔

مولانا فخرالدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہم عصر تھے اور حقیقتاً اس نشاۃ ثانیہ کے عظیم علمبردار تھے۔ ان کے خلفاء ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئے اور سلسلہ کو دوبارہ زندہ کیا۔ آخری مغل تاجدار اس کے فرزند وامراء میں اکثر وبیشتر مولانا کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔

اس طرح حقیقتاً ایک مرتبہ پھر یہ سلسلہ اپنی آب وتاب کے ساتھ عوام کے سامنے تھا اور ہندوستانی عوام نے پھر اسی والہانہ جذباتی اور عقیدت مندانہ انداز سے اس کو اپنایا اور اس سے سلسلہ سے خود کو پیوست کردیا اور فیض پایا۔ در اصل چشتیہ سلسلہ کی عوام میں مقبولیت اس سلسلہ کی وہ اہم خصوصیات تھیں جو دوسرے سلاسل کے مقابلہ منفرد تھیں اور عوام کے لئے قابل قبول تھیں۔

سب سے اول اس سلسلہ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کے اس کے اکابر بزرگ سلاطین وامراء سے دوری رکھنے کے قائل تھے۔ بہت گہرا لگاؤ کبھی ان بزرگوں کا والیان حکومت سے نہیں رہا۔ اسی لیے اس سلسلہ کے بزرگ سرکاری نوکری کے خلاف تھے۔ اور اسی پس منظر میں وہ جاگیر کے عطیہ اور شاہی نذرانوں سے گریز کرتے تھے اور حتی الامکان قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کا نظریۂ تھا کے حکومت سے تعلق وواسطہ سرکاری نوکری وجاگیرات معافی وغیرہ روحانی منازل کی ترقی کرنے میں رکاوٹیں بنتی ہیں۔ اور ایک صاف وستھری وپاکیزہ زندگی میں دخل انداز ہوتی ہیں۔ در اصل یہ فلسفہ چشتیوں کا نیا نہیں تھا۔ دور اول کے صوفیاء کرام اور بزرگان دین نے خلفاء بنی امیہ وعباسیہ سے خود کو دور رکھا۔ امام غزالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار اقدس پر قسم کھائی تھی کہ وہ سلاطین وامراء کی صحبت سے دور رہیں گے در اصل تاریخ ہند کے دور میں جب مسلم سلاطین اپنی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں مصروف تھے اور ہر جائز وناجائز طریقوں سے استحکام سلطنت میں لگے تھے ان سے دوری اور لاتعلقی عوام میں ان بزرگوں کی اہمیت اور عظمت کو بڑھاتی تھی اور حکمرانوں کے ان کارناموں سے بے نیازی ثابت کرنے میں معاون تھی، جن سے عوام میں ان حکمرانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی تھی۔ ان کی حکومت میں نوکری چاکری ان صوفیائے کرام کی آزادی کو سلب کرتی تھی اور والیان حکومت کی ہر صحیح وغلط حرکات بھی جائز قرار دیتی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے ان حضرات نے سرکاری نوکریوں کو آخیر باد کیا اور اسی پس منظر میں عطیات جاگیرات کو بھی ناقابل قبول کیا کہ اس سے حکومت کے زیر اثر دباؤ میں رہنا پڑتا تھا، اور پھر یہ کے لقمۂ حلال وحرام کا مسئلہ تھا۔ حیرت کی بات

ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے اکابر صوفیائے کرام اور ان کے ممتاز خلفاء وسجادہ نشین بزرگوں نے اس پر سختی سے عمل کیا مگر انہیں زبرگان چشتیہ کی اپنی اولادوں نے جو ان کے بعد ان کے مزار ودرگاہ کے متولی وسجادے مجاور رخدامین ہوئے، سرکاری وفاتر سے جاگیرات وعطیات کو وصول کیا اور اپنے بزرگوں کے آستانوں ودرگاہوں کو جاگیرات و زمینداری کا مرکز بنادیا، گوکچھ مقامات پر بحالت مجبوری اس کو اپنایا گیا مگر دور مغلیہ تک یہ اک عام رواج بن گیا تھا۔

سلسلہ چشتیہ کی دوسری خصوصیت ہندوستانی ماحول میں یہاں کے عوام کے جذبات کو مدنظر رکھ کر کئی طریقوں کو اپنانے کا معاملہ ہے۔ حضرت خواجہ اجمیری نے ہندؤں کے مذہبی جذبات کو ذہن میں رکھ کر تلقین کی کہ مادہ گائے اور دیگر جانور کو بلاعذر ذبح نہ کیا جائے ،نہ جلایا جائے ۔ان کے عظیم خلیفہ صوفی شیخ حمید الدین سوالی ناگوری نے اپنے علاقہ کے جینی اور بشنوئی عوام کے جذبات کو مدنظر رکھ کر خود کے لئے گوشت خوری مکمل طور پر ختم ہی نہیں کی بلکہ وصیت کی کہ ان کی فاتحہ وایصال ثواب پر بھی گوشت نہ دیا جائے، بلکہ سبزی مٹھائی وغیرہ پیش کی جائے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنی خانقاہوں میں جوگیوں کو خوش آمدید کہا اور ان سے مختلف معاملات پر گفتگو کی۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا اپنے چہیتے مرید امیر خسرو کا یہ مشہور،مصرعہ ہی ان کا وطیرہ تھا،

''ہر قوم وملت را دین قبلہ گاہ''جوان کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی عوام کے جذبات ، خیالات وافکار کو ذہن میں رکھ کر چشتی بزرگوں نے اپنے فعل وکردار میں ان چیزوں کو روا رکھا جن سے عام لوگ متاثر ہوں اور دین وسلسلہ کی تبلیغ ہو۔ اس ضمن میں تیسری خصوصیت قوالی رسماع کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ ہندوستان میں عبادت کے طریقوں میں ایک طریقہ کیرتن یا گابجا کر دیوی دیوتاؤں کی تعریف کرنا تھا۔ اسی پس منظر کے تحت ان چشتی بزرگوں نے ،جو وقت کے سب سے بڑے نباض تھے، قوالی کو فروغ دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوالی ہند میں ہی شروع ہوئی۔ قوالی کا سلسلہ ایران وتوران سے شروع تھا مگر اس کو سرزمین ہند میں چشتیوں نے زبردست فروغ دیا اور یہ سلسلہ عوام میں رچ بس گیا۔ دوسرے سلاسل خاص کر قادریہ رنقشبندیہ ۳ سہروردیہ اس کے شائق نہیں تھے اور نہ اس اہمیت کو سمجھ پائے گو کہ ان کی بھی اکثر خانقاہوں میں اور اکثر بزرگوں نے قوالی کو سنا اور اس کا رواج رکھا مگر قوالی رسماع کے اس

رواج کو چشتیوں نے جتنی اہمیت وفوقیت دی، وہ ان کو دوسرے سلاسل پر عوام میں فوقیت دے گئی ۔ سماع اس وقت عوام کے میڈیا کی حیثیت رکھتا تھا۔

اس سلسلہ کی چوتھی ایک اور خوبی یہ تھی کہ چشتی بزرگوں کی خانقاہوں میں عوام کے لئے حاضری بلا مذہب ذات پات کے تھی۔ یہ ایک ایسا اعلان عام تھا جس نے دکھ درد کے مارے بلاتفریق حسب ونسب ومذہب لوگوں کو ان کی جانب دوڑایا۔لنگر (مفت کھانا) بھی ان خانقاہوں میں غرباء ومساکین اور سماج کے ان طبقوں کے لئے باعث رحمت تھا جو مفلسی وناداری کی وجہ سے تنگ دست تھے ۔مزے کی بات یہ ہے کہ لنگر میں وہ اشیاء پکائی جاتی تھیں جو سب کے قابل قبول ہوں۔ آج بھی حضرت خواجہ اجمیری کی درگاہ میں صبح وشام جو لنگر تقسیم ہوتا ہے وہ صرف ''جو کا دلیا'' ہوتا ہے نمکین اور کبھی میٹھا مشہور دیگ میں زعفرانی زردہ ''کیسریا بھات'' بنتا ہے۔عوام کے اس افلاس وتنگدستی کے مارے لوگوں کا حضرت نظام الدین اولیاء کے دل میں کتنا درد تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ رمضان شریف میں محبوب الٰہی کے خادم نے سحری میں کچھ کھانا زیادہ حضرت کے سامنے اس خیال سے رکھا کہ افطار بھی آپ نے بہت کم کیا تھا۔حضرت نے پھر تھوڑا سا کھا کر واپس کیا۔ اس پر خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے افطار بھی برائے نام کیا اور سحری میں بھی معمولی تناول فرمایا۔ اس سے نقاہت بڑھے گی۔آپ نے فرمایا کہ دہلی میں نہ معلوم کتنے لوگ بھوکے سوئے ہیں اور کتنوں کو پیٹ بھر کھانا نصیب ہوا ہوگا۔ ایسے میں کیسے شکم سیر ہو کھا سکتا ہوں۔ یہ تھا وہ درد اور کسک جس نے ان بزرگوں کو اللہ کے نزدیک کیا اور عوام کا محبوب بنایا۔

اس سلسلے کی پانچویں خصوصیت ان بزرگان دین کی خانقاہوں اور درگاہوں میں بھی کچھ ایسے رسم ورواج شامل کیے گئے ہیں یا ہوگئے جو ملی جلی تہذیب کا پتہ دیتے ہیں۔''بسنت'' کا تہوار اجمیر کی درگاہ ر شاہ ترکمان رمحبوب الٰہی کی درگاہوں پر بڑے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ اس طرح ہندو مسلم یکجہتی وبے مثال نمونے ہیں دیوالی پر درگاہوں میں چراغاں اور ہولی پر گلال کا پیش کرنا۔

مزارات میں صندل پوچی روشنی ناریل کا پھوڑا جانا۔ روشنی کی رسم بلا گوشت کے لنگر یہ سب اس چشتیہ سلسلہ کی خصوصیات ہیں جو ہندوستانی عوام کے جذبات وعقیدت کو ذہن میں رکھ کر کئے گئے اور جن کے اثرات ہندوستانی سماج اور ثقافت پر نمایاں نظر آئے ہیں اور فرقہ وارانہ یکجہتی وہم آہنگی کی

نظیر ہیں جس کی آج کے اس پر آشوب دور میں زیادہ اہمیت وافادیت اور ضرورت ہے۔

دوسری طرف ان چشتی صوفیائے کرام کی خانقاہیں جو شروع میں ''جماعت خانہ'' کہلاتی تھیں، تعلیم وتربیت کا اک زبردست مرکز ہوا کرتی تھیں، رواداری اور فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ ان خانقاہوں میں سہروردی سلسلہ کے جید بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کی شہرہ افاق تصنیف ''عوارف المعارف'' کادرس عام تھا۔ ہند میں چشتی حضرات نے تصانیف پر کم زیاور دیا اور کردار سازی پر زیادہ۔ اسی لیے اپنے مدارس وخانقاہوں میں دوسرے سلاسل کے بزرگوں کی تصنیفات کو رکھا۔ ادھر ملفوظات کا ذخیرہ بھی جمع ہونا شروع ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لیکر آج تک کے چشتی بزرگوں کے ملفوظات کا ذخیرہ موجود ودستیاب ہے، اس میں واقعات وحالات مشائخ ان کے نصیحت آمیز ارشادات عوام مریدین اور طالبان کے لئے مشعل راہ ہیں، محبت رحلم ررواداری رفراخ دلی ر احترام عقائد وجذبات ردرد مندی رعوام پروری ،غرباء دوستی ، والیان قوم اور حکومت سے بے نیازی کے رویہ وروش نے چشتیہ کو دوسرے سلاسل کے مقابل سرزمین ہند میں زیادہ فروغ دیا اور مقبول بنایا۔ ان کے مشائخ نے روز اول ہی سے خود کو زیادہ ہندوستانیت کی طرف موڑا۔ یہاں کے رسم ورواج ،تہذیب وتمدن اور زبان کو جلد اور زیادہ اپنایا اور اس ے خود کو ہم آہنگ کیا، اسی وجہ سے وہ اس ملک میں ممتاز اور سرفراز ہے اور ایسے سماج کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہوئے جو مذہب وملت، ذات پات، اونچ نیچ کی تفریق سے بَری تھا۔

۷۔ دیگر سلاسل : سہروردی وقادری:

چشتیہ سلسلہ کے برعکس سہروردیہ جو اسی دور میں ہند میں وارد ہوا مگرم مقبول ہوا۔ ہند میں بانی سلسلہ شیخ بہاؤ الدین زکریاملتانی (حضرت شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ کے بغداد میں ہم عصر) خواجہ صاحبؒ کے خلیفہ تھے، انہوں نے ملتان کو اپنا مرکز بنا کر اسکے گردونواح اور کشمیر وغیرہ میں اس سلسلہ کوفروغ دیا۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا اپنے سلسلہ کی روایات کے مطابق امراء وسلاطین سے میل جول کے قائل تھے۔ سرکاری نوکری اور عطیات وجاگیر جائز سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کے حکمران وقت کے ساتھ میل جول وتعلقات رکھنے کی وجہ سے ان کو دینی معاملات اور حکومت کے معاملات میں صحیح مشورہ

دیا جاسکتا ہے، راہ راست پر گامزن رکھا جاسکتا ہے اور بات منوائی جاسکتی ہے ۔ مال ودولت کی موجودگی بھی بوقت ضرورت لوگوں کی مدد کا باعث ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ اس سلسلہ کے بزرگوں کی ''اجارہ داری'' بن کر رہ گیا تھا۔

یہ لوگ سماع کے مقابلہ ذکر کے زیادہ قائل تھے۔ ملاقات عوام کے معاملہ میں سخت تھے شریعت کے معاملات میں از حدسخت تھے۔ اسی بناپر غیر مسلموں کے ساتھ ربط وضبط کے سلسلہ میں ''فراخ دل'' نہیں تھے، حالانکہ قاضی حمید الدین ناگوری اسی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ نے ''قوالی وسماع'' کے سلسلہ میں دہلی میں حکمراں وقت سے ٹکرلی۔ ان کا رسالہ ''اصول السماع'' در اصل سماع کی اہمیت وافادیت پر ہے۔ ان کا یہ نظریہ در اصل ان کی حضرت قطب صاحب خلیفہ حضرت خواجہ اجمیری سے بے پناہ صحبت، عقیدت ولگاؤ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی ان کی اولاد اور دیگر خلفاء بھی سرکاری نوکریوں اور جاگیر ومال کے قائل رہے۔'' عوام سے دور رہ کر خواص سے رابطہ رکھا اور ہندوستانی معاشرہ کی دوسری رسم ورواج سے گریز کیا نتیجتاً یہ سلسلہ چشتی سلسلہ کے مقابلہ کم مقبول ہوا گوکہ اس کی آمد ہند چشتیوں کے ساتھ ہی ہوئی۔

قادریہ سلسلہ عبد القادر جیلانی کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں کافی دیر سے پہنچا۔اس کے اولین بزرگوں میں شاہ نعمت اللہ قادری دکھن میں آئے۔اس کے بعد اُچہ(Ucha) میں عبد القادر ثانی کے زیر اثر اس کا مرکز بنا۔ اس سلسلہ کے اکثر افکار ونظریات سہروردی سلسلہ سے ملتے ہیں۔ ذکر کو سماع کے مقابلہ ترجیح اس سلسلہ میں بھی دیجاتی تھی۔ لیکن سہروردی کے سلسلہ کے مقالہ سے والیان حکومت اور جاگیرعطیات کے سلسلہ میں انہوں نے اعتدال سے کام لیا، نہ سختی سے انکار، نہ خوشی سے اقرار۔ وقت وحالات کے تحت جیسا ماحول اور موقع ہوا انہوں نے ویسا ہی کیا۔

شاہجہان کے دور میں اس سلسلہ کے عظیم ترین بزرگوں میاں میر نے شہرت پائی شاہجہاں ان کا معتقد تھا۔ داراشکوہ اور شہزادی جہاں آرابیگم بھی ان سے بیعت تھے۔ اس کا زیادہ تر گڑھ پنجاب میں رہا۔ پھر کشمیر اور ٹھورا سافر نیٹر کے علاقہ میں اثر ہوا۔

نقشبندی سلسلہ خواجگان نقشبندی سے جڑا ہوا ہے۔ ہندوستانی میں اس کی آمد مغلوں کے آمد سے جڑی ہوئی ہے۔ حضرت باقی با اللہ اس سلسلہ کے مشہور ومعروف بزرگ ہوئے۔ ان کے

خلیفہ حضرت خواجہ مجدد الف ثانی ہوئے جنہوں نے اکبری دور کے اواخر اور جہانگیری دور میں ایک نمایاں کردار ادا کیا اور بے راہ روی لامذہبیت کفر والحاد کے خلاف سختی سے آواز اٹھائی۔ نقشبندی حضرات بھی ذکر بالجہر کو پسند کرتے ہیں ان کا سماع کے متعلق سختی سے انکار ہے۔ حکومت سے میل جول کے سلسلہ میں کوئی سخت پابندی نہیں۔ ہاں! جاگیرات وغیرہ کے معاملہ میں بے نیاز رہتے تھے ۔ان کا سب سے زیادہ اثر اورنگ زیب عالمگیر پر نظر آتا ہے۔ شریعت کے معاملہ میں بہت ہی زیادہ احتیاط وسختی کے قائل ہیں۔ غیر مسلم اور شیعہ حضرات سے شروع میں میل جول کے خلاف رہے ۔ کشمیر افغانستان وفرنٹر کا علاقہ ان کے زیر اثر رہا۔ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کی شاخ نے ان علاقوں میں کام کیا اور لوگوں کو پابند شریعت کیا۔

دیگر مشہور ومعروف شطاریہ، فردوسیہ سلاسل کے اثرات ایک مخصوص علاقہ تک محدود ہیں۔ شطاریہ سلسلہ چشتی سلسلہ کی طرح ہندوؤں جوگیوں سے میل جول اور ان کے عبادت ریاضت کے طور پر طریقوں پر یقین کرتے تھے، خاص کر یوگا وغیرہ سے متعلق۔ اسکے بانی شیخ عبد اللہ شطار بڑے صاحب جاہ وحشمت کے بزرگ ہوئے ان کا علاقہ مالوہ گجرات وغیرہ وہا۔

فرودوسیہ سلسلہ تیرہویں صدی میں ہند آیا۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری تاج المحققین کہلاتے ہیں۔ ان گنت تصانیف ان کی موجود ہیں۔ یہ سلسلہ بھی اعتدال پسند تھا اور اس کا علاقہ زیادہ تر بہارو بنگال رہا۔ آخر الذکر دونوں سلسلہ اور سلاسل کے مقابلہ چشتی سلسلہ کے قریب نظر آتے ہیں۔ ان کی روش چشتیوں کے طورطریقوں سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔

ماحصل (خلاصہ) Conclusion

یہ ہے کہ سرزمین ہندستان رشیوں منیوں اور اوتاروں کا دیش ہے، جہاں صوفیائے کرام نے خاص کر چشتی سلسلہ کے بزرگوں نے اللہ کی وحدانیت ، رسولؐ کی عظمت ، اسلام کے ارکان اور تصوف کے زرین اصولوں کو پیش کیا، ان کی اشاعت وتبلیغ کی اور پروان چڑھایا۔ تصوف مکمل طور پر اسلامی آداب احکام واخلاق پر مبنی ہے اور خالص اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے مگر قوس قزح کی طرح اس میں دیگر رنگوں کی بھی ہلکی آمیزش ہے۔ تزکیۂ نفس/فنافی اللہ، خدمت خلق کے ذریعہ حاصل حق کا یہ منفرد پہلو صوفیائے کرام نے اجاگر کیا اور نجات کا واحد ذریعہ بنایا۔

چشتی سلسلہ کے بزرگوں نے ہندوستانی معاشرہ کے خدوخال کو سمجھتے ہوئے خود کو اس انداز میں ڈھالا اور اپنے فکر وانکار اور کردار سے یہاں کے عوام کو وہ روشنی عطا کی جو ان کے لئے نہ صرف قابل قبول تھی بلکہ باعث افتخار وناز بھی تھی۔

دوسرے سلاسل سہروردی نقشبندی قادری سلسلہ کے بزرگوں نے بھی اس دھرتی پر اپنا وجود کھڑا کیا مگر حقیقتاً سبھی چشتی طریقہ کے زیر سایہ نشو نما پاتے رہے اور ایک طرح سے باہم شیر و شکر ہوگئے۔ چشتیوں کی وسیع القلبی برادرانہ روش، صلح کل کے مشن کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوئی اور ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنے میں معاون ہوئی جس میں مذہب وملت، رنگ ونسل، اونچ نیچ ذات پات جیسی مہلک بیماریوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ حکومت قائم کرنے والے حکمرانوں سے زخم خوردہ عوام کے لئے ان بزرگوں نے مرہم کا کام کیا اور نفرت کی آندھی کو اپنے پیغام محبت اخوت سے روکا۔ یہی وجہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ اس برصغیر ہند میں ایک عظیم ترین انقلاب کے روپ میں ابھرا اور سارے علاقے میں بالخصوص جنوبی ایشیا میں اپنے زبردست اثرات آج تک قائم رکھے ہوئے ہے۔

ان بزرگان دین صوفیائے کرام کی خانقاہیں ودرگاہیں آج بھی مرکز تعلیمات کا مظہر ہیں، جہاں روحانیت، انسانیت اور آدمیت برستی ہے گوکہ زمانہ کے اعتبار سے اب مادہ پرستی بھی اور اغراض ولالچ کی چند ہلکی ہلکی جھلکیاں بھی نظر آنے لگی ہیں مگر یہ وقتی طور پر ابھرے ہیں اور سلسلہ کی مضبوط کڑیاں اس کو پنپنے نہیں دیں گی۔ آج کے اس نفرت، فرقہ واریت اور شدت پسندی کے دور میں صوفیائے کرام کی تعلیمات ہی برائیوں کا سد باب کرسکتی ہیں اور ان کا واحد علاج تصوف اور صوفی خانقاہوں اور درگاہوں میں مل سکتا ہے اور ان کا پیغام امن اور صلح کل سماج و ملک کو بچاسکتا ہے۔

☆

حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ کے احوال وآثار

سید قیصر مبین نقوی،
رٹائرڈ پرنسپل، امروہہ

امروہہ شہر، ہندوستان کی ایک مشہور تاریخی اور قدیم بستی ہے جس کا نام انبروہہ رکھا گیا۔ سب سے پہلے یہ نام ''طبقات ناصری ۶۵۸ھ مؤلفہ قاضی منہاج الدین جرجانی، متوفی ۶۶۱ھ، میں ملتا ہے۔ بقول مولف ''تاریخ واسطیہ'' صفحہ ۱۹ قدیم دستاویزات کے مطابق امروہہ اور عزیز پور دو الگ الگ جگہوں کے نام ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں قطب الدین ایبک کی فوج نے اس علاقے کو فتح کرلیا اور قدیم عمارات منہدم ومسمار ہوگئیں، البتہ ان میں سے کچھ کے نشانات دو ایک صدی بعد تک باقی رہے۔ التتمش نے اسی نو مفتوحہ علاقے کو ایک ولایت کا درجہ دیکر یہاں صدر الاسلام (قاضی) شیخ الاسلام (متولی) اور دیگر فوجی عہدے دار مقرر کردیئے۔ اول الذکر دونوں عہدے مساوی حیثیت اور برابر تنخواہ یعنی ساٹھ ہزار تنکہ کے ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام اپنے علاقے میں امور مذہبی کا محافظ، اجرائے احکام شرع کا ذمہ دار، فقراء ومساکین کے وظائف سے متعلق احکام کو جاری کرنیوالا اور خانقاہوں، مقابر اور مساجد کا نگراں ہوتا تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے امروہہ کے علاقے میں مسلمانوں کی آبادی کی شروعات محمد غوری کے عہد سے پہلے قرار دی ہے۔ مسلمانوں کی یہ مختصر آبادی عزیز پور میں تھی۔

مغل عہد کے اواخر تک امروہہ مختلف ممالک سے آنے والے بیشمار بزرگان دین جنہیں اولیائے کرام اور مشائخ بھی کہا جاتا ہے، کا مسکن بن چکا تھا۔ آج امروہہ حضرت عبد اللہ آزر بخش حضرت عبد القادر جیلانی خواجہ مودود چشتی۔ شیخ الاسلام نور الدین مبارک غزنوی۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر۔ حضرت محمود مالا مال کرمانی۔ حضرت نظام الدین احمد گنج شکر رواں۔ حضرت شمس الدین تبریزی۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری۔ قاضی جلال الدین صدیقی۔ حضرت جلال الدین حیدر گل سرخ بخاری۔ حضرت شرف الدین شاہ ولایت۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی قاضی

قیام الدین صدیقی۔ حضرت شیخ سحا الدین ۔ شیخ رکن الدین عباسی ۔ حضرت شاہ فتح اللہ شیرازی ۔ شیخ امان اللہ صدیقی۔ حضرت شاہ عضد الدین جعفری اور مزار علاؤ الدین لاری جیسے علماء مشائخ کے علاوہ سید عبد اللہ حسین المعروف سید ابو الفرح زیدی الواسطی اور سید سالار مسعودی غازی کے اخلاف کی جائے سکونت ہے۔

امروہہ میں سکونت اختیار کرنے والے خاندانوں کے اجداد میں حضرت شاہ ولایت کی منفرد اور امتیازی شان ہے، آپ کی ہی اولاد کی کثرت کی وجہ سے مورخ امروہہ نے امروہہ کو'' آغوش سادات کی ناز پروردہ بستی'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اگر چہ حضرت کے اخلاف میں ابتدائے زمانہ سے ہی علماء، فضلاء مشائخ ،قضاۃ اور شاہی خدمات سے وابستہ افراد کی کثرت رہی ہے لیکن تعجب ہے کہ آپ سے منسوب روایات وواقعات میں تسلسل کی کمی اور تضاد کی کثرت ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نے آپ پر تحقیقی کام نہیں کیا۔

میں نے ۱۹۸۰ء سے آپ پر کام کرنا شروع کیا اور اپنی سرکاری ملازمت سے متعلق ذمہ داریوں مصروفیتوں اور تبادلوں کے باوجود پانچ صدی بعد تک کے اخلاف کی کافی حد تک قریب الفہم اور قرین صحت سوانح حیات ترتیب دے دی ہے۔

آپ کا تعلق سادات واسط سے ہے اور آپ امام علی النقیؑ کی گیارہویں پشت میں تھے۔ حضرت امام علی النقیؑ کے فرزند سید جعفر الذکی جن کو جعفر کذاب او ربعد میں جعفر تواب کہا گیا، کے پر پوتے سید حسن وسید حسین پسران سید علی بن ہارون سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ان اٹھارہ قبیلوں میں شامل تھے جن کی سیادت نسبی کی صحت کی تحقیق سلطان کرا کے مطمئن ہو چکا تھا۔

اسی فوج میں سید ہارون کے بھائی سید طاہر کے پر پوتے سید نجم الدین اور سید عبد اللہ الحسین المعروف سید ابو الفرح زیدی الواسطی مورث اعلیٰ سادات بارہہ بھی تھے۔ سید حسین بن علی مذکور کے ایک پوتے سید حسن ابو الفضل واسطی بن سید داؤد اپنے ایک بھتیجے سید الفراش بن عبد اللہ بن داؤد کے ساتھ سلطان مسعود ثانی بن ابراہیم غزنوی اور اس کے بیٹے بہرام غزنوی کے لشکر میں شامل ہونے پر واسط سے نقل سکونت کر کے سودھر میں اقامت گزین ہوگئے تھے۔ بہرام کے اسی لشکر کے دیگر شرکا میں میر سید حسین خنگ سوار کے ماموں اور سید ابو الفرح واسطی زیدی ثانی بھی تھے۔ سید ابوالفراش کے پوتے سید عبد اللہ اور سید ابو الفرح کے پوتے سید ابو الفراش محمد غوری کے لشکر کے

شرکا تھے۔ یہ سید عبد اللہ امروہہ کی فتح میں بھی شریک رہے تھے اور ان ہی کے پسر سید احمد گنج رواں تھے۔ سودھر سکندر کے وقت سے شاہجہاں کے زمانے تک چناب کے کنارے شمال مغرب میں سوکلو میٹر کی دوری پراہم فوجی مقام تھا۔مغرب سے آنیوالے تمام لشکر اور قافلے اسی جگہ پر چناب کوعبور کرتے تھے۔ اولیائے کرام اور مشائخ عظام کی بھی کافی تعداد یہاں رہتی تھی۔ سید احمد المعروف سلطان سخی سرور متوفی ۵۷۷ھ ان میں کافی مشہور اور معتقد علیہ ہیں۔ سید حسن ابوالفضل واسطی کے پوتے سید مرتضٰی حضرت شاہ ولایت کے دادا تھے۔بعض جگہ سید مرتضٰی کا لقب سید شرف الدین بن سید ابو المعالی بھی ملتا ہے۔ یہ مشہور سہروردی بزرگ ،قاضی حمید الدین ناگوری ،متوفی ۶۴۴ھ ،کے ہم عصر اور غالبًا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ،متوفی ۶۳۲ھ سے فیض یافتہ تھے۔سید مرتضٰی کے بڑے بیٹے سید محمد ملتان میں اور چھوٹے بیٹے سید علی سودھرہ ہی میں اقامت گزیں رہے۔ سید علی جن کو امروہہ کی تواریخ میں میراں سید علی بزرگ کہا گیا ہے، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اعظم، حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا ملتانی،متوفی ۶۶۵ھ، کے دامن فیض سے وابستہ تھے۔حضرت شرف الدین شاہ ولایت ان ہی میراں سید علی کے فرزند اور تین بھائیوں میں سے ایک تھے۔ شیخ الشیوخ اور شیخ الاسلام ایک عہدے کے دو نام تھے۔ اوّل الذکر اسلامی ممالک میں اور شیخ اسلام ہندوستان میں مستعمل تھا۔حضرت شیخ الاسلام کے خلیفہ اعظم، سید جلال الدین حیدر گل سرخ بخاری، کی بہن میراں سید علی کی زوجہ تھیں ۔حضرت جلال الدین حیدر ۶۳۵ھ کے قریب بخارا سے جب ہندوستان آئے تب ان کے ساتھ دوخورد سال پسران سید علی اور سید جعفر بھی تھے جن کی والدہ بی بی افتخار بنت شاہ بخارا فوت ہوچکی تھیں۔ کچھ دنوں کے قیام کے بعد آپ ان بچوں کو بخارا ہی پہنچا آئے تب ہی غالبًا ان کی چھوٹی بہن انکے ساتھ ہندوستان آ گئی تھیں اور دیگر اہل خاندان چنگیز خاں کے بعد کے حملوں میں شہید ہوگئے تھے ۔ یہاں آکر بی بی ام حبیبہ کا عقد میراں سید علی سے ہوگیا۔ کئی سال بعد سید حیدر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوخواب میں دیکھا کہ حضور آپ کو سید بدرالدین بن صدر الدین خطیب کی دختر بی بی نیاز سے عقد کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ ان زوجہ سے آپ کے دو پسران سید غوث اور سید محمد کی ولادت ہوئی۔ ان کے زوجہ کے انتقال کے بعد ۶۶۰ھ کے قریب آپ نے ان کی چھوٹی بہن بی بی زہرہ سے عقد کیا جن سے سید محمود اور سید احمد المشہو د احمد کبیر اور ایک بیٹی بی بی فاطمہ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت جلال الدین حیدر تقریباً تیس سال

تک حضرت شیخ الاسلام کے فیوض وبرکات سے مستفید ومستفیض ہوکر علوم ظاہری وباطنی میں ماہر اور ولی کامل ہوگئے۔ حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد آپ انکے ولد اکبر شیخ الاسلام حضرت صدر الدین عارف متوفی ۷۰۹ھ کے حکم سے اوچہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔

حضرت شاہ ولایت کے سنہ ولادت کے بارے میں بھی مورخین وتذکرہ نویس متفق نہیں ہیں۔ ۵۵۳ھ سے ۶۶۳ھ تک کئی سنین کو آپ کا سنہ ولادت بتایا گیا ہے۔ مولف شجرات سادات امروہہ، مولوی سید بشیر حسن نقوی امروہوی، نے مدلل طریقے سے ۶۵۳ھ کو آپ کا سنہ ولادت قرار دیا ہے جو قرین صحت اس لئے ہے کہ یہ آپ سے منسوب بیشتر روایات اور آپ کے اخلاف کے ادوار سے مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ تاریخ ولادت کا پتہ نہ لگ سکا۔

ثمرات القدس اور اسراریہ کے مطابق آپ ملتان ہوتے ہوئے اپنے والد میراں سیدعلی بزرگ کے ساتھ امروہہ تشریف لائے تھے، جن کے ہمراہ ایک جماعت کثیر تھی جس میں علماء فضلاء، مشائخ، فقراعوام الناس اور غالباً کچھ فوجی افراد بھی شامل ہوں گے۔ سید اصغر حسین سید سراج الدین اور سید رحیم بخش نے اس جماعت کے امروہہ آنے کا سنہ ۶۷۰ھ بتایا ہے جو اسی فرمان سے ماخوذ ہے جو ۲/ذی الحجہ ۶۷۰ھ کا مجریہ سادات امروہہ کے پاس ایام غدر تک محفوظ تھا۔ اسی عہد میں امروہہ کے ایک حاکم کا نام بھی امیر علی ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولایت اس وقت سترہ سال کی عمر کے جوان العمر اور ان کے والد تقریباً ساٹھ سال کی عمر کے تھے۔ امروہہ آنے سے پہلے آپ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا کی ملتان میں واقع خانقاہ میں حصول علوم، فیوض وبرکات اور تربیت حاصل کرتے رہے یہ خانقاہ تبلیغ وترویج دین، نشرواشاعت اسلام درس وتدریس اور تربیت روحانی کا عظیم مرکز تھی۔ آپ کے والد نے آپ کو حضرت شیخ الاسلام کے سپرد کردیا تھا۔ اس وقت حضرت شیخ احمد خنداں رو اور حضرت شیخ الاسلام کے پوتے شیخ ابو الفتح رکن الدین ملتانی بھی اکتساب فیض کررہے تھے۔ حضرت جلال الدین حیدر اور حضرت صدر الدین عارف ان خدمات کی انجام دہی میں ہمہ وقت مصروف تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند مولانا ناصح الدین ناگوری، متوفی ۷۱۲ھ، میراں سیدعلی کے ہم عصر اور احباب میں تھے، وہ بھی اسی خانوادہ سے وابستہ تھے۔ آپ نے ان سے بھی یقیناً اکتساب فیض کیا ہوگا۔ شیخ فخر الدین عراقی متوفی، ۶۸۸ھ مطابق ۱۲۸۹ء، حضرت شیخ الاسلام کے داماد اور عظیم المرتبت شیخ تھے۔

آپ کے اصل نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ مورخ امروہہ محمود احمد عباسی نے ۸۹۴ھ کی دستاویز پر سید مرتضٰی کے سجل اور بعد میں ان کے پسر شرف الدین، پوتے سید علی اصغر پر پوتے سید عبد اللطیف وسید عبد السلام اور سید عبد السلام کے پوتے سید سلطان محمد متوفی ۱۱۳۵ھ کے سجلات سے آپ کا اصل نام نامی سید حسن تجویز کیا ہے، جبکہ آپ کی اولاد میں علامہ سید شفیق حسن، حکیم سید محمد مستحسن اور مولانا سید محمد عبادت جیسے ذی علم افراد آپ کا نام سید حسینی تسلیم کرتے تھے۔ سید عبد السلام وسید سلطان محمد کے سجلات خاکسار کے پاس بھی عہد جہانگیر اور عہداورنگ زیب کی دستاویز پر موجود ہیں جو محمود احمد عباسی کے پیش کردہ سجلات سے مطابقت رکھتے ہوئے سجلات میں سید عبدالسلام سے اوپر کے سجلات کی تصدیق خود ان ہی کے سجل سے ہوتی ہے۔

امروہہ میں مختصر قیام کے بعد ۶۷۱ھ مطابق ۱۲۷۲عیسوی کے قریب آپ برائے تکمیل علوم ، ادائیگی فریضہ حج زیارت مقامات مقدسہ بشمول بغداد نیز بغرض سیاحت تشریف لے گئے مکہ معظّمہ میں آپ نے سید عبد العزیز مکی المشہور شاہ حاجی حرمین سے، جن کی والدہ کا مزار امروہہ میں ہے، ملاقات کی ۔تقریباً تیرہ سال بعد جب آپ نے امروہہ کے لئے مراجعت کی تو اثنائے راہ میں اوچہ پہنچ کر اپنے ماموں سید جلال الدین حیدر کے پاس گئے اور ان کی دختر بی بی فاطمہ سے عقد کیا۔ چند دن وہاں قیام کرکے ملتان میں حضرت صدرالدین عارف جو اس وقت شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے، سے ملتے ہوئے اور عظیم المرتبت شیخ حضرت ذکریا ملتانی کی فاتحہ خوانی کرتے ہوئے ۶۸۹ میں مستقلاً سکونت کے لیے امروہہ آ گئے۔ اس وقت جلال الدین فیروز خلجی کا ابتدائی دور حکومت تھا اور آپ کے والد بقید حیات تھے۔ سید جلال الدین حیدر نے اپنے چھوٹے بیٹے سید احمد کبیر کو بھی حضرت صدرالدین عارف کی خدمت میں برائے تربیت اور حضرت جمال الدین خنداں رو کی خدمت میں برائے سرپرستی ملتان بھیج دیا تھا۔ شیخ جمال الدین ۷۲۵ھ تک بقید حیات تھے ۔ سید احمد کبیر بڑے عابد و زاہد، ذاکر و عارف نیز صاحب کشف وکرامات تھے۔

۶۸۵ھ/مطابق ۱۲۸۶عیسوی میں غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد علاقہ امروہہ میں باغیوں نے پھر سر اٹھانا شروع کردیا تھا اور یہاں بد امنی پھیلی ہوئی تھی ۔ امروہہ آکر آپ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے والد کی جماعت کثیر کے افراد کو ساتھ لے کر امن وامان قائم کرنے کے لئے ان پر فوج کشی کی، جس کے صلے میں حکومت وقت سے آپ کو مراعات حاصل ہوئیں اور ولایت

امروہہ کی شیخ الاسلامی دی گئی۔

امروہہ میں میراں سید علی بزرگ کے ورود سے قبل ایک بزرگ شاہ نصیر الدین نامی رہتے تھے جن کی خانقاہ محلّہ نوگیا میں تھی۔ یہ بزرگ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلفاء میں سے تھے۔ ان سے ملاقات کرنے کے واسطے بابا صاحب کے والد اصغر شیخ صدر الدین یعقوب جو روحانی کمالات میں ماہر تھے اور امروہہ آرہے تھے جب وہ امروہہ پہنچے تو یہاں رہزنوں نے ان کو ۶۶۲ھ میں شہید کردیا۔ شاہ نصیر الدین نے ان کو اپنی خانقاہ کے متصل ایک ٹیلے پر دفن کردیا یہ بزرگ امروہہ میں جھنڈۂ شہید کے نام سے مشہور ہیں۔ جب حضرت شاہ ولایت مستقلاً قیام کا قصد کرکے امروہہ آئے تھے تو انہی شاہ نصیر الدین نے برائے امتحان آپ کے پاس ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا بھیجا۔ آپ نے جواباً اس پیالے کے پانی میں ایک پھول ڈال کر جواب بھجوادیا تھا۔ اسی لئے امروہہ کے مورخین نے آپ کے متعلق لکھا ہے۔'' باصحابہ شیخ فرید الدین شکر گنج ملاقات نمود'' ان شاہ نصیر الدین کی جب وفات ہوئی تو حضرت شاہ ولایت نے ہی ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی۔ یعنی یہ شاہ نصیر الدین عہد علاء الدین خلجی میں ۷۱۰ھ سے قبل فوت ہوئے تھے۔ پانی اور پھول کا واقعہ اور بھی کئی مشائخ کے احوال میں ملتا ہے۔ اخبار الاخیار کے مطابق ایسا ہی واقعہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے ساتھ بھی آپ سے تقریباً اسی برس قبل پیش آیا تھا۔ امروہہ کے مورخین نے سہواً ان شاہ نصیر الدین کو سادات محلّہ نوگیا ں کے مورث اعلیٰ سید شاہ نصیر الدین بن سیف الدین بن فخرالدین بن خواجہ محمد امام بن خواجہ بدر الدین اسحٰق سمجھ لیا جب کہ ان شاہ نصیر الدین کے والد خواجہ سیف الدین اور چچا خواجہ عزیز الدین حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی متوفی ۷۵۷ھ کے خلفاء اور حضرت شاہ ولایت کے عہد سے بہت بعد ۷۵۸ھ تک حیات تھے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولایت خواجہ سیف الدین کے دادا خواجہ محمد امام نواسہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے ہم عصر تھے۔ ان کے والد خواجہ بدر الدین اسحٰق متوفی ۷۹۱ھ بابا صاحب کی خانقاہ کے امام اور کاتب تھے۔ اول الذکر شاہ نصیر الدین خواجہ بدر الدین اسحٰق کے بھائی تھے جس کی وجہ سے ان کی خانقاہ عہد فیروز تغلق میں ان کے بھتیجے خواجہ محمد امام کے پسران خواجہ فخرالدین وخواجہ جلال الدین کی تحویل میں آگئی۔ اسی زمانے میں حضرت صدر الدین عارف کے ایک خلیفہ شیخ صلاح الدین درویش متوفی ۷۴۹ھ ملتان سے امروہہ آئے تھے جیسا کہ ان کی ایک مناجات سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ نہایت صاف گو اور

ترش کلام تھے۔ امروہہ میں قیام کے بعد یہ مستقلاً سکونت کے لئے دہلی چلے گئے تھے۔ وہ بھی غالبًا شاہ ولایت سے ملنے امروہہ آئے ہوں گے۔

۷۱۳ھ کے قریب جب حضرت شاہ ولایت کے والدین ، زوجہ اور ناکتخدا دختر کی وفات ہوگئی تب آپ اپنے اہل وعیال اور دنیاوی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہوکر امروہہ کے شمال میں ساٹھ کوس یعنی دوسوکلومیٹر کی دوری پر کوہ کمایوں کے دامن میں عزلت گزیں ہوگئے۔ یہ جگہ ضلع پوڑی میں کالاگڑھ کے قریب رہی ہوگی۔ امروہہ سے جانے کے کچھ دن بعد آپ نے اپنے بڑے بیٹے سید علی کو خواب میں بشارت دی کہ تمہارے یہاں لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے لئے جہاں میں باعث افتخار ہوگا۔ جب یہ پیدا ہوتو اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ یہ بچہ حضرت شرف الدین ثانی اشرف جہانگیر تھے۔ حضرت اشرف جہانگیر نے اولاً اپنے والد سے اکتساب فیض کیا بعدہ اپنے دادا کے حکم سے ۷۲۵ھ کے قریب دہلی جاکر حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفیہ مولانا شیخ علاء الدین نیلی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ علاء الدین بڑے ولی اللہ پاکیزہ روشن اور معاملات میں صاف تھے۔ وعظ اچھا کہتے تھے۔ عموماً کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ تمام عمر درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ ۷۶۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔ حضرت اشرف جہانگیر بھی بڑے صاحب کرامت اور علوم وفنون کے بحر بیکراں تھے۔ حسب روایت ثمرات القدس واسرار یہ کو آپ کی وصیت کے مطابق اپنے دادا اور والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ بعد کے مورخین مثلاً صاحب تاریخ اصغری اور تاریخ واسطیہ نے وصیت کے سب سے اہم لفظ پہلو کو پائین میں بدل دیا جس کی وجہ سے آپ کی قبر مختلف لوگوں سے منسوب کی جانے لگی۔ مورخ امروہہ نے تو آپ کے مزار مبارک کو شیخ معین الدین ناگوری کی قبر لکھدیا ہے جب کہ شیخ ناگوری کی قبر بی بی بختوئی دختر حضرت شاہ ولایت کی قبر کے جنوب میں زیردیوار شمالی حجرہ قاضی سید خدا دیئے آج بھی موجود ہے۔ حضرت اشرف جہانگیر کی وفات تقریبا ستر برس کی عمر میں ۸۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ حضرت شرف الدین شاہ ولایت کی زوجہ بی بی فاطمہ بنت سید جمال الدین حیدر سے دو پسران سید علی اور سید ابو الحسن المعروف سید عزیز اور ایک دختر بی بی بخت دولت المشہور بی بی بختوئی متولد ہوئے۔ آپ کے دونوں پسران صاحبان علم وفضل تھے۔ قاضی سید محمد طفیل اور قاضی سید محمد مراد پسران قاضی سید یار محمد بن قاضی سید عبد الرسول نے ۱۱۳۲ھ میں دربار شاہی کو جو درخواستین عمائدین، اکابرین اور منصبداران شاہی کی مواہیر سے مصدقہ ارسال کی تھیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

جداعلی امیر قاضی سید علی کا عہدہ قضا پر تقرر چار سو سال قبل محمد تغلق کے عہد میں ہوا تھا۔ آپ کے تقرر کے ہی چند سال بعد حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کو بھی جو آپ کے سگے ماموں زاد بھائی تھے محمد تغلق سے شیخ الاسلام کے عہدے اور چالیس خانقاہوں کی تولیت پر مقرر کیا تھا، قاضی سید علی کو یہ عہدہ غالباً شیخ ابو الفتح رکن ملتانی متوفی ۷۳۵ھ کی سفارش پر ملا تھا۔ حضرت رکن الدین ملتانی محمد تغلق کی تخت نشینی اور حضرت نظام الدین اولیاء کی وفات تک دہلی میں ہی تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی تھی۔

۷۴۱ھ میں جب ابن بطوطہ امروہہ آیا تھا تب شہر کے اہل کار جن میں امیر قاضی سید علی اور انکے برادر خورد جو اس وقت شیخ الزاویہ تھے، شامل ہوکر اس کے استقبال کے لئے گئے تھے اور اس کی اچھی طرح ضیافت کی تھی۔ امارت اور مشیخت دونوں سرکاری عہدے تھے جن پر تقرر دربار شاہی سے ہوتا تھا۔ امارت ایک فوجی عہدہ تھا جس کے عہدہ دار کی تحویل میں سوسواروں کا دستہ رہتا تھا نیز جس کی جاگیر میں چالیس ہزار تنکہ کی آمدنی کا علاقہ ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے محلّہ پچدرہ میں واقع آپ کی خانقاہ میں حیدری فقرا کا آگ میں داخل ہونا بھی دیکھا تھا۔ یہ خانقاہ ایک وسیع قطعے آراضی پر غزاخانہ محلّہ پچدرہ کے صدر پھاٹک سے متصل چوک کے شمال میں تھی ۔ اس خانقاہ کا جنوبی شرقی گوشہ حضرت شاہ ولایت کی نشست گاہ کہلاتا ہے۔ امروہہ آنے کے بعد میراں سید علی بزرگ نے قصبہ امروہہ کے قلب میں ایک منہدم شدہ عمارت کے چاروں طرف احاطہ، اس کے اندر رہائشی مکان ومتعلقہ لوازمات ، احاطے کے شمال میں خانقاہ جسے بعد میں دیوان خانہ بھی کہا جانے لگا اور احاطے کے گوشہ شرق وجنوب سے متصل خانہ خدا تعمیر کرایا تھا۔ خانقاہ کے شرق میں حیدری وجلالی فقرا اور غرب میں خدام کو آباد کیا تھا۔ بعض خدمت گار شرق وجنوب میں بھی بسائے گئے تھے۔

حضرت شاہ ولایت کے دامن کوہ میں قیام کے دوران شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی جو اس وقت جوان العمر تھے، آپ سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے تھے۔ یہ شیخ شرف الدین پانی پتی کے متصل العہد تھے۔ ان کا تذکرہ شیخ عبد الحق اور شیخ بختیار کے سلسلے میں ملتا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق بھی اسی دامن کوہ میں حضرت شاہ ولایت کی خدمت میں پہنچا تھا۔ اپنے چالیس سالہ قیام کے دوران حضرت شاہ ولایت اپنے اہل و عیال اور احباب سے ملنے دو مرتبہ دامن کوہ سے امروہہ آئے تھے جیسا کہ آپ کے پوتوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے۔

اب تک امروہہ کے مورخین کا خیال رہا ہے کہ آپ کی وفات ۷۴۱ھ مطابق کے قریب ہوئی تھی۔ اس خیال کی بنیاد یہ ہے کہ سفر نامہ ابن بطوطہ میں آپ کے پسران کا تو ذکر ہے لیکن آپ کا کنایتاً بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں کیوں کہ ابن بطوطہ کے امروہہ آنے کے وقت برسات کا موسم تھا اور آپ امروہہ سے دور دامن کوہ میں مقیم تھے۔ اس لئے ابن بطوطہ کی ملاقات آپ سے نہ ہوسکی ہوگی ۔ دوسرے کسی کا ذکر نہ کرنا اس کے عدم وجود کی مستحکم دلیل نہیں ہوتا۔ تیسرے اگر آپ فوت ہوچکے ہوتے تب تو ا سکا اپنے دوماہ کے قیام کے دوران آپ کے مزار پر جاکر فاتحہ خوانی کرنا اور اس کرامت کا ذکر کرنا لازمی تھا جو آج تک موجود ہے نیز آپ کی وفات کو زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا ہوگا۔

آپ کی وفات کا تعین کرنے کے لئے اس معتبر روایت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جس کے مطابق جب سلطان فیروز شاہ تغلق بسلسلہ شکار دامن کوہ میں آیا اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر اس امر کا ملتمس ہوا کہ آپ اس کی دستگیری فرمائیں، تب آپ نے اس سے کہا تھا کہ ''سلطنت سے کنارہ کش ہوجائے'' یعنی یہ واقعہ اسی وقت کا ہے جب فیروز شاہ تغلق اپنے برادرعم زاد محمد تغلق کی ٹھٹہ میں وفات کے بعد حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی، سید احمد کبیر نیز دیگر سادات ومشائخ کی سرپرستی میں ۷۵۱ھ میں مالک تخت وتاج ہوچکا تھا ۔ سلطان کے اصرار کرنے پر حضرت شاہ ولایت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عنقریب مخدوم جہانیاں جہانگشت دہلی آنے والے ہیں وہ تیری دستگیری فرمائیں گے ۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۵۳ھ سے ۷۵۱ھ تک بیرون ہند رہے تھے اور فیروز شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد دہلی تشریف لائے تھے ، اس طرح آپ کی وفات تقریباً سوسال کی عمر میں ۷۵۳ھ کے قریب قرار پاتی ہے۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیاتو آپ دامن کوہ سے امروہہ تشریف لے آئے اور اپنے مرحوم اہل خاندان کی قبور کے نزدیک چاردرخت نصب کرکے جن میں سے ایک آپ کی دختر کے مزار کے پہلو میں ہے، رہنے لگے۔ یہاں آکر آپ نے اپنے اعزاء سے وصیت فرمادی کہ مجھے ان ہی درختوں کے سائے میں دفن کیا جائے ۔عبادت وریاضت کے لئے اپنے مجوزہ مدفن کے سراہانے ایک حجرہ اور نماز پڑھنے کے لئے ایک چبوترہ اور اس کے غرب میں دیوار بنوادی۔ حجرہ عبادت کی غربی دیوار میں ایک قدم شریف نصب کردیا گیا۔

آپ کی درگاہ کی وسیع چہار دیواری عہد اکبری کے صاحب اقتدار قاضی سید الہدیہ نبیرہ قاضی سید خدادیئے کی معمرہ تھی جس کو آخر عہد محمد شاہ میں ایک معتقد شیخ غلام محمد نے حیات نو عطا کی ہے۔ ان ہی غلام محمد نے بیرون درگاہ زائرین کے لئے ایک بارہ دری اور مسجد بنوادی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد شاہجہاں تک آپ کا عرس نہیں ہوتا تھا کیونکہ سید کمال محمد مولف اسراریہ جو خود مشائخ کے معتقد اور آپ ہی کی نسل میں سے تھے، اپنی تالیف میں حضرت شاہ ابن کرمانی کے عرس کا تو تذکرہ کرتے ہیں لیکن خود اپنے جد کے عرس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔ دیگر یہ کہ بقول صاحب مقاصد العارفین آپ کے پوتے سید محمد المعروف دودھ دھاری نے یہ وصیت فرمادی تھی کہ میرے دادا کے تمام تبرکات کو میری وفات کے بعد دفن کردیا جائے۔ تیسرے آپ نے سلسلہ بیعت بھی جاری نہیں کیا تھا۔

امروہہ میں آپ کے دو پسران سید علی اور سید عزیز جن کا اصل نام سید ابوالحسن تھا، کی اولاد آباد ہے۔ جس کا کافی بڑا حصہ دیگر مقامات بالخصوص پاکستان ہجرت کرگیا۔ امیر قاضی سید علی، متوفی ۷۶۵ھ، کی نسل میں ان کے ایک پر پوتے سید نعیم وسط نویں صدی ہجری میں افغانپور متصل مراد آباد اور سید عزیز کے بیٹے سید امجد مجد الدین کی نسل میں سید چاند وسط دسویں صدی میں سنبھل کے محلّہ چودہری سرائے میں جاکر بس گئے تھے۔ سید کمال محمد مولف اسراریہ، متوفی ۱۰۸۱ھ، سید چاند کے پر پوتے سید لعل کے فرزند تھے۔

ذیل میں آپ کی صرف ان تین کرامات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو یا تو موجود ہیں یا جن کے اثرات باقی ہیں۔

۱۔ آپ کی سب سے زیادہ مشہور اور زندہ کرامت تو یہ ہی ہے کہ آپ کی درگاہ کے احاطے میں بچھو ڈنک نہیں مارتا خواہ اس کو اپنی ہتھیلی پر ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ بعض انگریز افسران بیرون امروہہ سے بچھو پکڑ کر امروہہ لائے لیکن ان بچھوؤں نے بھی یہاں پہنچ کر اپنی فطرت نیش زنی کو ترک کردیا۔ ۱۹۵۲ء کے قریب امروہہ کا ایک طالب علم درگاہ شاہ ولایت سے ایک سیاہ بچھو پکڑ کر بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر علم حیوانات پروفیسر ڈاکٹر محمد بابر مرزا مرحوم سابق صدر شعبہ علم حیوانات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پاس لے گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مشاہدہ کرکے بتایا کہ یہ بچھو زہریلا اور نیش زنی پر قادر ہے۔ خود مرزا صاحب جیسا بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنس داں بھی اس کرامت پر متعجب ہوا تھا۔

اس کرامت کا پس منظر یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت شاہ نصیر الدین نے حضرت شاہ ولایت کو یہ بتادیا تھا کہ جہاں آپ کا مزار بنے گا وہاں بچھو کثرت سے پائے جائیں گے ۔حضرت شاہ ولایت نے جواباً یہ پیشین گوئی بھی کردی تھی کہ وہ کسی کو ایزا نہیں پہنچائیں گے۔

''سید نصیر الدین غوری گفتند کہ روضہ شما کثر دمان بسیارند سید شرف الدین جواب داد کہ ازاں ایذا نمی رسد''

۲۔آپ کے کسی معتقد نے آپ سے یہ گزارش کی کہ یا حضرت دعا فرمادیں کہ شہر امروہہ کا حصار بن جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جگہ میرا ابدی مسکن ہے یہاں ہمیشہ امن رہے گا۔

۳۔آپ نے اپنے بڑے بیٹے امیر قاضی سید علی کی اولاد کے لئے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ان میں علم وفضل اور فقر ومشیخت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر، سید محمد دو دھاری، سید شاہ مردان علی، سید سیدن شاہ، قاضی سید عمر زندہ پیر، قاضی سید خدادیئے، قاضی سید الہدیہ، سید یحیٰی، سید الہ یار، سید غلام محمد، سید عبد الحکیم ، سید ابدال محمد، مولانا سید میر علی، مولانا سید قطب الدین، مولانا سید محمد محسن اور سید شاہ جعفر علی وغیرہ امیر قاضی سید علی ہی کی نسل میں ہوئے ہیں۔

اپنے چھوٹے بیٹے سید عزیز کی اولاد کے لئے آپ کی پیشین گوئی تھی کہ ان میں دنیاوی وجاہت اور امارت رہے گی چنانچہ عہد مغلیہ میں تقریباً دوسو منصبدار صرف اسی خاندان میں ہوئے ہیں، جن میں سید محمد میر عدل وسید مبارک نیز سید محمد میر عدل کے چاروں اور سید مبارک کے آٹھوں بیٹے عہد اکبری میں، سید مبارک کے پوتے سید عبدالوارث، سید محمد میر عدل کے پرپوتے سید عبد الماجد ، سید مبارک کے دوسرے پوتے سید محمد مختار، سید عبد الماجد کے پسر دیوان سید محمود، سید چاند مذکور کے پوتے سید فیروز اور سید محمد مختار کی نسل میں سید وارث علی ، سید عبد الواحد اور میر اسد اللہ خاں وغیرہ بڑے منصبدار ہوئے ہیں۔ اس تعزز امارت اور ریاست کا سبب یہ تھا کہ سید عزیز کے چھوٹے بیٹے میر سید حسن کی شادی سلطان فیروز شاہ تغلق کی ایک بیٹی بی بی زبیدہ سے ۷۶۰ھ کے قریب ہوئی تھی ۔ صاحب تاریخ فرشتہ کے مطابق میر سید حسن کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی تھی۔ صاحب ذکر الکاملین نے لکھا ہے کہ میر سید حسن داماد فیروز شاہ کی قبر درگاہ شاہ مردان میں واقعہ ہے۔ غلام رسول متو ،مؤلف، چہل اسرار نے لکھا ہے کہ میر سید حسن داماد فیروز شاہ کی دختر کی شادی میر سید محمد سے جو امیر کبیر سید علی ہمدانی کے فرزند تھے، ہوئی تھی۔ صاحب ذکر الکاملین کے مطابق بی بی زبیدہ

کی قبر درگاہ شاہ ولایت میں ہے۔ یہ قبر بیرون حودہ جانب مشرق سبز ٹائل کی بنی ہوئی ہے۔ میر سید حسن کے بیٹے سید راجو جن کو سید راجع بھی کہا جاتا ہے، فیروز شاہ کے نواسے اور سلطان ناصرالدین محمد شاہ تغلق متوفی ۷۹۴ھ کے حقیقی بھانجے تھے۔ منجلہ تین بیٹوں کے سید راجو کے دو بیٹوں، سید منتجب اور سید یسٰین، کی اولاد امروہہ میں ہے۔ سید راجو نویں صدی کے نصف اول میں حیات تھے۔ سید محمد میر عدل وسید مبارک کے والد سید منتجب ثانی سید راجو کے پوتے تھے۔ سید ارزانی جو عہد بہلول لودی کی شخصیت تھے۔ سید یسٰین کے پسر تھے۔ سید منتجب ثانی عہد بابری کی شخصیت ہیں۔

امروہہ میں محبان اہلبیت کا وجود ابتدائے عہد اسلامی سے ہی ملتا ہے جس کا ثبوت سید عبد العزیز مکی المعروف شاہ حاجی حرمین کی والدہ گرامی کی قبر پر نصب ڈھائی فٹ لمبے اور ڈیڑھ فٹ چوڑے کتبے سے ملتا ہے۔ یہ کتبہ عہد ناصرالدین محمود میں ۶۴۹ھ کا ہے جس میں مصالحے سے ابھرے ہوئے حروف میں نہایت خوشخط اللہ ۔ محمدؐ علیؑ ۔ فاطمہؑ ۔ حسنؑ ۔ اور حسینؑ تحریر ہے۔ یہ دونوں قبور درگاہ شاہ ولایت کے جنوب میں درگاہ شاہ اعزاز کے شرق میں چند قدم کی دوری پر ہیں۔ یہ دونوں مزارات ایک بلند چبوترین پر نہایت قدیم درخت کے نیچے بہت اونچے بنے ہوئے ہیں۔

صاحب مقاصد العارفین نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے چار خلفا قاضی سید عبد اللطیف واسطی، شیخ نظام الدین عباسی، شیخ معین الدین صدیقی ناگوری اور سید محمد ابدال دودھ دھاری تھے۔ مولف موصوف کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت شاہ ولایت کو بہ نور باطن یہ علم تھا کہ ان کا سلسلہ بیعت جاری نہ رہ سکے گا چنانچہ سید محمد ابدال دودھ دھاری نے تو کسی کو مرید بنایا ہی نہیں اور شیخ نظام الدین نے ملتان جا کر سلسلہ بیعت جاری کیا لیکن وہ چل نہ سکا۔ نتیجتاً وہ امروہہ واپس لوٹ آئے۔ ان چار حضرات میں سے دو یعنی قاضی سید عبد اللطیف اور سید محمد ابدال کا تذکرہ تو اسراریہ نے بصراحت کیا ہے لیکن ان کی عبارت سے یہ کسی بھی طرح ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دونوں حضرت شاہ ولایت کے خلفا تھے۔ اوّل الذکر کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے۔ ''در ثمرات القدس می آرد کہ قاضی عبد اللطیف امروہہ از ملک واسط است۔ اقفی القضات آں دیار از محول علمائے روزگار خود بود۔ چون امروہہ آمد ازاں منصب باز داشت وروئے حق سبحانہ آوردہ بمرتبہ کمال است۔'' حضرت شرف الدین جہانگیر کے مفصل تذکرے کے بعد سید محمد ابدال کا تذکرہ شروع کیا ہے اور تحریر کیا ہے۔ ''سید محمد دودھاری از ابنائے صاحب ولایت است'' ثمرات القدس اور اسراریہ جیسی قدیم اور معتبر کتب کی روشنی میں یہ

نتیجہ نکالنا قریب الفہم اور قرین صحت ہے کہ آپ نے از خود ہی اپنا سلسلہ بیعت جاری نہیں کیا تھا اور کسی کو آپ نے خلفیہ نہیں بنایا تھا۔ دیگر یہ کہ جس کا م کے لئے آپ نے ان خلفا سمجھے جانیوالے حضرات کو منع کیا تھا اس کو خود ہی کیوں کیا ہوگا؟

آپ کی درگارہ کی خدمات جاروب کشی اور چراغ بتی آپ کے سامنے سے ہی آپ کے خادم شیخ نظام الدین اور ان کی اولاد کرتی چلی آرہی ہے۔ شیخ نظام الدین کی قبر اندرون احاطہ درگاہ متصل شرق رو بہ دروازہ جانب شمال ہے۔ قاضی سید الہدیہ نے جن کی وفات ۹۸۷ھ میں ہوئی تھی نیز جن کی قبر اپنے دادا قاضی سید خدادئے کے معمرہ حجرہ عبادت کے شرق میں چبوترہ پر ہے۔ اپنے دور اقتدار میں اپنے ایک خدمت گار شیخ کندن کو بھی درگاہ کی خدمات میں شریک کا رمقرر کردیا تھا۔ ۱۱۵۱ھ میں شیخ نظام الدین اور شیخ کندن کی اولاد کے درمیان ایک تنازعہ خدمات درگاہ سے متعلق ہوا تھا۔ اس تنازعہ کے تصفیہ کے لئے اولاد شرف الدین شاہ ولایت کے حضور درخواست پیش کی گئی تھی ۔ کیونکہ درگاہ شاہ شرف الدین کی نگرانی کا ذمہ آپ کے زمانے سے ہی آپ کی اولاد کا رہا ہے۔

(نوٹ: زیرنظر مضمون خاکسار کی غیر مطبوعہ تالیف'' حضرت شاہ ولایت امروہہ اور ان کے اخلاف'' سے ماخود ہے۔)

☆

ملا صدرا کا رسالہ

وحدۃ الوجود : ایک جائزہ

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

صاحب اعیان الشیعہ کے قول کے مطابق جن چار عبقری شخصیتوں کا علوم وفنون کا ہمالہ بطور خاص فلسفہ وکلام کا ستون سمجھا جاتا ہے ان میں معلم ثانی ابونصر فارابی (متوفی ۳۰۴ھ تقریباً) شیخ رئیس ابن سینا (۳۷۲-۴۲۳ھ) خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷-۶۷۳ھ) کے بعد چوتھے ملا صدرا محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر غلو کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً میں یہ کہہ دیتا کہ علمی اعتبار سے ملا صدرا کی حیثیت مذکورۃ الصدر حضرات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے خاص کر مکاشفہ اور عرفان ووجدان کے معاملہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔[۱]

چنانچہ ان کی عبقریت کے اعتراف میں قوم نے انہیں صدر المتالہین'' اور'' صدر المحققین'' کا خطاب دیا ہے۔ اس جلیل القدر شخصیت کا سنہ ولادت تقریباً ۹۸۰ ھ ہے کیونکہ انہوں نے ۱۰۵۰ھ میں ساتویں بار حج سے واپسی میں ستر سال کی عمر پاکر وفات پائی۔

علمی نشوونما کے متعلق اتنا ملتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار ابراہیم بن یحیٰ الشیرازی القوامی سے حاصل کی جس کی تکمیل اصفہان جاکر ان دونابغہ روزگار شخصیتوں سے کی جن کا سکہ معقولات کی دنیا میں اب بھی رائج ہے یعنی شیخ بہاؤ الدین محمد العاملی (ولادت ۹۵۳ھ ۱۰۳۱ھ) اور میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) جو نظریہ حدوث دھر کے بانی ہیں اور جن کی شان میں اختلاف کرنے کے باوجود ملا محمود (متوفی ۱۰۶۲ھ) جیسے فلسفی اعظم ہندوستان شمس بازغہ میں فرماتے ہیں:

"خیرة الله اليقين بالمهرة السابقين مع توغله فی سياحتم ارض الحقيقة وتورطه فی سباحة يم الحكمة و وجود فی اعماق ثری الملک باقدام انظاره الغائره وعروجه عن اطباق سماء الملكوت بقوادم افكار ه السافره۔"[۲]

انہی موخر الذکر استاد کی صحبت میں ملا صدرا نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا اور انہیں کی روش پر چل کر اہل علم وفضل میں اس طرح شہرت دوام حاصل کی کہ آپ کے بارے میں کہا جانے لگا کہ

''انه اجل فلاسفة العصر الاموی شانا واعظمهم خطرا حتی لقد بلغ من دقة البحث وعمق التفکیر وطرافة التحقیق مبلغا فی منزلة تاتی بعد منزلة کل من ارسطو وابن سینا۔'' ۳

جس منزل وہ فضل وکمال پر موصوف فائز تھے متاخرین میں کسی سے ان تک رسائی نہ ہوسکی اور متقدمین میں سے کم ہی اس مرتبہ سے بہرور ہوئے ہیں۔ صاحب روضات لکھتے ہیں:

''کان فائقاً علی سائر من تقدم من الحکماء الباذخین والعلماء الراسخین الی زمن مولانا الخواجه نصیر الدین منقحا اساس الاشواق بما لامزید علیه ومفتحا ابواب الفضیحة علی طریقة المشاوالرواق ۴ اس قول کی روشنی میں فلاسفہ متقدمین ومتاخرین دونوں کے درمیان ان کی شخصیت روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔

اس عبقری روزگار نے اپنے وقت عزیز کا بیشتر حصہ درس و افادہ کے علاوہ کتب ورسائل کی تصنیف میں بھی صرف کیا جن کی تعداد بعض سوانح نگاروں کے قول کے مطابق ۳۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں شرح ہدایت الحکمۃ ''صدرا'' کے نام سے مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ کے نصاب میں مشمول ہے۔ دوسری کتاب ''اسفار اربعہ'' ہے جو شیخ کی شفا'' محقق طوسی کی ''تحرید'' امام رازی کی ''محصل'' میر باقر داماد کے ''افق المبین'' کے دوش بدوش فلسفہ کی منتخب ادبیات عالیہ میں شمار ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب کی عظمت کے بارے میں محقق شیخ محمد حسین الاصفہانی (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں:

''لو اعلم احداً یفهم اسرار کتاب الاسفار لشددت الیه الرحال للتلمذة علیه وان کا فی اقصی الدیاد ۵''

تیسری اہم تصنیف شیخ الاشراق شہاب الدین مقتول (۵۵۰۔۵۸۶ھ) کی حکمۃ الاشراق جس کی علامہ قطب الدین شیرازی (۶۳۴۔۷۱۰ھ) نے شرح لکھی تھی اس کا حاشیہ ہے جو حکمت اشراق کے موضوع پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب وتصوف جس کا خاص اور اہم موضوع ''وحدت الوجود'' ہے ملاصدرا نے اس کی تعلیم دی ہے اور اسی موضوع کے تحت متعدد رسالے لکھے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک ''رسالہ وحدت

الوجود'' جو خوش قسمتی سے مولانا آزاد لائبریری کے یونیورسٹی کلکشن میں فارسیہ مذہب وتصوف ۲۴۹ نمبر کے تحت محمد محسن عباسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے جس پر سنہ کتابت ۱۳۱۸ھ مندرجہ ہے۔ رسالہ زیادہ طویل وضخیم نہیں ہے مگر اس ایجاز واختصار میں ''ماقل دل'' کی شان پیدا ہے۔ ذیل میں مطالب مجوشہ کا خلاصہ دیاجارہا ہے جس سے اس کی مرتبت واہمیت ہویداہوگی۔ رسالہ کی ابتدا اس حقیقت حقہ سے ہوتی ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور تمام علمی وحکمی سرگرمیوں کی غایت النایات ہے یعنی صانع عالم کے وجود پر یقین ، جسے زبان شرح ایمان باللہ کہتے ہیں۔ مصنف رسالہ فرماتے ہیں:

بدان "وفقک الله تعالیٰ" کہ جمیع عقلاء اتفاق دارند بر ایں کہ عالم موجود را صانعی ثابت ومتحقق است۔''

پھر نظر یہ وحدت الوجود کے اثبات میں مصنف نے عقلی وبرہانی دلائل بھی دیے ہیں اور اس عقیدہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے قرآنی شواہد سے بھی استشہاد کیا ہے لیکن اس باب میں زیادہ اہم اقوال الذکر ہے یعنی نظریہ وحدۃ الوجود کا عقلی وبرہانی دلائل سے اثبات مصنف نے توضیح مقصد کے لئے اس سے پہلے ایک خاصی طویل تمہید دی ہے جس کے دوجز ہیں۔ پہلا جز تین افادیت پر مشتمل ہے۔

۱۔ افادہ اول کا کہنا ہے کہ ایمان باللہ ایک کائناتی حقیقت ہے جس پر جملہ عقلاء روزگار کا اتفاق ہے اور یہ عقیدہ ان کے قلوب میں اس درجہ راسخ ہے کہ بداہت کی حد تک پہنچ گیا ہے یعنی اتناہی بدیہی (Apriori) ہے جیسا کہ یہ حقیقت کہ کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے۔

۲۔ افادہ دوم کا کہنا ہے کہ اس عقیدہ کی ہمہ گیری کے باوجود تعالیٰ کہ کنہ وحقیقت ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور راز ایں پردۂ نہاں است ونہاں خواہد بود۔

۳۔ افادۂ سوم ایک تاریخی توجیہ ہے جو مفکرین عہد اسلام کی جماعت بندی سے متعلق ہے اس کی رو سے معرفت باری کے دوطریقے ہیں استدلال یا کشف وشہود۔ پھر طالب معرفت یا تو کسی کا پیرو ہوگا یا انبیاء ومرسلین کی اتباع سے بے نیاز ہوگا۔ اس کے نتیجے میں مفکرین کی چار جماعتیں ظہور میں آئیں۔

۱۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو جو استدلال سے کام لیتے تھے متکلمین

کہلائے۔

۲۔لیکن اتباع رسولؐ کے باوجود حضرات ریاضت ومجاہدہ اور کشف وشہود پر اعتماد کرتے تھے صوفیاء کرام کہلائے۔

۳۔ اتباع رسول سے بے نیاز ہوکر جن لوگوں نے نظر واستدلال سے کام لیا وہ حکماء شاہین کہلائے۔

۴۔ اور اگر موخرالذکر نے مجاہدہ ومکاشفہ پر بھروسہ کیا تو وہ حکماء اشراقین کہلائے۔

ظاہر ہے یہ وہی تقسیم ہے جو حاجی خلیفہ (۱۰۱۷ھ۔۱۰۶۷ھ) نے کشف الظنون میں حکمۃ الاشراق کے تحت دی ہے۔ اس لیے یا تو مصنف نے اس کے لئے حاجی خلیفہ کی خوشہ چینی کی ہے یا حاجی خلیفہ سے استفادہ کیا ہے یا پھر دونوں کسی تیسرے مشترک مآخذ کے رہینِ منّت ہیں۔

دوسرے جزو کے افادات میں مرکزی حیثیت ''موجود مطلق'' کے تصور کی توضیح وتبیین کی ہے کیوں کہ نظریۂ وحدت الوجود کا سنگ بنیاد یہی تصور ہے۔

وجود مطلق کے تصور کا نخرمایہ کیا ہے اور کس طرح اس نے ارتقاء کے منازل طے کئے اور پھر کس طرح یہ اسلامی فکر میں داخل ہوا بالخصوص اندلس کی فکری سرگرمیوں میں جن کے گرامی منزلت نمائندے شیخ اکبر تھے جو اسلامی فکر میں اس عقیدے کے ہادی یا علی الاقل ممثل اعظم سمجھے جاتے ہیں۔ ان امور کی تفصیل ایک تفصلی جائزے کی مقتضی ہے مگر چونکہ اس عاجز کی عرض داشت کا مقصد صرف اس رسالہ کا تعارف کرانا ہے، اس لیے دوسری تفصیلات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

بہر حال مصنف نے اس پوری بحث کا آغاز ''وجود'' کے مختلف مفاہیم ومصادیق کے ذکر سے کیا ہے۔ انہوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتائے ہیں:

۱۔ معنی مصدری جس کا مفہوم بودن یا شدن ہے یعنی ہونا۔

۲۔ دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود ہوتا ہے۔

اس معنی کے مطابق وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس طرح حسب تفریح شرح مواقف (الموقف الثانی المرصد الاوّل بمقصد ثالث) اس باب میں تین مذہب ہیں: امام ابو الحسن الاشعری (۲۷۰ھ-۳۳۰ھ) اور معتزلہ میں سے ابوالحسن البصری (المتوفی ۴۳۶ھ) کا کہنا

ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت (یا ذات) کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود وماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے۔ مگر مصنف رسالہ نے ان مذاہب ثلاثہ میں سے صرف دو مذہبوں کو بیان کیا ہے۔ ازاں بعد انہوں نے اسم ''اللہ'' کے مسمی کو متعین کیا ہے کہ:

اللہ علم ہے ذات واجب الوجود کے لئے جو جمیع صفات سے متصف اور تمام سمات نقص وحدت سے منزہ ہے۔

اس کے بعد اس ذات کے باب میں جو اللہ کا مسمی ہے تین مذاہب بیان کیے ہیں متکلمین کا حکماء اور صوفیاء کرام کا۔ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ذات نمبرا جزئی حقیقی ہے، نمبر ۲ خارج اور ذہن دونوں میں بسیط ہے اور نمبر ۳ اس کی صفات اس پر زائد ہیں (یہاں مصنف رسالہ وحدۃ الوجود نے جمہور علمائے علم کلام سے اختلاف کیا ہے کیوں کہ جب معتزلہ وغیرہ صفات کو غیر ذات مانتے ہیں اشاعرہ لاعین ولاغیر کہتے ہیں۔)

حکماء کا بھی یہی مسلک ہے مگر وہ صفات کو عین ذات گردانتے ہیں، لیکن صوفیاء کرام کا مسلک تفصیل چاہتا ہے۔ مصنف نے اس باب میں ان کے تین فریق گردانے ہیں اور اس تفریح کا منشا واجب کے ساتھ ممکن کا اعتبار ہے، چنانچہ ایک فریق متکلمین وحکماء کی طرح واجب تعالیٰ کو بھی جزی حقیقی سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ جمہور اہل شریعت کی طرح ممکن کو بھی حقیقی سمجھتا ہے۔ نیز انہیں کی طرح واجب اور ممکن کو ایک دوسرے کا مغایر ومبائن دوسرا فریق بھی واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی سمجھتا ہے مگر ممکن کو موجود نفس الامی نہیں سمجھتا بلکہ سراب کی طرح واہمہ محض گردانتا ہے، یا بالفاظ دیگر:

ذات واجب نے صور متعدد ہ اور اشکال مختلفہ میں خود کو ظاہر کیا ہے۔ پس خارج ہو یا ذہن دونوں میں صرف وہی ذات موجود ہے۔ رہے دوسرے موجودات جنہیں عرف عام میں ممکنات کہا جاتا ہے، سو وہ معدوم محض ہیں اور ان کی موجودیت محض وہمی وخیالی ہے۔

لیکن اس تقدیر پر شریعت ہو یا قانون ملکی (Public) دونوں کے اوامر ونواہی باطل قرار پاتے ہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود ہی نہیں تو پھر وہ کسے حکم دے رہا ہے کہ نماز پڑھ یا نیک کام کر اور کسے منع کر رہا ہے کہ برے کام نہ کر اور کسی کو قتل نہ کر۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔

اس لئے ایک تیسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے کلی وجزئی اور غیبت وغیریت کے امتیازی ہی کوختم کردیا۔ ان کے نزدیک واجب تعالیٰ شانہ بشانہ جزئی حقیقی نہیں ہے بلکہ وجود مطلق ہے الابشرط شئی یعنی اس میں کوئی قیدوتقیید نہیں ہے۔ رہے وہ موجودات جنہیں عرف عام میں ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دوسرے فریق صوفیاء کی طرح وہمی وخیالی نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی واقع میں موجود ہیں مگر اسی واجب تعالیٰ کے اسی وجود مطلق کے ساتھ۔

اسی طرح تمام موجودات (یا عرف عام کے ممکنات) عین باری تعالیٰ ہیں اور اسی کے وجود کے ساتھ موجود ہیں اور وجود مطلق لابشرط شئی ہے۔ اس نئے مذہب کے اختراع کے ساتھ انہوں نے اس معاشرتی اشکال کو مندفع کردیا جو دوسرے فریق کے یہاں ممکنات کو اوہام وخیالات سمجھنے سے پیدا ہوجاتا تھا،جس کی وجہ سے نیکی وبدی کا امتیاز ہی مٹ رہا تھا اور اباحت مطلقہ کی ترویج واشاعت کا راستہ صاف ہورہا تھا۔

اس لیے انہوں نے اس وجود مطلق لابشرط شئی کے ظہور کے لئے دومرتبہ اختراع کیے:

۱۔ مرتبہ اطلاق جس میں وہ جملہ قیود وشرائط سے خالی اور متعالی ہے۔ اس مرتبہ میں وہ وجود مطلق معبود ہے۔

۲۔ مرتبہ تقید جس میں وہ تعینات وتشخصات سے متصف ہوتاہے ۔ یہاں وہ عابد وبندہ اور معبود حقیقی کے جملہ اوامر نواہی کے بجالانے کے لئے مکلّف ہے۔ اس طرح انبیاء و رسل کی بعثت وارسال اور کتب مقدسہ الٰہیہ کے نزول وانزال کی ضرورت وافادیت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

وحدت الوجودیا (Pantheism) کی اس توجیہ کی رو سے عابد ومعبود اور آمر ومامور میں واجب تعالیٰ مرتبہ اطلاق میں وجود مطلق سے متصف ہے مگر ممکنات مرتبہ تقیید میں اس سے متصف ہیں مصنف فرماتے ہیں کہ:

''مخفی نہ رہے کہ اس عینیت میں وجود کا شعور بڑے سخت مجاہدہ اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔'' (وایں عینیت مخفی می ماند وبعد مجاہدہ وریاضت منکشف می شود۔)

اس کے بعد وہ وحدت شہود کی حقیقت بتاتے ہیں یہ ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے، جس کے نتیجے میں دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اس نور کے بریق ولمعان میں عرش سے لے کر فرش تک

جملہ ماسوای باری تعالیٰ اسی طرح چھپ جاتے ہیں جس طرح سورج کی روشنی میں دوسرے ستارے نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح ماسوائے باری تعالیٰ جملہ ممکنات موجود حقیقتاً موجود ہیں مگر وحدت الشہود کی روسے عارف کی نظر میں نابود محض ہوجاتے ہیں۔ اور اسے صرف ذات باری تعالیٰ شانہ ہی کا شعور باقی رہ جاتا ہے۔

یہ تمہید تھی جسے مصنف علام نے نظریہ وحدت الوجود کی عقلی توجیہ کے لئے قائم کیا تھا۔انہوں نے اس طول طویل تمہید کا خلاصہ آخر میں بدیں طور دیا ہے:

اللہ ۔علم ہے ذات واجب الوجود کے لئے اور اس ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔

ا۔حکماء ومتکلمین کے نزدیک یہ ذات مستجمع الصفات جزئی حقیقی ہے اور جملہ موجودات حقیقہ موجود ہیں اور واجب تعالیٰ سے مبائن ومغائر ہیں۔

۲۔صوفیاء کرام کے اس باب میں دو گروہ ہیں:

(الف) ایک گروہ واجب تعالیٰ کو جزئی حقیقی قرار دیتا ہے اور موجودیت کو صرف اسی ذات واجب تعالیٰ میں منحصر گردانتا ہے۔ رہے ممکنات تو وہ واہمۂ محض ہیں اور ان کا وجود اعتباری ہے۔

(ب) دوسرے گروہ کے نزدیک واجب الوجود کی حقیقت وجود مطلق ہے جو نہ عام ہے نہ خاص، اور تمام شرائط و قیود سے منزہ متعال ہے۔ رہے ممکنات (یا عالم خارجی) تو وہ بھی اسی وجود مطلق کے ساتھ موجود ہیں (مگر مرتبہ تقید ہیں)۔ اس طرح واجب وممکن من وجہ عین یکدیگر ہیں اور من وجہ ایک دوسرے کے غیر ومبائن۔

مصنف اسی توحید کو اختیار کرتے ہیں کیوں کہ یہ جامع شریعت وطریقت ہے اور سرموجادۂ مستقیم سے متجاوز نہیں ہے ۔ اس خلاصہ مقال کے بعد انہوں نے نفس مسئلہ یعنی نظریۂ وحدت الوجود کے اثبات کو لیا ہے، مگر یہاں انہوں نے منطقی ثبوت کے بجائے تمثیل سے کام لیا ہے ۔ اور واجب تعالیٰ کو وجود مطلق ثابت کرنے کے لئے موجودات کے مراتب وجود کی صف بندی (Classification) کی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے پہلے اشیاء منورہ کے اشراق درخشانی کی صف بندی کی ہے۔ ان اشیاء منورہ کی نورانیت میں تین مراتبہ ہیں:

مرتبہ اوّل جب کہ دو روشن چیزیں نور سے منور ہوں جنہیں اپنے علاوہ کسی غیر سے حاصل کیا ہو جیسے وجود زمین کہ وہ نور سے روشن ہوتی ہے، جسے وہ سورج سے حاصل کرتی ہے۔منوریت کا یہ

ادنیٰ مرتبہ ہے۔

ظاہر ہے اس مرتبہ میں شئے منور سے نور کا انفکاک ذہناً وخارجاً جائز واقع ہے۔ ہم یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ زمین موجود ہو مگر اندھیری یعنی روشنی معدوم ہو اور واقعتاً بھی ایسا ہوتا ہے کہ رات کے وقت زمین موجود ہوتی ہے مگر اندھیری اور نور سے خالی۔

مرتبہ دوّم: شئے منور ایسے نور سے روشن ہو جو خود اس کی ذات کا مقتضیٰ ہو، کسی غیر سے حاصل ومستفادہ نہ ہو، بایں ہمہ وہ شے عین نور نہیں ہوتی۔ اسکی مثال خود سورج ہے کہ اسکی روشنی خود اسکی ذات کا مقتضیٰ ہے بایں ہمہ سورج اور شئے ہے اور اسکی روشنی شئے دیگر۔

اس طرح یہ نور آفتاب خارج میں آفتاب سے جدا اور منفک نہیں ہوسکتا، مگر چونکہ نور آفتاب کا غیر ہے اس لئے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہے یا بالفاظ دیگر ذھنا نور کا آفتاب سے انفکاک ممکن ہے اگر چہ خارج میں یہ جائز نہیں۔

مرتبہ سوم: شئے منور خود اپنے ہی نور سے روشن ہو اور اپنی نورانیت میں کسی اور چیز کی محتاج نہ ہو، اس کی مثال خود نور کی ذات سے ہے کہ اپنی ذات ہی کی بنا پر منور ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں ظاہر وعیاں ہے اور اپنے ظہور کے لئے کسی دوسرے نور کا، جو اس کے کسی غیر سے حاصل ہو، محتاج نہیں ہے۔ اس نور کا انفکاک خود سے نہ خارجاً جائز وممکن ہے اور نہ ذہناً کیوں کہ شئی اپنی ذات سے منفک نہیں ہوسکتی۔

ان مراتب سہ گانہ کا ایک مرتبہ پھر گوشوارہ دیتے ہیں:

مرتبہ اوّل میں وہ روشن چیز منور بالغیر ہوتی ہے جیسے کہ زمین جو سورج کے نور سے منور ہے۔ یہاں تین چیزیں ہیں، زمین روشنی اور آفتاب اور تینوں باہم متغائر ہیں۔

مرتبہ دوّم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے جیسا کہ آفتاب منور بالذات ہوتا ہے مگر وہ نور غیر سے حاصل ہوتا ہے یعنی نور سے اس مرتبہ دو چیزیں ہوتی ہیں آفتاب اور نور جو دونوں باہم مغائر ومبائن ہیں۔

مرتبہ سوم میں وہ روشن چیز منور بالذات ہوتی ہے مگر جس نور سے وہ منور ہوتی ہے وہ خود اس کی ذات ہی ہوتی ہے یعنی نور۔ اور وہ مرتبہ افضل نورانیت ہے۔

اسی تمثیل کی بنیاد پر مصنف نے موجودات کی صف بندی کی ہے۔

مرتبہ اول میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اسے موحد سے حاصل ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں تین چیزیں ہیں موجود، وجود اور موجد۔ اس مرتبہ میں موجود اپنے وجود سے خارجاً نیز ذہناً منفک اور جدا ہوسکتا ہے۔

مرتبہ اوسط میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو اس کی ذات کا مقتضیٰ ہوتا ہے، جس طرح متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ جو بذات خود مقتضیٰ وجود ہے۔ اس مرتبہ میں صرف دو چیزیں ہوتی ہیں: موجود مقتضیٰ اور وجود جو اس موجود حقیقی (واجب الوجود) کا مقتضیٰ ہے اور ان دونوں میں خارجاً انفکاک ناممکن ہے اگرچہ ذہناً ممکن ہے۔

مرتبہ اعلیٰ میں موجود اس وجود سے متصف ہوتا ہے جو خود ذات موجود کا عین ہوتا ہے۔ یہ وجود نہ اس موجود اعلیٰ کا غیر ہے اور نہ اس کے غیر سے مستفادہ ہے، اس لئے اس مرتبہ میں نور کی طرح ایک ہی چیز ہے یعنی وجود مطلق اور اسی طرح یہاں بھی وجود مطلق کا خود اپنے وجود سے انفکاک خارج اور ذہن دونوں میں محال اور نا قابل انفکاک ہے۔ یہ موجودیت کا افضل ترین مرتبہ ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ عقل حاکم ہے کہ واجب تعالیٰ مراتب وجود کے ساتھ متصف ہو اور موجودیت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ بنفسہ وبذاتہ موجود ہو یعنی اپنی ہی ذات کے ساتھ موجود ہو اسطرح دوسری اشیاء کی موجودیت اس کی محتاج ہو۔ اور موجود بنفسہ وجود مطلق ہے جس کی تفصیل اوپر گزری ہے۔

پس واجب تعالیٰ عین وجود مطلق ہے جو مرتبہ اطلاق میں معبود اور مرتبہ تقلید وتنزل میں عابد ہے۔ آخر میں اس تمام استدلال کا خلاصہ بدیں طور بیان کرتے ہیں:

''چاہیے کہ واجب تعالیٰ اتم وافضل ترین مراتب وجود سے متصف ہو مگر وہ اتم وافضل ترین مرتبہ موجودیت صرف وہ وجود ہے جو بنفسہٖ موجود ہے، جو اپنی موجودیت میں کسی دوسری شئے کا محتاج نہیں ہے۔ پس حقیقت واجب نہیں ہے مگر وجود مطلق جو موجود بنفسہ ہے اور باقی جملہ اسی سے موجود ہوتی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ واجب الوجود مطلق ہے جو بنفسہ موجود ہے اور باقی دوسری اشیاء اسی وجود سے موجود ہیں جیسا کہ نور جو بنفسہ روشن ہوتا ہے اور تمام دوسری اشیاء اس سے روشن ہوتی ہیں۔ اپنے موقف کو زیادہ مستحکم بنانے کے لئے مصنف نے رسالہ کا اختتام شواہد قرآنی سے کیا ہے، مگر ان

کی تفسیر وتاویل میں اہل شریعت سے اختلاف ہوسکتا ہے اس لئے ان کے بیان سے صرف نظر کرنا ہی مستحسن ہوگا۔ آخر میں صاحب اعیان الشیعہ کے اس تبصرہ کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں انہوں نے مصنف کی فلسفیانہ کتابوں کو دینی اور دینی کتابوں کو فلسفیانہ کہا ہے۔ فرماتے ہیں: ''نحق ان نعد کتبه الفلسفية كتبادينيه و نعد كتبه الدينيه كتبا فلسفية۔'' اور یہ واقعہ ہے کہ اس کڑی کمان کو زہ کرنا جس میں نہ تو شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے اور نہ حکیمانہ تحقیق میں کوئی کوتاہی رہنے پائے اپنی جگہ ایک اہم علمی ودینی کارنامہ ہے، جس کے لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:

درکفی جام شریعت درکفی سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

حوالے:

۱۔ محسن امین اعیان الشیعہ ۴۵/ ۱۰۰۔
۲۔ ملا محمود شمس بازعہ ص ۲۵۳
۳۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۲۶/۱۴) مطبوعہ تہران
۴۔ خوانساری ، روضات الجنات ص ۳۳۱۔
۵۔ محسن امین اعیان الشیعہ (۵۴/ ۱۰۰)

☆

ارشاد الطالبین

(شیخ جلا الدین تھانیسری)

☆ ڈاکٹر ظفر الاسلام
شعبۂ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

عہد وسطیٰ کے صوفیاء کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ تصوف سے دلچسپی لینے والے لوگوں کے لئے بالعموم اور اپنے شاگردوں کی تعلیم کیلئے بالخصوص رسالے یا کتابیں تالیف کیا کرتے تھے۔ یہ کتابیں مختلف عنوانات کے تحت، جن سے ان کی تالیفات کے اصل مقاصد کا اظہار ہوتا ہے، پائی جاتی ہیں مثلاً آداب الطالبین ، ہدایت الطالبین، ارشاد الطالبین ، مصباح الطالبین، آداب المریدین ، ارشاد المریدین ، انور السالکین، ارشاد السالکین وغیرہ۔ ان میں سے ''ارشاد الطالبین'' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، میں ''ارشاد الطالبین'' نام کے پانچ[۱] مخطوطے ہیں، جو مختلف مصنفین کے ہیں ان میں شاہ برہان الحق شاہ کبیر شطاری ،مخدوم آخوندہ درویش تنگہاری (م ۱۶۳۹ء) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م۱۵۱۰ء) شیخ جلال الدین تھانیسری بن محمود العمیر ی[۲] (م ۱۵۸۲ء) کا تعلق سلسلہ چشتیہ کی صابری شاخ سے تھا۔

شیخ جلال الدین تھانیسری ، شیخ عبد القدوس گنگوہی (۳۷ ۱۵ء/۱۴۵۶ء) کے اہم شاگردوں اور ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ آپ کے ان کے ساتھ گہرے تعلقات کا ثبوت مکاتیب قدوسیہ سے ملتا ہے، جس کے زیادہ تر خطوط کے مخاطب شیخ جلال الدین ہیں۔

مولانا آزاد لائبریری میں شیخ جلال الدین کے رسالہ ''ارشاد الطالبین'' کے تین نسخے ہیں، جن میں سے دو ذخیرۂ سلیمان (تصوف فارسیہ نمبر ۱۰ / ۱۱۰ اور ۱۱/ ۱۱۱) اور ایک یونیورسٹی کے ذیلی ذخیرہ (نمبر ۲۰) میں ہے۔ ذخیرہ سلیمان کے نسخے ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۸ء کے مکتوبہ ہیں۔ یونیورسٹی ذخیرہ کے نسخہ پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے قدیم نسخہ ہے۔ اس بات کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ ذخیرۂ سلیمان کے ایک نسخے میں کاتب (معراج الدین قادری پانی پتی) نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس نے اسے اپنے روحانی استاد سید غوث علی شاہ قادری پانی پتی (م

۱۸۸ء) کے نسخے سے نقل کیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یونیورسٹی ذخیرہ کے غیر مطبوعہ نسخے کی جلد کے ساتھ تذکرہ غوثیہ کا ایک نسخہ بھی شامل ہے، جو سید غوث کی سوانح ہے۔ یہ ان کے شاگرد گل حسن شاہ کی تصنیف ہے۔ اس طرح یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یونیورسٹی ذخیرہ کا یہ نسخہ وہی نسخہ ہے جس سے ذخیرہ سلیمان کے نسخہ کو نقل کیا گیا، جس کا حوالہ اس نسخہ کے کاتب نے دیا ہے۔

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قدیم چشتی صوفیاء کی طرح آپ سیاسی حکمراں سے تعلقات رکھنے کے مخالف نہیں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کم سے کم دوبار آگرہ کے شاہی دربار میں تشریف لے گئے تھے۔

شاہی دربار میں پہلی بار آپ شیخ عبد القدوس ۳ کے ایماء پر ان کے فرزند کے ساتھ ہمایوں کے دربار میں بادشاہ سے عطیہ کی درخواست لے کر گئے تھے۔ ۴ دوسری بار آپ تھانسیر کے عطیہ پانے والوں کا مقدمہ لے کر ۱۵۶۱ء میں اکبر کے دربار میں تشریف لے گئے تھے ۵ خود اکبر بھی ۸۱ ۱۵ء میں کابل جاتے ہوئے ابو الفضل کے ساتھ شیخ جلال کی خدمت میں آیا تھا اور تصوف سے متعلق چند اصولوں پر آپ سے گفتگو کی تھی۔ ۶

شیخ جلال کا انتقال ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ / ۹ جنوری ۱۵۸۲ء میں تھانیسر میں ہوا۔ ۷ نظام تھانیسری، عبد الشکور قاضی محمد اور سلیم کیرانوی آپ کے قابل ذکر شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ عبد البشیر آپ کے اکلوتے بیٹے تھے جو، غوثی شطاری کے مطابق، آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ۸ ''ارشاد الطالبین'' کے علاوہ ''رسالہ ربیع اراضی ۹'' اور ''رسالہ تفسیر والتین'' ۱۰ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بہت سے ماخذوں ۱۱ میں ان کے ایک ''مکتوبات کے مجموعہ'' کا بھی حوالہ ملتا ہے لیکن ہمیں ایسا ہی کوئی مجموعہ مخطوطہ یا مطبوعہ کسی شکل میں بھی دستیاب نہیں ہوا۔ ''تذکرہ اولیاء ہند'' کا مصنف ''ارشاد الطالبین'' کو ان کے مکتوبات کا مجموعہ بتاتا ہے، ۱۲ غلط ہے۔ ''نزہۃ الخواطر'' کے مصنف نے ''ارشاد اللطیف'' نامی ایک تصنیف کو آپ سے منسوب کیا ہے ۱۳ لیکن کسی اور تذکرہ نگار نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے، نہ ہی معروف لائبریریوں کے کیٹلاگ میں ایسے کسی مخطوطے کا تذکرہ ملتا ہے۔

''ارشاد الطالبین'' میں ۷۳ فصلیں ہیں۔ یہ رسالہ اصلاً مؤلف کے استاد اور مرشد شیخ عبد القدوس (جن کے بارے میں مؤلف نے خود رسالہ کے آغاز میں واضح کردیا ہے) کے ملفوظات اور

تعلیمات پر مشتمل ہے ۔ کتاب کے بیشتر حصّہ میں تصوف کے اصول وضوابط ، ذکر کی اہمیت او راس کے مختلف طریقوں ، مراقبہ اور و رد کا بیان ہے ، ساتھ ہی تقرب الٰہی کے سلسلے کی خاص عبادتوں اور ریاضتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ مزید براں اس میں معرفت حق ، مرشد کی اہمیت ، شریعت کی پیروی کے سلسلہ میں صوفی کے فرائض ، قرآن کی تعلیمات کی اہمیت اور عام لوگوں ، صوفیاء اور علماء کے مختلف طبقات جیسے چند اہم موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔

معرفت حق پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے ،شیخ جلال الدّین فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے چنانچہ انہوں نے قرآن کی مشہور آیت کی تفسیر اسی نقطہ نظر سے پیش کی ہے۔ آپ کی نظر میں وہی لوگ سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں جنہیں یہ دولت حاصل ہوگئی ہے۔ (''ارشاد الطالبین'' اوراق ا، ب ۔ ۲ ،الف) ایک روحانی مرشد سے منسلک رہنے کی ضرورت پر بھی آپ کی رائے بالکل واضح ہے کہ شریعت کی اتباع کرنے والے اور شریعت اور طریقت کے تقاضوں سے پوری طرح واقفیت رکھنے والے کسی شخص کی ''ہدایت وصحبت'' کے بغیر ایک طالب حق کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا بہت مشکل ہے (ورق ۲ ب) اس بات کی تائید بھی انہوں نے قرآن کی ایک آیت سے کی ہے۔ شریعت کی اتباع کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تصوف کے راستے کا پہلا قدم ہے۔ آپ کے خیال میں شریعت کے فرائض نماز، زکٰوۃ ، روزہ اور حج کی ادائیگی ، خدا کی محبت اور فرماں برداری کی روح ہے۔ اس لیے کہ یہ باتیں انسان کی باطنی وخارجی پاکیزگی کا باعث بنتی ہیں اور اسے گناہ اور برائیوں سے باز رکھتی ہیں (ورق ۲ب) سالک یا طالب کے لئے دوسری اہم بات جو شیخ جلال نے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ دل کو بری عادتوں اور غلط قسم کے جذبات مثلاً حسد وجلن ، دشمنی ، غرور، لالچ ، دنیاوی چیزوں کی لالچ اور جاہ ومرتبے کی خواہش سے پاک وآزاد رکھنا (اور اق ۲ب ، و۔ ۳ الف) یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ جلال کے خیال میں شریعت اور طریقت کا اصل مقصد نفس کی پاکیزگی اور باطن کو اچھائیوں اور اعلیٰ اقدار سے سنوارنا ہے)ورق ۳ الف) آپ کے خیال میں شریعت اور طریقت میں فرق کو چھلکے اور گودے کی حیثیت سے واضح کیا جاسکتا ہے (ورق ۳ب) یہ بات ذہن نشین رہے کہ آپ نے باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ قرآن کی تعلیمات ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت آپ نے استعارہ کے طور پر اس طرح کی ہے کہ انسان مریض ہیں، خدا کے پیغمبرؐ ان کے ڈاکٹر ہیں اور قرآن مختلف قسم کی ادویہ کا

خزانہ ہے۔ (اوراق ۴ب/۵ الف) یہاں وہ قرآن کی آیت کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں بھی وہ اس دوا کے استعمال کے سلسلہ میں ایک روحانی مرشد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول اکرمؐ کے بعد پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ بند ہوگیا ہے (اوراق ۴ ب ۱۔۵ الف وب) شیخ جلال یقیناً مسلم علماء کی اس متفقہ رائے سے متفق تھے کہ علماء انبیاء کے وراث ہیں جیسا کہ واضح طور پر یہ بات ایک حدیث میں آئی ہے، لیکن وہ علماء کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی علمائے آخرت اور علمائے دنیا اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث علماء آخرت کے سلسلہ میں ہے۔ (اوراق ۵۔الف) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ صوفیاء کو بھی علماء آخرت کے طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ مزید برآں علماء کے مختلف طبقوں کے سلسلے میں آپ نے جو بحث کی ہے، اس سے سیاسی حکمرانوں کے ساتھ آپ کے رویہ کے دلچسپ پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ وہ علماء جو حکمراں بادشاہ (ملوک) کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور ان سے تعلق رکھتے ہیں، علماء دنیا کا ہی ایک حصّہ ہیں (ورق ۵ ، الف)۔ اس طرح قدیم چشتی صوفیاء کی طرح آپ سیاسی حکمرانوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے حامی نہیں۔

بہرحال جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ آپ کم از کم دوبار شاہی دربار میں تشریف لے گئے تھے اور یہ کہ آپ نے اکبر سے ملاقات کی تھی ۔ جب وہ آپ کے پاس تھانیسر ابو الفضل کے ساتھ گیا تھا تو اس روشنی میں آپ کے خیال اور عمل میں ایک تضاد ملتا ہے۔ مزید برآں اپنی کتاب ''رسالہ دربیع اراضی'' میں مغل ہندوستان میں غیر منقولہ جائداد کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے آپ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ایسے معاملات ہیں جو فقہا کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ حکمراں بادشاہ کو اس میں اجتہاد کا حق حاصل ہے ۔ آپ نے اپنی اس رائے کا اظہار تقریباً اسی انداز میں کیا ہے جیسا کہ اکبر کے دور حکومت میں جو مشہور' محضر' ہوا تھا اس میں درج ہے [۱۴] میرے خیال میں اس تضاد میں تطابق کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ شیخ جلال کے بارے میں یہ کہا جائے کہ آپ ان علماء کے مخالف تھے جو بادشاہوں کا تقرب حاصل کرتے تھے اور دربار کا ایک حصہ بن گئے تھے اور حکمرانوں کو خوش کرنے کیلئے شریعت کے قوانین کا لحاظ کیے بغیر اپنی آرا کا اظہار کیا کرتے تھے ۔ آپ معقول مقاصد کیلئے یا عوام کے مفاد میں حکمرانوں سے ملاقات کے مخالف نہیں تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ آگے چل کر یہ ریاست اور اس کے نمایندوں کے سلسلہ میں چشتی صوفیاء کے رویہ میں ایک تبدیلی رونما ہوئی

تھی اور وہ اس مسئلہ پر زیادہ سختی سے کاربند نہیں تھے۔

جہاں تک تصوف کے بنیادی اصولوں کے سلسلہ میں شیخ جلال کے خیالات کا تعلق ہے تو، جیسا کہ ارشاد الطالبین سے پتہ چلتا ہے، آپ نے معرفت محبت الٰہی، غور وفکر، تقرب الٰہی اور عبادت کو محض رضاء الٰہی و وسیلۂ اورحق کا ذریعہ بنانے پر زور دیا ہے۔ (اوراق ۵۔ الف ب۔۲۷، الف ب)

ان اصولوں کی حصولی کیلئے متعدد قسم کے اذکار' اور ادوار ووظائف اور خدا کی یاد میں اپنے دل کو مستقل طور پر پابندی سے لگادینے کرنے والے کو آپ نے بتایا ہے۔صحیح معنوں میں صوفی ہیں۔ آپ نے تصوف کے اصول واعمال کی وضاحت بار بار مختلف مثالوں کے ذریعہ کی ہے اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہبی طبقہ کے جو مختلف گروہ ہیں ان میں سب زیادہ برتر صوفیاء کا گروہ ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہی گروہ خدا کا محبوب اور اس کا مقرب گروہ ہے۔ اس بات کا اظہار اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے طالب حق کے مختلف طبقات، علماء اور عوام الناس کا تذکرہ کیا ہے اور ہر طبقہ میں صوفیاء کو اس طبقہ کے دیگر لوگوں پر فائق رکھا ہے۔ (اوراق ۳ ب۔۲۷، الف ب)مثال کے طور پر آپ نے جانوروں، فرشتوں اور نبیوں سے مشابہت کی بنیاد پر عوام کو تین بڑے طبقے میں تقسیم کیا ہے: وہ لوگ جو نبیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، ان کی تعریف آپ نے اس طور پر کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقصد صرف خدا ہے اور جن کے دلوں میں ذکر الٰہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو دنیا وی چیزوں سے اپنے دل کو موڑ کر مکمل طور پر خدا کے عشق میں ڈوب گئے ہیں (ورق ۲۷ ب) ظاہر ہے ایسے لوگوں سے ان کی مراد صوفیاء سے ہے۔

تصوف کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث اور متعلقہ مواد پر خوبصورت طرز بیان کے نقطہ نظر سے ارشاد الطالبین ایک اہم رسالہ ہے۔ ایک اہم اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مصنف نے قرآن اور حدیث کے حوالے بکثرت دیئے ہیں اور اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذوں کی بنیاد پر ہی اپنے نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کو تدوین وتعارف کے ساتھ شائع کیا جائے۔

(حوالے صفحہ نمبر ۲۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔)

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں

پروفیسر خلیق احمد نظامی

چشتیہ سلسلہ کے دور ثانی کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ جب سلطنت دہلی کا مرکزی نظام تباہ ہوا تو بنگال، دکن، مالوہ، جونپور اور گجرات میں خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ اسی طرح جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہوئیں۔ اس لامرکزیت سے بعض شدید نقصانات ضرور ہوئے لیکن ایک ایسا زبردست فائدہ بھی ہوا جس نے ان سب نقصانات کی تلافی کردی۔ اور وہ یہ کہ ان علاقوں میں اسلامی تہذیب وتمدن کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور اس سے قبل جو تمدنی عظمت صرف دہلی کو حاصل تھی وہ اب پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو اور احمد آباد کو بھی حاصل ہوگئی، اور اسلامی ہند کا بہت سا بہترین لٹریچر ان ہی علاقوں میں پیدا ہوا۔

ان آزاد صوبائی حکومتوں کے کارناموں سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان حکومتوں کے وجود میں آنے سے قبل چشتیہ سلسلہ کے مشائخ نے ان علاقوں میں ایک زبردست تمدنی انقلاب پیدا کردیا تھا۔ شاید یہ حکومتیں کبھی وجود میں نہ آسکتیں اگر اولیاء کرام ان علاقوں میں بس کر مختلف تمدنی عناصر کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ بنگال گجرات، مالوہ، دکن وغیرہ میں جو آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں ان کے پیچھے ایک مضبوط معاشرہ نظر آتا ہے۔ یہ معاشرہ کس طرح وجود میں آیا؟ اگر تاریخ کے اشاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ سماجی نظام مشائخ چشت کی کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔ انہوں نے ان علاقوں میں بسنے والے مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں میں اتحاد عمل اور اتحاد فکر پیدا کیا۔ اور ان منتشر طبقوں کو ایک ایسے سماجی رنگ میں رنگ دیا جس نے ایک مضبوط معاشرہ کی شکل اختیار کرلی۔

ان بزرگوں کی خانقاہوں میں ہندو اور مسلمان سب ہی جمع ہوتے تھے۔ ان مشائخ نے

اختلافات کے پردوں کو ہٹا کر ان میں ہم دلی اور ہم زبانی پیدا کی۔ اور ایسا خوشگوار سماجی ماحول پیدا کیا کہ ہر صوبے کا یہ سماجی نظام اپنے مضبوط معاشرہ کو ایک مضبوط سیاسی نظام کی شکل میں ظاہر کرسکا۔

بنگال:

بنگال کو مسلمانوں نے فتح تو ۹۸۔ ۱۱۹۷ء میں کرلیا تھا لیکن عرصہ تک اس کی حالت بقول ابن بطوطہ ''جہنم پر از نعمت'' کی سی رہی۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ وہی بنگال علم وفن کا ایک زبردست مرکز بن گیا۔ اس کے گوشہ گوشہ میں مدرسے اور خانقاہیں قائم ہوگئیں۔ بنگال کا بحری سلسلہ عرب کے سواحل اور عجم کی بندرگاہوں سے متصل ہوگیا اور شیراز تک یہ آواز بلند ہونے لگی!

حافظ زشوق مجلس سلطان غیاث الدین
خامش مشو کہ کارتو از نالہ می رود

اس تبدیلی کو سمجھنے کے لئے بنگال کے تمدنی انقلاب پر غور کرنا چاہئے۔

تیرھویں صدی کے آخری یا چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی سال تھے کہ لکھنوتی سے ایک عقیدت مند سراج الدین نامی حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علم سے تہی دست لیکن یقین کی دولت سے مالا مال۔ عرصہ تک اس طرح شیخ کی خدمت میں رہا کہ جب سال تمام ہوجاتا تو اپنی والدہ سے ملنے کے لئے لکھنوتی کا سفر کرتا۔ پھر واپس آجاتا اور شیخ کی ملازمت کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا۔ جب حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مریدین کو خلافت سے سرفراز فرمانے لگے تو لوگوں نے اس کا نام بھی پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا: '' اس کام میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے۔''[۲] اس شخص کے خلوص لیکن محرومی کو دیکھ کر مولانا فخرالدین زرادیؒ کو رحم آ گیا اور انہوں نے چھ مہینے کے اندر اس کو عالم متبحر بنانے کا دعویٰ کیا اور ایسا کردکھایا، تحصیل علم کے بعد جب انہیں شیخ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے '' آئینہ ہند'' کا خطاب دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ صاحب روضۂ اقطاب نے صحیح لکھا ہے:

''الحق کہ وی آئینہ ہند بود کہ تمام ہند از وی رونق ارشاد او ہدایت بیفزود دو طریق معرفت و ولایت

سچ تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے لئے آئینہ کی مانند تھے۔ تمام ہندوستان میں ان سے رشدو ہدایت کی رونق

روئے نمود، اگرچہ جمیع خلفاء سلطان المشائخ صاحب مقامات عالی بودند، اماں ازاں ہا شیخ نصیر الدین محمود کہ چراغ دہلی و شیخ سراج الدین کہ آئینہ ہند است چاشنی دیگر داشتند، و ازیں دو بزرگ بسے مردماں صاحب تکمیل و ارشاد پیدا آمدند'' ۳

بڑھ گئی اور معرفت وولایت کے طریقوں کا انکشاف ہوا۔ اگر چہ سلطان المشائخ کے سب خلفاء اعلیٰ مقامات کے حامل تھے، لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ جن کو چراغ دہلی کہاجاتا ہے اور شیخ سراج الدین جو آئینہ ہند ہیں ، کچھ اور ہی چاشنی رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے دامن تربیت سے بہت سے صاحب ارشاد پیدا ہوئے۔

شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج ، اپنے شیخ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تک دہلی ہی میں مقیم رہے ، جب محمد بن تغلق نے مشائخ کو جبراً دیو گیر بھیجنا شروع کیا ، تو وہ اپنے وطن لکھنوتی چلے گئے اور کچھ کتابیں محبوب الہیؒ کے کتب خانے سے بجہت مطالعہ و بحث'' ۴ ساتھ لے گئے—— شیخ اخی سراجؒ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے سرزمین بنگال پر چشتیہ سلسلہ کی تنظیم کی، اور یہ چھوٹا سا کتب خانہ بنگال میں چشتیہ سلسلہ کا پہلا کتب خانہ تھا۔

بنگال میں چشتیہ سلسلہ کی نشرواشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترویج وتبلیغ حضرت اخی سراجؒ اور ان کے مریدین کے ذریعے سے ہوئی۔ میر خورد کا بیان ہے:

''وآں دیار را بجمال ولایت خود بیار است وخلق خدائے را دست بیعت دادن گرفت ، چناں کہ بادشاہان آن ملک داخل مریدان او آمدند.... روضۂ او قبلۂ ہندوستان است، وخلفائے او تا ایں غایت درآن دیار خلق خدا را دست می دہند'' ۵

اور اس مقام کو اپنے جمال دلایت سے سجادیا۔ اور خلق خدا ان سے بیعت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس ملک کے فرمانروا بھی ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہوگئے۔ ان کا روضہ قبلۂ ہندوستان ہے۔ اور ان کے خلفاء اب تک اس علاقہ میں خلق خدا کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت اخی سراجؒ کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شیخ علاء الحق والدین بن اسعد بنگالیؒ ۶ تھے۔ وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۔حضرت اخی سراج کی صحبت سے ایسے متاثر ہوئے

کہ فقر کی زندگی اختیار کرلی اور پنڈوہ میں ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ دور دور سے لوگ کھینچ کر وہاں جمع ہونے لگے۔ شیخ علاء الحقؒ کے بعد ان کے خلفاء حضرت نور قطب عالمؒ ۷ اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ۸ نے سلسلہ کو مقبول عام بنانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ حضرت نور قطب عالمؒ شیخ علاء الحقؒ کے فرزند رشید تھے۔ جس زمانے میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی۔ راجہ کنس (جو بٹھوریہ، ضلع راج شاہی کا جاگیر دار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا۔ حضرت نور قطب عالمؒ نے براہ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سید اشرف جہانگیرؒ کے مجموعہ مکتوبات ۹ میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں، جن میں اس سیاسی کش مکش کی تفصیل درج ہے۔ ۱۰ سید اشرف جہانگیرؒ نے جو خط حضرت نور قطب عالمؒ کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا، وہ بنگال میں صوفیۂ کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

ان سیاسی کارناموں سے قطع نظر حضرت نور قطب عالمؒ نے بعض اہم علمی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ ان کے مکتوبات کا مجموعہ بڑا اہم ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ان مکتوبات کے متعلق فرماتے ہیں'' بغایت شیریں ولطیف بزبان اہل درد ومحبت۔'' اگر ان مکتوبات میں سے شیخ نور قطب عالمؒ کے مذہبی فکر کے بنیادی اصول نکال کر ان کا چیتنا ۱۱ روپا، سناتن، جیوگوسوامی ۱۲ کی تعلیمات سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت نے بھگتی کی تحریک کو کس درجہ متاثر کیا تھا اور وہ کس حد تک بنگال کی ان اصلاحی تحریکوں کے ذمہ دار تھے۔

حضرت نور قطب عالمؒ کے ایک مشہور مرید اور خلیفہ مولانا حسام الدین مانک پوری ۱۳ تھے۔ شیخ محدث ان کے متعلق فرماتے ہیں:

''از اعیان مشائخ وقت خود بود، عالم بود بعلم شریعت وطریقت'' ۱۴

ان کے ملفوظات رفیق العارفین کے نام سے جمع کئے گئے ہیں۔ کہاجاتا ہے کہ ان کے ایک سو بیس خلفاء تھے ۱۵، جن میں (۱) سید حامد شاہ ابن سید راجہ شاہ مانک پوری (۲) سید مسعود ابن سید ظہیر الدین فتح پوری (۳) سید محمد امیر بدہا (۴) مولانا کمال الدین عزاللہ (۵) مولانا شہر اللہ ابو القاسم ملتانی (۶) شیخ نصیر الدین ملتانی ابن شہر اللہ، (۷) مولانا فرید الدین سالار عراقی (۸) شیخ احمد قنوجی (۹) معین الاسلام اودہی (۱۰) مولانا منہاج الدین بہاری (۱۱) مولانا جمال الدین

حسن (۱۲) شیخ ضیاء الدین یوسف داؤد کروی (۱۳) مولانا سوند ہو کروی (۱۴) مولانا محمد علاء الدین کروی (۱۵) شیخ شہاب مانک پوری المعروف بہ ارزانی شاہ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور قطب عالمؒ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں بنگال، بہار، جونپور وغیرہ میں قائم ہوگئیں۔

۲۔ دکن:

بہمنی سلطنت جس نے دکن کو سیاسی، تمدنی اور سماجی ترقی کی راہیں دکھائی تھیں۔ ۱۳۴۷ء میں علاء الدین بہمن شاہ کی کوششوں سے وجود میں آئی تھی۔ اس کی بنیاد پڑنے سے تقریباً بیس سال قبل سلطان محمد بن تغلق نے دہلی کے علماء ومشائخ کو جبراً ان علاقوں میں تبلیغ واشاعت کے لئے بھیج دیا تھا۔ ان مشائخ میں کثیر تعداد چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی تھی۔ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علاقہ جہاں کبھی سلطنت دہلی کا کامیاب تسلط نہ ہوسکا تھا، ایک ایسی سلطنت کا گہوارہ بن گیا، جس نے جنوبی ہندوستان میں عرصہ تک اسلامی علوم وفنون کی شمع روشن رکھی۔

کہاجاتا ہے کہ علاء الدین حسن بہمنی، صاحب اقتدار ہونے سے قبل ایک دن حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے محمد بن تغلق جو ان دنوں شہزادہ تھا شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہوا تھا۔ علاء الدین حسن ابھی دروازے ہی پر تھا کہ شیخ نے ایک ملازم کو اسے اندر لانے کے لئے بھیجا اور فرمایا:

''سلطانی رفت وسلطانی آمد''

پھر علاء الدین پر خاص التفات وکرم فرمایا اور ایک روٹی جو اپنے افطار کے لئے رکھی تھی، انگلی پر رکھ کر اس کو اس بشارت کے ساتھ دی:

''ایں چتر شاہی ست کہ پس از مدتے دراز ومحنت دروکن روزے نصیب تو خواہد شد'' ۱۶

مورخوں کا بیان ہے کہ جب علاء الدین حسن بہمنی تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلا حکم اس نے یہ دیا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی روح کو ایصال ثواب کے طور پر شیخ برہان الدین غریبؒ کے ذریعے فقراء ومساکین میں تقسیم کرادی جائے۔ ۱۷ اس طرح گویا بہمنی سلطنت خود مشائخ چشت کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔

پہلے چشتی بزرگ جنہوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا شیخ برہان الدین غریبؒ تھے ۱۸؎

حضرت محبوب الٰہیؒ کے وصال کے بعد وہ دیوگیر چلے گئے اور وہاں ارشاد وتلقین کا کام شروع کردیا۔ دکن میں آپ کی خانقاہ مرجع خاص وعام بن گئی اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ ان کی صحبت میں بڑی کشش اور الفاظ میں بڑی تاثیر تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

''ہر کہ یک ساعت بخدمت بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز اووصفائی محاورۂ دلفریب اوعاشق جمال گشتے، وبندگان خدای را در اعتقاد ومحبت پیر راہ نمونے بہتر از وکسے نبود۔'' ۱۹؎

شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات حماد بن عماد کاشانی نے احسن الاقوال ۲۰؎ کے نام سے جمع کئے ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ برہان الدین غریبؒ کے ایک مشہور خلیفہ شیخ زین الدینؒ تھے۔ علاء الدین حسین شاہ نے ان کے دست حق پر بیعت کرلی تھی۔ عصامی نے لکھا ہے:

از ان خرقہ دارد نصیبے تمام شہِ شیر دل خسرو نیک نام

شیخ زین الدینؒ کے ذریعے چشتیہ سلسلہ کی کافی اشاعت ہوئی۔ اسی زمانے میں چشتیہ سلسلہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید محمد گیسو درازؒ دکن پہنچے ۲۱؎۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے علماء و مشائخ اورلشکر شاہی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ ۲۲؎ حضرت گیسودرازؒ نے گلبرگہ میں چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی۔ شیخ محدث لکھتے ہیں:

''بعد از رحلت شیخ بدیار دکن رفت وقبولی عظیم یافت، اہل ایں دیار ہمہ منقاد ومطیع اوگشتند۔'' ۲۳؎

ان کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی جن میں شاہ ید اللہؒ شیخ علاء الدین گوالیاریؒ، شیخ ابوالفتح قریشیؒ، سید صدر الدین اودہیؒ، شیخ فخرالدین بغدادیؒ۔ شیخ محمد اکبر حسینیؒ، سید یوسف حسینیؒ، شیخ زادہ شہاب الدینؒ، قاضی محمد سلیمانؒ وغیرہم خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان خلفاء نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ خود حضرت گیسودرازؒ نے اپنی تصانیف ۲۴؎ کے ذریعے تصوف کے خیالات کوعوام وخواص تک پہنچایا۔ دکن میں چشتیہ سلسلہ کی نشر واشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریبؒ اور حضرت سید محمد گیسودرازؒ اور ان کے خلفاء نے انجام دیا۔ ان کی خانقاہیں جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح وتربیت کا مرکز تھیں۔ اور شاہ وگدا سب وہاں جمع ہوتے تھے۔

۳۔ گجرات:

سرزمین گجرات سے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کا تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانے میں قائم ہوا۔ قطب صاحبؒ کے دو مرید شیخ محمودؒ اور شیخ حامد الدین احمدؒ، نہروالہ کے باشندے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے تفصیلی حالات تذکروں میں نہیں ملتے ۔گلزار ابرار میں صرف چند سطریں ان کے متعلق لکھی گئی ہیں۔۲۵

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو پوری طرح روشناس کرنے کا کام حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مندرجہ ذیل خلفاء نے انجام دیا:

۱۔ شیخ سید حسینؒ، ۲۔ شیخ حسام الدین ملتانیؒ، ۳۔ شاہ بارک اللہؒ۔

شیخ سید حسینؒ صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے۔ ہدایہ پر حاشیہ لکھا تھا ۲۶ ایک روحانی اشارہ پر حضرت محبوب الٰہی سے بیعت ہوگئے۔ شیخ نے خرقۂ خلافت عطا فرما کر گجراتیوں کی ہدایت کے لئے روانہ فرمادیا۔ نہروالہ میں ایک تالاب کے کنارے ان کا مزار ہے۔ ۲۷ شیخ حسام الدین ملتانی کو پیرنے دہلی سپرد کیا تھا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں وہ مجبوراً نہروالہ چلے گئے، وہیں ان کا مزار ہے ۲۸ شاہ بارک اللہ کے متعلق مراۃ احمدی میں لکھا ہے:

مرید وخلیفہ حضرت سلطان المشائخ سلطان الاولیاء اند، مقبرہ ایشاں بیرون دروازۂ بدر نزدیک بارہ حاجی پور واقعست ۳۰

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کی باقاعدہ تنظیم اور نشرواشاعت کا کام علامہ کمال الدینؒ شیخ یعقوبؒ، شیخ کبیر الدین ناگوریؒ اور سید کمال الدین قزوینیؒ نے انجام دیا۔

علامہ کمال الدینؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) حضرت چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ علم وفضل میں ممتاز تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے۔

" تاابتدائے جوانی از فنون علمی بہرہ یاب گشتہ وعلم را مرور ایام تمام وکمال ساختہ، ہیچ علمے از وباقی نماندہ بود کہ در وکمالے بہم نرسانیدہ، و در علم تفسیر وفقہ وحدیث خطے وافر داشت ۔ درمیان علماء مفسران وفقہاء ومحدثان وغیرہ کہ درآن زمان علم علمی افراشتہ بودند، بعلامہ شہرت یافتہ ۔" ۳۱

ان کی اولاد میں برابر ایسے بزرگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے چشتیہ سلسلہ کو گجرات میں

قائم رکھا۔ علامہ کمال الدین کے بعد ان کے فرزند ارجمند شیخ سراج الدین سجادہ مشیخت پر بیٹھے۔ انہوں نے مولانا احمد تھانسیریؒ مولانا عالم پانی پتیؒ اور مولانا عالم سنگریزہؒ سے علوم ظاہری حاصل کئے تھے۔۳۱ فیروز شاہ بہمنیؒ نے انہیں دکن بلایا تو انکار کردیا اور فرمایا ''حق تعالیٰ مرا در گجرات ہر چہ ضرورت است عطامی فرماید''۳۲

۸۱۷ھ، ۱۴۱۴ء میں وصال ہوا۔ ایک شاگرد، مولانا ہمزہ گوریؒ نے مرثیہ لکھا:

امروز رفت علم ازین شہر چون عیان
امروز نیست آنکہ کند بزددی بیاں
مفتاح وہم مطالع وتوضیح وہم بدیع
آن کیست کو بگوید دردرس می توان

شیخ سراج الدینؒ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ علم الحقؒ سجادہ نشین ہوئے۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے ان کی ایک کرامت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''حضرت شیخ را کرامتے بود ہر کہ از کافراں وفاسقاں ومنکراں یک باردرصحبت اونشستے واز وکلام شنیدے وباہم کلام گشتے از افعال مذموم خود متنبہ گشتہ وتوبہ نمودہ مرید او شدہ'' ۳۳

حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑی کوئی کرامت ہی نہیں کہ ایک مرتبہ جو ہم کلام ہوجائے وہ اتنا بدل جائے کہ اس میں جرأت گناہ ہی نہ رہے۔

شیخ علم الحقؒ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمود المعروف بہ شیخ راجن سجادہ پر بیٹھے۔ پھر علی الترتیب شیخ جمال الدین جمنؒ شیخ حسن محمدؒ اور حضرت یحییٰ مدنیؒ سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم اور مرکزی کڑی وہی ہے جو حضرت کمال الدین علامہؒ کے ذریعے شیخ یحییٰ مدنی تک پہنچتی ہے۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ کے خلیفہ شاہ کلیم اللہؒ کے گجرات سے سلسلہ کا پودا لے جا کر دہلی میں نصب کیا اور اپنی مسلسل جدوجہد سے اسے ایسا پروان چڑھایا کہ پھر ایک بار دور اول کی رونق آنکھوں کے سامنے آگئی۔

شیخ یعقوبؒ ۳۴ (المتوفی ۷۹۸ھ، مولانا خواجگیؒ ۳۵ کے فرزند رشید اور شیخ زین الدین دولت آبادیؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا فصوص الحکم کا درس بڑی کیفیت کے ساتھ دیتے تھے۔ انتقال بھی درس ہی کی حالت میں ہوا۔ آپ کی خانقاہ

نہروالہ میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

شیخ کبیر الدین ناگوریؒ ۳۶ (المتوفی ۸۵۸ھ، ۱۴۵۴ء) شیخ حمید الدین صوفی سوالیؒ کے پوتے تھے ۔ ناگور کے حالات نامساعد پائے تو احمد آباد آکر اقامت گزین ہوگئے۔ ۳۷ ان کے ذریعہ سلسلہ کی تعلیم عوام وخواص تک پہنچی ۔علم وفضل کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ آپ نے مصباح النحو کی شرح لکھی تھی۔

سید کمال الدین قزوینیؒ (المتوفی ۸۸۱ء، ۱۴۷۶ء) حضرت گیسودرازؒ کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بہروچ میں خانقاہ تھی۔ جہاں ہزاروں گمراہانِ بادیۂ ضلالت روشنی حاصل کرتے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ جو چشتیہ سلسلہ کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ذریعے ہندوستان پہنچی تھی ۔ گجرات میں ایک بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے براہ راست مشایخ چشت سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ رکن الدین مودو بابافریدؒ کی اولاد میں تھے۔ ۳۸ چشتیہ سلسلہ میں شیخ محمد زاہدؒ ۳۹ سے بیعت تھے۔ تجرید وتفرید میں لاثانی تھے۔ ان کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہؒ تھے۔ جن کا حال شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار، محمد غوثی نے گلزار ابرار اور مرزا محمد حسن نے خاتمہ مراۃ احمدی میں لکھا ہے۔ ان کے فرزند شیخ رحمت اللہؒ سے سلطان محمود بیگڑہ بیعت تھا۔

ان بزرگوں نے گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو اس قدر شہرت بخشی کہ عارف وعامی سب ہی اس سے وابستہ ہوگئے ۔ شیخ علی متقیؒ ۴۰ جن کے علم وفضل کا سکہ عرب وعجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا، چشتیہ سلسلہ ہی سے تعلق رکھتے تھے ۔ چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام تباہ ہوجانے کے بعد صوبوں میں جو خانقاہیں قائم ہوئیں ان مین گجرات کی خانقاہوں کو ایک امتیازی شان حاصل ہے وہاں کے خانقاہی نظام میں مرکز کی کچھ خوبیاں باقی رہیں اور غالبًا یہ ہی وجہ تھی کہ شاہان مغلیہ کے آخری دور میں دہلی کے ایک نوعمر عالم اور درویش نے وہاں جاکر سلسلہ کی روایات کو اخذ کیا اور پھر دہلی میں آکر رواج دیا۔

۴۔ مالوہ:

مالوہ اور اس کے نواح میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مندرجہ ذیل خلفاء کے ذریعے ہوئی:

۱۔ شیخ وجیہ الدین یوسفؒ، ۲۔شیخ کمال الدینؒ، ۳۔مولانا مغیث الدینؒ۔

شیخ وجیہ الدین یوسفؒ، حضرت محبوب الٰہیؒ کے نہایت ہی مقرب اور مقبول خلفاء میں تھے۔شیخ نے ایک بار ان کے متعلق فرمایا تھا:

''در روش درویشی کسے ہمتائے مولانا یوسف نباشد، دریں راہ چوں سالکان ثابت قدم می رود'' ۴۱

درویشی کی روش میں کوئی مولانا یوسف کی نظیر نہیں ہے۔ وہ اس میں سالکان ثابت قدم کی طرح چلتے ہیں۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ عہد علائی میں ایک شخص چندیری کی فتح کے لئے سلطان کی طرف سے متعین کیا گیا۔ وہ حضرت محبوب الٰہی کا معتقد تھا۔شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

'' مرابادشاہ برائے مقامے قلب نامزد کردہ است اگر یارے از حضرت سلطان المشائخ نیز برمانا مزدشود۔ پناہ او برویم و امید فتح آں مقام واثق باشد'' ۴۲

حضرت محبوب الٰہیؒ نے شیخ وجیہ الدینؒ کو چندیری روانہ کردیا۔ انہوں نے وہاں سلسلہ کی ایک بڑی خانقاہ قائم کی۔حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ قاعدہ تھا کہ چندیری کا کوئی شخص بیعت کے لئے آتا تو شیخ وجیہ الدینؒ کے پاس بھیج دیتے اور فرماتے'' ہم چنین تصور کنید گوئے بریں فقیر پیوستید۔'' ۴۳

شیخ کمال الدینؒ ۴۴، شیخ نصر الدین بابا فریدؒ کے پوتے تھے۔حضرت محبوب الٰہیؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوگئے تھے۔شیخ نے انہیں ایک چنبیلی کا پھول دیا اور کہا تم مالوہ میں جا کر رہو، پیر کے فرمان کے بموجب انہوں نے مالوہ کا رخ کیا اور وہاں ارشادو تلقین میں مصروف ہوگئے۔ سلاطین مالوہ کو ان کے سلسلہ کے لوگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ سلطان محمود خلجی (م ۱۵۳۰ء نے شیخ کی قبر پر گنبد اور متعلقین سلسلہ کیلئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔

مولانا مغیث الدینؒ ۷۲۰ھ، ۱۳۲۰ء میں پیرو مرشد کی اجازت سے مالوہ آئے اور اجین میں دریا کے کنارے اقامت اختیار کرلی۔ وصال کے بعد وہیں مزار بنادیا گیا۔

ان تین بزرگوں نے چودھویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کو مالوہ میں روشناس کرایا۔ بعد کو چشتیہ سلسلہ کے کچھ اور بزرگ مثلاً قاضی اسحٰقؒ ۴۵ جو جید عالم تھے اور سلطان علاء الدین محمود (م ۱۴۷۵ء) کے پیر تھے وہاں جا کر تبلیغ واشاعت کے کام میں مصروف ہوگئے۔

حوالے:

۱۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ریاض السلاطین ، غلام حسین سلیم، ۱۸۹۸ء

۲۔سیر الاولیاء، ص ۲۲۸

۳۔ روضۃ اقطاب، ص ۴۹۔ ۴۸ (مطبع محبّ ہند، دہلی)

۴۔ سیر الاولیاء، ص ۲۸۹

۵۔سیر الاولیاء، ص ۹۰۔۲۸۹

۶۔ان کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار، ص ۱۴۱ ، ۱۴۰۔گلزار ابرار، ص ۱۰۴، معارج الولایت (قلمی نسخہ) - مراۃ الاسرار (قلمی) ، روضۂ اقطاب، ص ۴۸

۷۔تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہواخبار الاخیار، ص ۱۶۱۔ ۱۶۳، گلزار ابرار، ص ۱۰۵۔ ۱۰۴، مراۃ الاسرار قلمی، روضہ اقطاب، ص ۴۸

۸۔تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو:

اخبار الاخیار، ص ۱۶۳۔۱۶۱، گلزار ابرار، ص ۱۴۶۔۱۴۵، مراۃ الاسرار (قلمی) نیز لطائف اشرفی مرتبہ مولانا نظام الدین یمنی المعروف بہ نظام حاجی غریب الیمنی، (نصرت المطابع، دہلی، ۱۲۹۵ھ)

۹۔مکتوبات سید اشرف جہانگیر کا ایک مکمل اور صاف نسخہ، سبحان اللہ اورنٹیل لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ (فہرست صفحہ ۱۷/۱۹/۱۷۱/۲۹۷) اس کا سن کتابت ۱۲۳۳ء ہے۔

۱۰۔مکتوب ۴۶ (ص، ۹۸۔۱۹۷ (قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۔چیتنا (پیدائش ۱۴۸۵ء) نے ذات پات کی مخالفت کی اور اخوت انسانی کا درس دیا۔تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

I.N.Sarkar: Ehaitanya's Life and Teachings (Calcutta,1912)

I.J.Sarkar:Ehaitanya's Pilgrimages and Teachihgs (Calcutta)

۱۲۔روپا، سناتن اور جیو اگوسوامی ، چیتنا سے متاثر تھے اور انہوں نے اس تحریک کو جاری رکھا، اور بنگال میں اپنے خیالات کی ترویج کی۔

۱۳۔ ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار۔ص ۱۷۳۔ ۱۷۱، گلزار ابرار، ص ۱۰۷۔ ۱۰۶، مراۃ الاسرار (قلمی) ، روضہ اقطاب، ص ۴۸۔۴۷

۱۴۔اخبار الاخیار،ص ۱۷

۱۵۔گلزار ابرار،ص ۱۰۶

۱۶۔تاریخ فرشتہ جلد دوم ،ص دو (نول کشور) دکن کی تاریخ کے لئے فرشتہ سے زیادہ مستند کوئی مورخ نہیں ہے۔ خانی خاں نے لکھا ہے:'اکثر درذکر سلاطین دکن کلام او (نظام الدین صاحب طبقات اکبری)محل اعتماد را نشاید سوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخ بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ درصحت اعتبار داشتہ باشد'' منتخب اللباب ۔ص ۱ ، ۲۳۷

۱۷۔فرشتہ ، ج ۲ ،ص ۲۷۷

۱۸۔تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ، مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ)، معارج الولایت (قلمی) اور اخبار الاخیار

۱۹۔ سیر الاولیاء ،ص ۲۷۹

۲۰۔ احسن الاقوال ۲۹ اقوال پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کے ماتحت شیخ کے ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً آداب مجلس ، آداب مرید بخدمت پیر،حسن معاملہ ، مذمت طبع وغیر مولانا حماد کے دور بھائیوں نے شیخ کے ملفوظات نفائس الانفاس ، شمائل الاتقیاد دلائل اتقیاد غرائب الکرامات ، بقیہ الغرائب ترتیب دئے تھے جوان کی تعلیم اور خانقاہی نظام کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

۲۱۔ سید محمد گیسودرازؒ کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۳۴۔ ۱۲۹،گلزار ابرار،ص ۱۳۹، سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی مرید حضرت سید محمد گیسودراز (مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس الہ آباد)

۲۲۔ برہان المآثر مولفہ سید علی طباطبائی (مطبوعہ حیدر آباد) ص ۴۴، ۴۳ ۔ نیز ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ (جلد دوم)

۲۳۔اخبار الاخیار ص ۱۳۰

۲۴۔سید محمد گیسودرازؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں مثلاً عوارف المعارف ، رسالہ قشیریہ،تمہیدات عین القضاۃ ،قوت القلوب پر حاشیے لکھے تھے اور بعض کو فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔ قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں لکھی تھی۔ مشارق الانوار کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح لکھی تھی۔ کچھ کتابیں (شرح آداب المریدین ، اسماء الاسرار وغیرہ) حیدر آباد سے شائع بھی ہوگئی ہیں۔ بعض کے متعلق یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ان ہی کی تصنیف ہیں یا غلط طور پر منسوب

کردی گئی ہیں۔

۲۵۔گلزار ابرار (اردو ترجمہ)،ص ۴۴۔۴۳

۲۶۔ایضاً، ص ۱۱۷

۲۷۔ایضاً،ص ۶۱۱

۲۸۔سیر الاولیاء، ص ۲۶۲

۲۹۔خاتمہ مراۃ احمدی مصنفہ مرزا مجد حسن (کلکتہ ۱۹۳۰ء) ص ۳۷

۳۱۔شجرۃ الانوار (قلمی)۔حالات کے لئے ملاحظہ ہو حدائق الحنفیہ،ص ۲۸۸

۳۲۔تکملہ سیر الاولیاء،ص ۲۶

۳۳۔ایضاً،ص ۲۶

۳۴۔شجرۃ الانوار (قلمی)

۳۵۔گلزار ابرار ص ۱۲۲۔۱۲۱

۳۶۔مولانا خواجگیؒ چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اور اپنے عہد کے مشہور فاضل تھے۔حالات کیلئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۴۲۔۱۴۱،گلزار ابرار،ص ۲۶۰۔۲۵۹، ماآثر الکرام ص ۱۸۶۔۱۸۵

۳۷۔اخبار الاخیا،ص ۱۷۷

۳۸۔''بجہت تفرقہ کہ در ناگور از دست کفار آں دیار واقع شدہ بود بجانب گجرات رفتہ'' اخبار الاخیار ص ۱۷۷

۳۹۔رکن الدین بن علم الدین علاء الدین بن بدر الدین سلیمان بن فرید الدین مسعود گنج شکر۔گلزار ابرار،ص ۱۳۸۔شیخ محمد زاہد بن شیخ یوسف بن شیخ احمد بن شیخ محمد بن خواجہ علی بن خواجہ احمد بن خواجہ مودود چشتی۔گلزار ابرار،ص ۱۳۸

۴۰۔حالات کیلئے اخبار الاخیار ص ۲۶۱۔۲۴۹، تذکرہ علمائے ہند ص ، ۱۴۷۔۱۴۶،گلزار ابرار، ص ۴۰۳، ۴۰۲، مآثر الکرام،ص ۱۹۴۔۱۹۲

۴۱۔سیر الاولیاء،ص ۲۸۶ ۴۲۔ایضاً،ص ۲۸۷ ۴۳۔ایضاً،ص ۲۸۷

۴۴۔حالات کیلئے ملاحظہ ہو، سیر الاولیاء ص ۱۹۸۔۱۹۷ گلزار ابرار، ص ۵۸۲۔۵۸۱

۴۵۔گلزار ابرار، ص ۱۱۱- ۴۶۔ایضاً، ص ۱۲۷☆☆

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

پروفیسر رقیہ زین الدین
شعبۂ تعلیم، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ

خیال ہی کائنات کی اصل ہے۔ یہ تمام عالم تخلیق سے پہلے اللہ کے علم میں تھا۔ دیگر الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے خیال کیا عالم کی تخلیق کا اور کن پر فیصلے آن کی آن میں تمام ہوئے۔

سارے انسان تمثیل ظروف ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی استعداد رکھتا ہے، کم یا زیادہ ۔ ہر برتن کا اپنا الگ الگ ایک رنگ ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ تمام اشیاء اللہ کے کسی نہ کسی نام کا مظہر ہیں۔ ایک انسان میں اللہ کا جو نام ظہور پذیر ہوا وہ اللہ کی تجلی ہے۔ تجلی نور ہے، استعداد اس تجلی کی مطابقت سے ہے۔ جس صفت یا جن صفتوں کی تجلی اس پر عالم ارواح پر ہوئی وہی اس کی عین ہے یعنی اصل۔ ابن العربی کے یہاں عیان ثابتہ کے نام سے ہے۔ عیان عین کی جمع ہے جس کے ایک لغوی معنی آنکھ کے ہیں اور دوسرے لغوی معنی چشمہ کے ہیں یعنی چشمۂ حیات۔ صوفیا وجود کے مراتب سمجھانے کے لئے جن تنازل ستہ کا سہارا لیتے ہیں وہی ایک انسان کی روحانی ارتقاء میں عروج یا معارج ہیں۔ یعنی بحکم الٰہی احدیت سے وحدت ، واحدیت ، عالم ارواح ، عالم مثال اور عالم اجسام وغیرہ تنزیلات ہوئے۔ عالم اجسام میں ایک صوفی روحانی ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا عروج کی طرف جاتا ہے۔ یعنی عالم اجسام سے عالم امثال ، عالم ارواح ، واحدیت اور وحدت کی طرف جاتا ہے۔ سالک کی راہیں کٹھن ہیں، دشوار گھاٹیوں سے گذرنا ہے، ہر مقام پر فنا ہے، ہر مقام کی توبہ ہے، ہر فنا کے بعد بقا ہے۔ لہٰذا مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ اپنی کتاب مکتوبات صدی میں لکھتے ہیں کہ سالک ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو تائب ہوتا ہے اور ہر گذرنے والے مقام پر توبہ کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کی ابتدا بھی توبہ ہے اور انتہا بھی توبہ۔

وحدت الوجود کی منزل اونچی ہے اس مرتبہ کو پہنچنے والے ولایت کبریٰ سے سرفراز ہوتے ہیں۔ وحدت الوجود کے معنی ہیں کہ ایک صوفی جب اخلاص اور اللہ کی مدد سے مقصود اللہ پر عمل کرتا ہے تو وہ اللہ کی مدد سے لاموجود الا اللہ کی منزل تک پہنچتا ہے۔ یعنی وجود صرف اللہ کا ہے۔'' کل من

علیھا فان ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام'' (سورہ رحمٰن: پ ۲۷، آیت ۲۶) ہر شئے کو فنا ہے سوائے اس کے چہرے کے ۔ چہرہ لفظ علامتی ہے اللہ کا کوئی چہرہ نہیں۔ چہرہ چونکہ شناخت کا ذریعہ ہے اس لئے چہرہ معنی کے اعتبار سے ہے یعنی اللہ کی شناخت یامعرفت ۔ رب انسان کے تعلق سے ہے۔ وہ انسان اپنے رب کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے اور پہچانتا ہے۔رب اور مربوب ایک تعلق ہے، ایک رشتہ ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں مربوب یعنی بندۂ خاص رب سے متعارف ہوتا ہے جس رب کی تجلی کا وہ مظہر ہے یعنی وہ اپنے عین سے واقف ہوتا ہے ۔ اس اصل سے جس کے وجود نے اسے عدم سے وجود میں لایا، ورنہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔قرآن کی آیت شریفہ کا مفہوم ہے کہ انسان پر ایک وقت ایسا بھی تھا جب وہ کچھ نہ تھا۔ ایک انسان کا اصل یا اس کا عین اللہ کے کسی نام کا مظہر ہے۔ وہ اپنے سر (بھید) کو جان لیتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ اپنی کسی صفت کا اظہار کررہا ہے اس لئے میدان جنگ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پریشان ہوکر دشمن پر مٹھی بھر خاک پھینکی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خاک آپ نے نہیں میں نے ڈالی تھی۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے رب سے واقفیت یا معرفت اپنی اصل کے مطابق پاتا ہے جس نوع کی تجلی (مختصر اجمالی یا جلالی) اس پر عالم ارواح میں ہوئی تھی ، لہٰذا ہم اسی کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

آگے دیکھئے رب کیسا ؟ وہ رب جلال والا ہے، رعب ودبدہ والا ہے اور اکرام والا ہے۔ (ربک ذوالجلال و الاکرام) صوفی جب اس درجہ کو پہنچتا ہے تو اللہ کے اکرام سے مالامال ہوتا ہے، وہ اسے اپنے جلال کا لباس پہناتا ہے ۔ غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں بایزید بسطامیؒ پہنچ کر فانی ہوکر اپنے رب کو دیکھ رہے تھے اپنی ہستی بھول گئے تھے اور یہ سطحیات ان کی زبان پر جاری ہوگئے سبحان ما اعظم شانی (میری شان کتنی بلند ہے) کہتے ہیں ان کے مریدوں نے جب ہوش میں آنے کے بعد انہیں یاددلایا کہ آپ تو یہ کہہ رہے تھے۔ کہنے لگے اب کہوں تو مجھے چھری سے ماردینا۔ پھر ایک دفعہ اسی عالم جذب میں تھے اور کہہ رہے تھے میری شان کتنی بلند ہے۔ مریدوں نے جب چھری ان پر چلائی تو انہیں محسوس ہوا کہ ہر طرف پانی ہے اور ہر طرف بایزید بسطامی کا عکس ہے اور چھری صرف پانی پر چل رہی ہے۔

غالباً کچھ اسی قسم کی جلالی تجلّی میں منصور علیہ الرحمہ نے بھی ''انا الحق'' کا دعویٰ کیا تھا۔

اگر تجلی جمالِ الٰہی کی ہے تو بندہ حسن وجمال حقیقی میں کھوجاتا ہے۔ ایک مشاہدۂ جمال الٰہی کی گھڑی میں حضور پاکؐ نے کہا تھا کہ وہ سب کے سب بخش دئے گئے جنہوں نے لاالہ الا اللہ کہا۔ حضورؐ باغ میں مراقب تھے سامنے سے ایک شخص گذرا جسے بلا کر انہوں نے یہ فرمایا: اس شخص نے تعجب سے کہا۔ یا رسول اللہ میری بات پر کون یقین کرے گا۔ حضورؐ نے ثبوت کے طور پر اپنی نعلین مبارک اسے دے دی۔ وہ شخص خوشی خوشی چلا جارہا تھا کہ سب کو مغفرت کی خبردوں گا۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ ملے انہوں نے دریافت کیا کہ نعلین کہاں لئے جارہے ہو؟ اس نے پوری بات بتائی، سن کر حضرت عمرؓ نے اس سے نعلین لے لی اور ڈانٹ دیا۔

ہستی اور وجد پر غوروفکر کرنے والے شعراء بھی ہیں، ماہرین نفسیات بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر وہ شخص جو عقل رکھتا ہے، سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں، یہ کائنات کیا ہے، انجام کیا ہے وغیرہ وغیرہ؟ غالب پر اسی سوچ میں آمد ہوئی کہ ''ہستی کے فریب میں مت جائیو اسد۔ ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔''

یونگ (Jung) جو ایک ماہر نفسیات ہیں، وہ بھی ابن عربی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ عام انسانوں کی نفسیات اور وہ لوگ جو ذہنی مریض ہیں ان کی نفسیات کو سمجھنے کے بعد وہ بھی عیان ثابتہ کے قائل ہیں جسے انگریزی میں آرکی ٹائپ (Archetype) کہتے ہیں۔ یونگ نے شخصیت کی ارتقا میں روحانی ترقی کو ضروری مانا ہے۔

فرائڈ (Freud) اور یونگ (Jung) دونوں نے ہمارے ذہن (دماغ) کے تین حصے بتائے ہیں، شعور، تحت الشعور اور لا شعور۔ Conscious, Subconscious and unconcious ان کے مطابق ہمارے دماغ کا تقریباً دو تہائی حصہ لاشعور ہے جن تک ہمارے شعور کی رسائی نہیں ہے۔ مگر ایک انسان کی تخلیق یا اس کے خوابوں کے ذریعہ اس کے لاشعور تک کسی حد تک پہنچ سکتے ہیں۔ یونگ کے مطابق لاشعور کا کچھ حصہ روز آفرینش سے ہے۔ ان کے مطابق آدم کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک کے حالات، دیگر انسانوں کے تجربات وحادثات اس کے لاشعور کے کسی گوشے میں محفوظ ہیں۔ لاشعور کے اس حصے کو یونگ نے نسلی لاشعور Racial uncoscious کہا ہے یعنی انسانی نسل کی ساری داستان (روز آفرینش سے لے کر موجودہ وقت تک کی) ایک انسان کے لاشعور میں ثبت ہے مگر ان واقعات کا اسے شعوری طور پر علم نہیں ہے۔

یونگ کے مطابق خوابوں، آرٹ اور رمصوری کی کئی علامتیں (Symbols) بہت ہی قدیم

زمانے سے ہر تہذیب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ بلاتفریق وقت (historcal time)اور محل(Space)۔ ان تخلیقات یا خوابوں کی ہیئتیں (forms) کچھ الگ ہوسکتی ہیں مگر معنی کے اعتبار سے ان سب میں یکسانیت ہے۔ لاشعور سے نکلنے والی ان علامتی ہیئتوں (forms) کو انہوں نے آر کی ٹائپل خیال (Archetypal Image) کہا۔ کئی آر کی ٹائپس (Archetypes) کے انہوں نے نام بھی دئے مثلاً

'' آر کی ٹائپل ماں'' (Archetypal mother)''ضعیف دانا یا حکیم' (Old wise man)'' خدا کی آنکھ'' (God's Eye)یونگ نے یوں تو کئی آر کی ٹائپس کے نام دئے ہیں اگر ان تینوں پر اکتفا کیا جائے تو یہ تینوں اللہ کے اسماء'حنان' اور'حکیم' اور صفت بصری کے مظاہر ہیں۔

سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتیبین لھم انه الحق (سورہ شوریٰ آیت ۵۴)

ترجمہ:ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیوں دکھا دیں گے آفاق میں بھی اور خود ان کی جانوں (انفس) میں بھی حتی کہ انہیں حق کا یقین ہوجائے۔

یونگ نے کہا کہ عمر کے درمیانی حصے کے بعد بھی اگر ایک انسان روحانیت کی جستجو نہیں کرتا ہے اور اس سے غافل رہتا ہے تو لاشعور خوابوں کے ذریعہ یا کسی اور علامتی کا موں کے ذریعہ اسے باخبر کرنے کو کوشش کرتا ہے تا کہ ان کی شخصیت کی تکمیل ہوسکے۔یعنی یہ علامتیں اسکے لاشعور کی پکار ہیں۔

صوفیاء کرام تفکر کی راہ کے مسافر ہیں ہستی اور وجود کے مسائل کا حل مشاہدات کے ذریعہ انہیں حاصل ہوتا ہے۔ ابن العربی کے علاوہ مولانا روم بھی وحدت الوجود کو ہی تسلیم کرتے ہیں ۔ وحدت الوجود خالص توحید ہے۔ ابن العربی کے کلام میں چونکہ فلسفے کا زور ہے، عام انسان گھبراجاتا ہے ۔ اور کئی افراد نے تو وحدت الوجود کو اسلام اور توحید کے خلاف سمجھا ۔ پروفیسر لطیف اللہ نے اپنی کتاب تصوف اور سریت میں لکھا ہے کہ ابن العربی کے وحدت الوجود میں یہ کہیں نہیں ہے کہ دنیا اور اللہ میں اتحاد ہے یا اللہ کا حلول ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ'' شیخ فتوحات مکیہ کے باب پانسو ستاون (۵۵۷)میں فرماتے ہیں کہ عالم حق تعالیٰ کا عین نہیں ہے حق تعالیٰ اور عالم متحد نہیں۔ عینیت اور اتحاد ابن العربی کے کلام میں ہے تو بمعنی اصطلاح جس کا حاصل تابعیت خلق للحق فی الوجود ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فرق یہ ہے کہ ہم اپنے وجود میں اس کے محتاج ہیں اور ہمارا وجود اس پر موقوف ہے۔

بوجہ اس کے کہ ہم ممکن ہیں اور وہ اس چیز سے غنی ہے، جس میں ہم محتاج ہیں۔'' (صفحہ ۲۵)

اللہ احدیت میں احد (اکیلا) ہے صمد (بے نیاز) ہے نہ اس کو کسی نے جنم دیا اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ وہ ان چیزوں سے پاک ہے اپنی ذات میں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات دائرہ احدیت میں لاتعین ہے۔

تنزیل کے پہلے درجے پر وحدت آئی، جس میں نور محمدی یا حقیقت محمدی کی تخلیق ہوئی۔ یہ نور محمدی تمام عالم کا تخم تھا۔ وحدت اللہ کے پہلے تعینات میں سے ہے اور واسطہ تخلیق ہے یہ نور محمدی اللہ جو احد ہے۔ (جس تک رسائی ناممکن ہے) اور عالم (مظاہر کونیہ) کے بیچ کی کڑی ہے۔ یہاں اللہ کی ذات اپنی ساری تخلیق کو ایک اکائی یا ایک جامع حیثیت سے دیکھتی ہے۔ یہاں وہ خود ہی شاہد ہے خود ہی مشہود اور خود ہی شہود۔ دوسری تنزیل واحدیت ہے جہاں اسماء وصفات منقسم ہوتے ہیں اور تمام اشیاء کے ناموں کا تفریق کے ساتھ تعین ہوتا ہے، اس کی مثال ہم ایک ذرہ (atom) سے دے سکتے ہیں جس کا ایک مرکز ہوتا ہے جسے نیوکلیس (Nucleus) کہتے ہیں۔الیکٹرونس(Electrons)اس کے باہری سطح پر گردش کرتے ہیں ۔ مرتبۂ وحدت ویسے ہی ہے کہ ہم نور محمدی کو مرکز (Nucleus) سمجھ لیں اور اس کے باہر گھومنے والے اجزاء بمثل عالم جبروت یا عالم واحدیت کے ہیں۔ مراتب احدیت ، وحدت اور واحدیت غیر آنی اور غیر زمانی ہیں۔

ایک سالک جب توفیق الٰہی سے اپنے عین کو سمجھ لیتا ہے اپنے ،واجب الوجود سے متعارف ہوتا ہے، جو واحدیت سے متعلق سمجھی جاسکتی ہے، تو وہ کائنات کی دوئی (Duality) مثلاً رات دن خیروشر سے اوپر چلا جاتا ہے یعنی اس دوئی میں بھی وہ ایک اتحاد دیکھتا ہے ۔اس کے مشاہدات بلا قید وتفریق زمان ومکان کے ہوسکتے ہیں ۔ زمان ومکان محض اضافی (Relative) ہیں یہ ہمیں صوفیا مثلاً مولانا رومؒ ، ابن العربی اور سائنس داں دونوں ہی بتلاتے ہیں۔ نظریۂ اضافی (Theoty of Relativity) سائنس داں آئن سٹائن کی دین ہے جس کے مطابق زمان ومکان صرف ہماری نسبت سے ہیں ورنہ ان کی اصل کچھ نہیں ہے۔ آئن سٹائن سے پہلے حضرت ابن العربی اور حضرت مولانا روم نے یہ بات کہی تھی۔ وہ سائنس داں نہ تھے صرف مشاہدۂ عرفانی نے انہیں اس حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔

وحدت اور واحدیت کے مراتب ہی ممکنات کے حقائق ہیں۔ انہیں امکانات کو ابن العربی

عیان ثابتہ کہتے ہیں۔عیانِ ثابتہ اللہ کے علم کا تعین اور ثبوت ہیں مگر ممکنات میں سے ہیں، ان کا خارجی وجود نہیں صرف علمی ثبوت ہے۔حکم الٰہی سے یہ امکانات (ممکن الوجود) واجب الوجود بن جاتے ہیں۔

حضرت ابن العربی نے کائنات کو اللہ کا ظل یا سایہ بتایا ہے۔اس سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عالم اور اللہ ایک نہیں ہے نقش نفش بناتا ہے اس کا نقش اس کی شخصیت کی نشاندہی تو کرسکتا ہے مگر وہ نقش نقاش نہیں کہلاسکتا۔اسی طرح ایک اور مثال درخت کی دی جاسکتی ہے کہ درخت کے سائے کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ سورج کی سمت پر منحصر کرتا ہے۔سمت بدلنے سے سائے میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے ، سایہ ختم بھی ہوسکتا ہے مگر پیڑ موجود رہتا ہے لہٰذا پیڑ اور اس کا سایہ ایک نہیں۔سورج جو سائے کا محرک ہے اسے بمثل عیان ثابتہ سمجھ لیں۔سائے کے وجود کو سمجھنے کے لئے ہمیں سورج کو جاننا ہوگا اسی طرح کائنات کو سمجھنے کے لئے عیان ثابتہ ہوئے۔

ہر شخص کا عین ا سکا واجب الوجود کی منزل ہے وہ اس سے بالا ہے ۔ وحدت الوجود پر رسائی کے معنی ہوئے حقیقت محمدی یا حقیقت جبرئیلہ تک رسائی اور اس کا مشاہدہ ۔ اس مشاہدے میں عالم امر کی معرفت سالک کو حاصل ہوتی ہے چونکہ عالم امر میں وحی کا ایک خاص مقام ہے اس لئے اسے حقیقت جبرئیلہ بھی کہا گیا ہے ۔ وحدت الوجود تک پہنچنے والا نور وحدت میں گم ہوجاتا ہے اس مقام تک پہنچنے والا سالک ذات الٰہی کے تمام عیان اسماء کے تمام صفات سے باخبر ہوتا ہے، اسے عالم کے احکام جاریہ کی اطلاع کماحقہ ہوتی ہے۔شیخ اکبر نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ وہ اس مقام پر فائز تھے اور عالم کے احوال سے باخبر تھے کشف الله عن وبصر فی الکل (اللہ نے میری آنکھ کھول دی اور مجھے سب چیزیں دکھادی گئیں۔)

لہٰذا وحدت الوجود کے معنی ہوئے کہ وجود صرف اللہ کا ہے باقی سب کوفنا ہے۔صوفی کے مشاہدۂ عرفانی میں جب یہ حقیقت آتی ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے لاموجود الا اللہ ۔

اگر وحدت الوجود سے مراد تنزلات ستہ کے وحدت کی تنزیل لی جائے تو یہ نور محمدی یا حقیقت محمدی ہے جو بعد از تخلیق کائنات یعنی دائرہ وحدانیت اور اس کے بعد کے مراتب پر فیض رساں ہے۔آدمؑ سے لے کر عیسیٰ تک سارے نبی نور محمدی کے فیض سے ہی نوازے گئے ۔ عالم اجسام میں حضور پاکؐ تمام انسانوں سے بلند وبالا ہیں۔آدمؑ کو اللہ نے اپنی صورت پر بنایا(حدیث قدسی) فرشتوں میں صرف جمال ہے، جنات میں آگ ، انسان جمال اور جلال دونوں کی آمیزش سے

بنا۔ جمال اور جلال دونوں جب ملتے ہیں تو کمال پیدا ہوتا ہے ۔ اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی اپنی صفات پر ۔حضورؐ پاک انسان کامل ہیں اللہ کی جمیع صفتوں کا سب سے اکمل مظہر ہیں۔ عبد الکریم جیلی اپنی کتاب انسان کامل میں رقم طراز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ ہر صورت میں متصور ہوں۔ آپ کا یہ دستور جاری ہے کہ ہمیشہ ہر زمانے میں اس زمانے کے اکمل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں تا کہ ان کی شان بلند ہو۔ زمانے کا اس کی طرف میلان اور درست اور قائم ہو۔حضورؐ عالم جسم میں آخری نبی تھے عالم اجسام چوں کہ ایک تخلیق ہے اسے عام طور پر فنا ہے۔ لہٰذا حضورؐ اس ساری دنیا سے تو پر دہ کر گئے لیکن حقیقت محمدی چوں کہ وہ اللہ کی ذات سے نسبت رکھتی ہے باقی ہے یہی حقیقت محمدی ہر زمانہ کے انسان کامل کے اندر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جس پر کائنات کی بقا کا دارومدار ہے(قیامت کے وقت یہ ولایت کبریٰ بھی اٹھالی جائے گی۔) محمدؐ اللہ کی جامع صفتوں کا اکمل مظہر ہیں۔ اور بواسطۂ حقیقت محمدی ہر دور کا انسان کامل بھی ان صفات کا مظہر ہے۔ کائنات میں مرکزی کردار انسان کامل کا ہے۔ اللہ کے ارادہ کے اعتبار سے انسان اول ہے اور ایجاد کے اعتبار سے آخر اگر انسان کے جسم کو دیکھیں تو ظاہر ہے اور اگر اس کی اصل پر نگاہ کی جائے تو باطن اللہ کی نسبت سے انسان عبد (بندہ) ہے اور کائنات کی نسبت سے وہ کائنات کا رب ہے انسان کے اندر مخفی خزانے مکمل طور پر انسان کامل میں اجاگر ہوتے ہیں۔

ابن العربی کہتے ہیں کہ کائنات میں اللہ کے ناموں کی ہر آن ایک نئی تجلی ہورہی ہے ۔ کل یوم ھو فی شأن۔سورہ رحمٰن) ہر آن اس کی ایک نرالی شان ہے۔ ہر سانس ایک نئی تحقیق ہے۔ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون (اقبال)

حوالے:

۱۔انسان کامل،عبد الکریم جیلی ترجمہ فضل میران وقار علی، تھانوی پریس ،دیوبند، ۱۹۸۳ء

۲۔تصوف: سید وحید اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی، دائرۃ المعارف، ویلور، تاملناڈو

۳۔تصوف اور سریت : لطیف اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۴۔لطائف اشرفی: حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ اردو ترجمہ مولانا محمود عبد الستار، امیڈکر نگر، نشاط آفسیٹ پریس، ٹانڈہ، یوپی، ۲۰۰۴ء

۵۔محی الدین ابن عربی حیات وآثار : ترجمہ احمد جاوید سہیل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء

۶۔مکتوبات صدی: شیخ شرف الدین منیری، اردو ترجمہ حضرت شاہ نجم الدین فردوسیؒ ،حضرت شاہ الیاس بہاری، فردوسی مکتبہ بیت الشرف خانقاہ معظم ، بہار شریف، نالندہ، اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۹ء
۷۔سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری (۶)'' مکتوبات صدی'' ترجمہ حضرت شاہ نجم الدین احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت شاہ الیاس بہاری فردوسی، مکتبہ شرف بیت الشرف خانقاہ معظم ، بہار شریف ، نالندہ۔

8. Corbin Henry (1969)Creative Imagination in the Sufism of Arabi",Princetion University Press.

9. Ibn Al Arabi: The Meccan Revelation, edited by Micheal Chodkiewicz, Translated by William C. Chittick and James W. Marris, Volumes I and II, New York Pir Press (2002)

10. Psychological Reflections- An Anthology of the writings of C.G. Jung,selected and edited by Jolande Jacobi Routldtge & Kegan Paul Ltd., Londons 1949

☆

اسلامی تصوف اور ہندوستان

اظہار عثمانی۔ دہلی

اسلامی تصوف، حسن اخلاق، اعلیٰ کردار، مذہبی تعصّبات سے بے نیازی، علم باطن سے سرشاری، اور علم ظاہر میں کامل وباعمل ہونے کا درس دیتا ہے یہ ہر طرح کے تعصب کے خلاف ہے ہر ایک سے محبت کا پیغام دیتا ہے۔ اسلامی تصوف اسلام سے جدا کوئی چیز نہیں ہے۔ صوفیہ کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اسلامی تعلیم کی عملی شکل پیش کرتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور کردار کی روشنی میں اعلیٰ ترین اخلاق واقدار پر زور دیتا ہے۔

کم وبیش ہزار سال پہلے ہندوستان میں تصوف مسلمان بادشاہوں کی آمد سے پہلے ہی پہنچ گیا[۱] تھا۔ چونکہ تصوف کا فلسفہ وحدت الوجود، اپنیشدوں کے دور میں شنکر آچاریہ کے نظریۂ سے میل کھاتا تھا، اس لئے ہندوستان میں اس کی پذیرائی ہوئی۔ اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں تو معلوم ہوگا کہ جب خلافت راشدہ کے بعد خلافت، ملوکیت میں تبدیلی ہوئی تو آہستہ آہستہ اقتدار کی ہوس نے جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کو مجروح کردیا۔ خدا کے ان نیک بندوں نے ملوکیت کی مخالفت کی اور بادشاہوں سے قطع تعلق کرلیا۔ یہی بزرگ دین کے محافظ بنے اور صوفیہ کا گروہ کہلائے۔ اکثر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب کلام الٰہی موجود ہے، احادیث اور سیرت پاک مشعل راہ ہیں تو پھر صوفی اور تصوف کی کیا ضرورت؟ اس ضمن میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر صوفیاء کا وہ گروہ ملوکیت سے ترک تعلق کرکے، عملی زندگی میں اسلام کا نمونہ پیش نہ کرتا تو ملت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ کیونکہ دوسری صورتوں میں یا تو وہ بادشاہوں کے احکامات کی تائید کرتے یا مخالفت۔ دونوں صورتوں میں تباہی کا اندیشہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اس لئے کوڑے مارے گئے کہ انہوں نے حاکم وقت کی بات نہیں مانی نہیں، قید کیا گیا، یہاں تک کہ وہ زندان میں ہی فوت ہوئے۔ یہی نہیں بنوعباس کے دور میں قرآن مجید کی حفاظت، کے لئے صوفیاء کا جو گروہ سینہ سپر ہوا اس میں اس دور کے نامور صوفی حضرت بایزید، معروف کرخی، ذوالنون مصری، شیخ فریدالدین عطار اور حضرت جنید بغدادی شامل تھے۔

دسویں صدی میں تصوف کی تحریک انتہائی آگے بڑھی، گیارھویں صدی میں ''کشف المحجوب'' کے مصنف حضرت داتا گنج[۲] اور سلطان ابوسعید ابوالخیر نے اسے آگے بڑھایا۔ بارھویں صدی میں امام

غزالیؒ نے احیاء العلوم تخلیق کی۔ مولانا شبلی کی رائے ہے کہ ''احیاء العلوم'' کا سایہ عکس وگونج جلال الدین رومیؒ ،ابن رشداور شاہ ولی اللہ کے یہاں سنائی دیتی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی سنجری سلسلۂ چشتیہ کے سرخیل ہیں۔ آپ جملہ اوصاف مشائخ سے موصوف اور انواع واقسام کی کرامات وعالی درجات سے مشہور تھے۔ یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی سنجری ہندوستان کے لئے ۵۸۶ھ مطابق ۱۱۹۰ء میں بغداد سے روانہ ہوئے، کچھ دنوں چشت میں قیام فرمایا، پھر ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وارتشریف لائے۔ ہندوستان میں آپ کی آمد لاہور میں ہوئی۔ لاہور سے دہلی ہوتے ہوئے آپ اجمیر پہنچے۔ اس سفر میں آپ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی آپ کی خدمت میں آپ کے ہم سفر تھے۔ اس سفر کی مدت اور تاریخ کی بابت خواجہ قطب صاحب فرماتے ہیں:

''لاہور سے روانہ ہوکر ۵۸۷ھ میں دو ماہ سفر میں رہنے کے بعد وارد اجمیر ہوئے۔''[۲]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری نے عملی طور پر اسلام کی سیدھی سچی شکل پیش کی اور ثابت کردیا کہ تصوف ہی مالک دوجہاں خداوند قدُس، اللہ جل شانہٗ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ اسلام کی سیدھی سچی شاہراہ کا نام ہی تصوف ہے۔ یعنی اسلام اور تصوف کو الگ کرکے ہم دین کی روح تک نہیں پہنچ سکتے۔

خواجہ معین الدین چشتی سنجری کی آمد کے وقت اجمیر پتھورا کا دار السلطنت تھا۔ جب خواجہ نے اجمیر میں سکونت اختیار کی تو یہ بات راجا پتھورا کو ناگوار گزری۔ اس نے مسلمانوں اور معتقدین خواجہ پر طرح طرح کے مظالم کرنا شروع کردیئے۔ حضرت خواجہ نے پتھورا کو مظالم سے باز رہنے کی تنبیہ کی، لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تو خواجہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ''پتھورا کو ہم نے زندہ گرفتار کرکے لشکر اسلام کے حوالے کردیا ہے۔''

اسی زمانے میں سلطان معز الدین سام ، انار اللہ برہانہ غزنی سے اجمیر پہنچا اور پتھورا اس کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا۔

خواجہ کی سکونت سے پہلے نہ صرف اجمیر میں بلکہ ہندوستان بھر میں کفروکافری اور بت پرستی کا بول بالا تھا۔ مختلف عقاید کے پیشوا اور سرکش دعویٰ کرتے تھے کہ انا ربکم الاعلیٰ۔ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) اپنے آپ کو خدائے جل وعلیٰ کے شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ سب پتھروں، ڈھلوں درخت چوپایوں وغیرہ کوسجدہ کرتے تھے یعنی اس وقت کے عوام کفر کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

لیکن اس آفتاب یقین خواجہ معین الدین چشتی سنجری جو حقیقت میں معین تھے، کے قیام کے بعد اجمیر کو اجمیر شریف کا درجہ حاصل ہوا اور ہندوستان کی ظلمت نور اسلام سے روشن ہوئی۔ کتنے ہی افراد مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا حلقۂ معتقدین اجمیر کے گرونواح اور بیرون ہندوستان پھیلتا ہی گیا۔ خواجہ کی خانقاہ کے دروازے ہر کس وناکس کے لئے کھلے تھے، صبح سے شام تک بے شمار لوگ آتے اور فیض یاب ہوتے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ جو بھی مشرف بہ اسلام ہوا وہ آپ کی عملی زندگی، تصوف اور اوصاف کی بنا پر ہوا۔[۳]

خواجہ کے دربار میں جہاں شاہوں کے سر جھکتے تھے، وہاں آپ پس ماندہ غرباء کو بھی سینے سے لگاتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو غریب نواز کے لقب سے یادکیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتا ہو وہ ایسی اطاعت کرے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر اطاعت نہ ہو۔ معلوم کیا گیا ایسی کونسی اطاعت ہے۔؟ فرمایا'' مظلوموں کی فریاد کو پہنچنا، ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھانا کھلانا۔'' یہ اسلامی تصوف کی اصلی شکل ہے۔

پھر فرمایا: جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ اول سخاوت دریا جیسی، دویم شفقت آفتاب کی طرح، تیسرے تواضع زمین کی طرح۔

خواجہ عبودیت اور حق تعالیٰ کی تعظیم کے لئے تصوف کو زاد راہ سے تعبیر فرماتے تھے۔خواجہ کے مرتبے کی بلندی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو بزرگ شاہ وگدا اس بادشاہ دین کے مرید ہوئے انہوں نے تصوف کے ذریعہ اسلام کی روح کو پالیا۔ انہوں نے خدا کے بندوں کی دست گیری کی، دنیاوی غرور کو ترک کیا اور عقبیٰ کو اپنا مقام بنایا۔ قیامت تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری کی عظمت کا ڈنکا آسمان کے گوش ہوش اور فرشتوں کے کانوں تک پہنچتا رہے گا اور خلقت آپ کی وجہ سے منزل صدق میں جگہ پائے گی۔

ہندوستان میں تصوف اور صوفیاء کے سرخیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری کی آمد اور سکونت کو صدیاں گزر گئیں لیکن آپ کی سلطنت کی بنیادیں وعمارت اور مضبوط و پختہ ہوتی چلی گئیں۔ ہندوستان میں تصوف ایک تناور درخت کی طرح پھیلتا پھلتا گیا، جس کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ جب میں خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوا تو میں بیس سال تک ان کی خدمت میں

رہا۔ اس بیس سال کے عرصہ میں ایک لمحہ بھی ان کی خدمت سے غافل نہیں رہا۔ سفر میں حضر میں ان کا بستر اور سامان ساتھ لے کر چلتا تھا۔ جب آپ نے میرے خلوص، خدمت اور عقیدت کو پوری طرح محسوس کرلیا تو اس وقت آپ (حضرت خواجہ عثمان ہارونی) نے اپنے کمال کی نعمتوں سے مجھے سرفراز کیا۔

اسلامی تصوف کی یہ تعلیم جو خواجہ معین الدین چشتی سنجری نے اپنے پیر ومرشد سے حاصل کی، جس سے ہندوستان میں تصوف کا دریا موجزن ہوا جس نے انگنت افراد کو فیض یاب کیا اور خواجہ کی رشد وتعلیم کے نہ سوکھنے والے چشمے جاری ہوئے جو تا قیامت اقوام عالم کو فیض یاب کرتے رہیں گے۔

خواجہ معین الدین چشتی فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے پہچاننے کی علامت خلق سے بھاگنا اور معرفت میں خاموش رہنا ہے اور یہ کہ جب ہم سانپ کی طرح کینچلی سے باہر آئے اور نگاہ دوڑائی تو ہم نے دیکھا کہ عاشق ومعشوق اور عشق ایک ہیں۔ یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ حاجی جسم کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں لیکن عارف دل کے ساتھ عرش کے گرد اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور لقائے الٰہی چاہتے ہیں۔ اور یہ کہ

ایک مدت تک میں نے خانۂ کعبہ کے گرد طواف کیا لیکن اب خانۂ کعبہ میرے گرد طواف کرتا ہے۔

آپ نے یہ بھی کہا کہ انسان فقر کے نام پانے کا اس وقت مستحق ہوتا ہے کہ جب وہ عالم فانی میں باقی ہوجائے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ثابت کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ اس وقت جب کہ گناہوں کو لکھنے والا فرشتہ بیس سال تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھے۔ نیز فرمایا کہ اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کا مطیع نہ ہو اور کسی سے ڈر کر اس کے حکم پر نہ چلے۔

آپ نے یہ کہا کہ شقاوت کی علامت یہ ہے کہ تو گناہ کرے اور امید رکھے کہ تو مقبولان خدا میں ہوگا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ کو سانپ کے منہ سے نکالیں۔ اس وقت دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت وہ ایک سانس لے گی تو تمام عالم حشر دھوئیں سے بھر جائے گا۔ جو چاہتا ہے کہ اس دن کے عذاب سے مامون رہے اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ اس سے بہتر اطاعت نہ ہو۔

منقول ہے کہ جس شب میں شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی سنجری قدس سرہ العزیز وفات پانے والے تھے، چند بزرگوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ دوست معین الدین سنجری آرہا ہے۔ ہم اس کے استقبال کے لئے

آئے ہیں ۔ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری نے وفات پائی تو آپ کی پیشانی مبارک پر لکھا ہوا تھا۔ (حبیب اللہ مات فی حب اللہ)

خدا کے دوست نے خدا کی محبت میں وفات پائی۔

تصوف کی انتہا عارف کی معراج ہے۔یعنی رغبت دنیا اور معرفت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ عارف وہ ہے جو حق تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو۔خواجہ غریب نواز نے عارف کی تعریف اس طرح کی ہے:

عارف وہ ہے جو راہ عشق میں سوائے خدا کے کسی کو نہ دیکھے۔

عارف کا دل آتش کدہ محبت ہے۔ جو اس میں آتا ہے جل جاتا ہے ۔ کیونکہ عشق کی آگ سے تیز کوئی آگ نہیں ہوتی۔

عارف کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کچھ طلب نہیں کرتا۔

عارف وہ ہے جس پر عالم غیب سے تجلیات کا نزول ہو۔

عارف وہ ہے جس کو ہمیشہ ضربیں لگائی جائیں مگر وہ مشاہدہ دوست کو فراموش نہ کرے اور ضربوں سے متاثر نہ ہو۔

دریا کا بہتا پانی شور کرتا ہے لیکن جب سمندر میں مل جاتا ہے آواز نہیں رہتی۔ اس طرح جب طالب مطلوب کو پالیتا ہے تو خاموشی اختیار کرلیتا ہے۔

جس نے پایا خدمت سے پایا۔ مرید کو چاہئیے کہ پیر کا فرماں بردار رہے۔ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرے اور جو کچھ پیر ادائیگی فرض اور وظائف کے متعلق فرمائے اسے بغور سنے اور اس پر عمل کرے۔

کہ راہ سلوک کی چار منزلیں ہیں۔فرمایا: شریعت : طریقت: معرفت: حقیقت۔

سالک جب ثابت قدم رہتا ہے تو ترقی کرتا ہوا مرتبہ حقیقت پر پہنچتا ہے اور اس مقام تک پہنچنے کے بعد وہ جو مانگتا ہے، ملتا ہے۔

دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے پیر ومرشد خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری کے فرمان سے سکونت اختیار کی۔ دہلی خواجہ قطب کی روحانی سلطنت کہلاتی ہے۔ جس کے آثار آج تک نمایاں ہیں، جنہیں زمین ، زمانہ اور حالات وواقعات نہیں مٹاسکے۔ ہندوستان یا دہلی میں کتنے خواجہ پیرومرشد ہوئے جن کی درگاہوں میں آج بھی چشمہ فیض جاری ہے، ان کا شمار

مشکل ہے لیکن دہلی بائیس خواجہ کی چوکھٹ کہلاتی ہے ۔ جن میں شامل ہیں قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکیؒ ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ ، حضرت خواجہ بدر الدین غزنویؒ، خواجہ نجیب الدین متوکلؒ ، شیخ المشایخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ ، حضرت نصیر الدینؒ چراغ دہلی، حضرت امیر خسروؒ، حضرت خواجہ شمس الدین محمد یحییٰؒ ، حضرت خواجہ علاء الدین نیلی چشتیؒ ، حضرت خواجہ محی الدین کاشانیؒ ، حضرت خواجہ کمال الدینؒ حضرت مخدوم سماء الدین سہروردیؒ ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ ، حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ ، حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ، خواجہ محبّ النبی مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں، حضرت خواجہ مرزا جان جاناں مظہر شہیدؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ محمد آفاقؒ، حضرت شاہ محمد فرہاد دہلویؒ ، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ، اور حضرت خواجہ ابو سعیدؒ ۴۔

ان بزرگوں نے برصغیر میں انسانیت اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اقوام عالم کی سیرت، تربیت اور شخصیت کی تعمیر میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تعلیمات میں ہمیں اخلاق وکردار کے وہ گراں مایۂ خزانے ملتے ہیں جن سے انسانی زندگی مالا مال ہوتی ہے۔ در اصل اسلامی تصوف وہ آئینہ ہے کہ جس سے فلسفۂ حیات سے لیکر خدمت بنی نو انسان تک زندگی کا ہر گوشہ جگمگا اٹھتا ہے ۔ اس کی تعلیمات علم وحکمت کی روح ہیں صوفیاء نے حقیقت کو شریعت کے جمال سے ہم آہنگ کر کے اپنی تعلیمات کو آراستہ کیا ہے۔ ان کے اسلامی فلسفۂ تصوف کو جس قدر دلنشیں اسلوب سے پیش کیا جائے گا، اس کی افادیت اتنی ہی بڑھتی جائے گی۔

حوالے:

۱۔ از کوئے صوفیان تا حضور عارفان مؤلف سید تقی واحدی صالح علیشاہ، مترجم نثار احمد زین پوری۔قم ۔ ایران، صفحہ ۳۱

۲۔سید الاولیاء، تصنیف امیر خورد، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ناشر اردو سائنس بورڈ ، لاہور، صفحات ۱۲۷۔۱۳۱۔

۳۔سیر الاولیاء، تصنیف ۔ حضرت خواجہ سید اسلام الدین نظامی صفحات ۸۸ تا صفحہ ۹۲، اردو تصنیف حضرت خواجہ سید اسلام الدین نظامی۔

۴۔ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، دلی کے بائیس خواجہ، صفحات ۹ تا ۲۶۵،

☆

صوفیانہ ادب اورضرورت منہاج تحقیق

ملفوظات اور تذکروں کے لطائف کے حوالے سے

پروفیسر ریاض الاسلام
پروفیسر ایمرٹیس
شعبۂ تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی

صوفیانہ ادب میں لطیفہ کیا چیز ہے؟ در اصل کسی بھی چیز کی اصطلاحی تعریف کرنا ایک مشکل کام ہے۔ لطیفہ کی تعریف کرنا بھی آسان نہیں ۔خود صوفیانہ ادب میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے ۔ یہاں یہ اصطلاح جس میں معین اور محدود معنی میں استعمال کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ لطائف وہ باتیں ہیں جو صوفیہ کے ملفوظات میں یا ان کے تذکروں میں یا اصول تصوف کی کتابوں میں بطور سوانح ،شخصی واردات یا بطور قصہ بیان کی گئیں ۔ جہاں گفتگو یا بیان غیر شخصی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور پیرایہ بیان خالص علمی ہوجاتا ہے ۔تو پھر بات ''لطیفہ'' کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے۔

لطائفی ادب:

یہ مضمون صوفیانہ ادب کے ان لطائف پر مرکوز ہے جو اوپر ہوئی تعریف کے حدود میں آتے ہیں۔ ملفوظات اور تذکروں میں خصوصاً اور اصول تصوف کی کتب میں عموماً لطائف کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بعض ملفوظات کا بڑا حصہ لطائف پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' اور ان کے خلفیہ اعظم شیخ نصیر الدین چراغ کے ملفوظ ''خیر المجالس'' اور بعض دیگر ملفوظات کی ترتیب علوم کی شاخوں کی مناسبت سے ہوئی ہے اور ان میں لطائف کا عنصر محدود ہے۔ مثلاً مخدوم جہانیان جہاں گشت کے ملفوظات ''سراج الہدایۃ'' تصوف کی اصولی کتابوں مثلاً ''کتاب التعرف'' (کلاباذی) ''کتاب اللمع'' (ابو المفرسراج) ''رسالہ قشیریہ'' اور کشف المحجوب'' (ہجویری) میں لطائف کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ صوفیانہ مطالعات کے فروغ کے باوجود لطائف کے خصوصی مطالعے پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی ۔نہ تو لطائف کی تاریخ پر غور کیا گیا ہے ، نہ ان کے سوابق اور لواحق پر نہ ان کی ہیئت ترکیبی پر۔ اور تجزیۂ کا عمل تو لطائفی ادب کو چھو

کر بھی نہیں کیا گیا ۔ جب صوفیانہ ادب کا ایک معتد بہ حصہ لطائف پر مبنی ہے تو لطائف کے ناقدانہ تجزیہ اور ایک منضبط منہاج تحقیق Methodology کے بغیر کس طرح حق مطالعہ ادا کیا جاسکتا ہے؟۔

لطائفی ادب کے مسئلہ پر کئی زاویوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ اس صنف کا آغاز خود ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لطائف کی ماہیت پر نظر کریں تو یہ گمان ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے اس کا تعلق قصص کی روایت سے ہے۔ اسلامی مذہبی ادب میں انبیاء کے قصص کو ایک اہم مقام حاصل ہے، لیکن یہ بھی ایک امر مسلمہ ہے کہ روایاتی قصص انبیاء میں معتد بہ حصہ اس قبیل سے ہے جسے ''اسرائیلات'' گردانا جاتا ہے اور جسے اب لائق اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب ''قصص القرآن'' میں بار بار اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ بعض مفسرین نے ''اسرائیل خرافات'' اور اسرائیلی ہفوات'' کو قصص کی تفسیر میں شامل کرلیا ہے۔[۱] بہر حال صوفیانہ لطائف اور روایاتی قصص الانبیاء کے روابط کا مسئلہ تحقیق طلب ہے اور یہ مختصر مضمون اس پہلو کا اجمالی احاطہ بھی کرنے سے قاصر ہے۔

لطائفی ادب مختلف الالوان عناصر کا مجموعہ ہے۔ اس میں روحانیت اور حکمت کے ہیرے جواہر بھی ملیں گے اور جلالی لطائف کے تیز دھاری پتھر بھی ، انفاق ، ایثار اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ ترین نمونے بھی اور نفس کشی اور کنبہ گریزی کے قصے بھی۔ لطف یہ ہے کی ہمدردی صرف مسلمانوں اور صرف انسانوں تک محدود نہیں تھی ، ان میں جانوروں سے ہمدردی کے ایسے حیرت انگیز قصے ملتے ہیں، جن میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیمار جانوروں کی دیکھ بھال تمام عبادات اور زہدو ورع سے بلند تر مقام رکھتی ہے ۔ جہاں تک لطائف میں رشدو ہدایات کے اسباق کا تعلق ہے تو صوفیا نہ تعلیمات کا شاید ہی کوئی پہلو ہو جو لطائف میں کسی نہ کسی شکل میں پیش نہ کیا گیا ہو۔

لطائف میں چند عناصر بھی ہیں جن کا تواتر بھی زیادہ ہے اور انہیں علمی مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں مزید جزم واحتیاط بھی ضروری ہے ۔ ان میں پہلے تو کرامات اور خصوصاً تقابلی کرامات کے لطائف ہیں۔ تقابلی کرامات سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ شیخ یہ کچھ کرسکتا ہے تو یہ شیخ اس سے زیادہ کرسکتا ہے ۔ اگر اس کا چہرہ دیکھ کر جنت جانا یقینی ہوجاتا ہے، تو اس کی بستی سے صرف گزرنا ہی اس مقصد کے لئے کافی ہے۔ تقابلی کرامات کے ساتھ فعل کی چاشنی آنا لازمی ہے۔

دوسرا عنصر شطحیات ،وہ اقوال یا باتیں، ہیں جو صوفی حضرات سکر اور جذب کی حالت میں کہہ گذرے ہیں ۔شطحیات گوئی میں بلند پایہ شیوخ بھی ہیں اور ان سے کم درجے کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ سطحیات میں صوفیوں نے کیا کچھ نہیں کہا؟ اس شطحیات کی توضیح بھی کی گئی اور ان توضیحات نے ایک نئی صنف کی شکل بھی اختیار کرلی۔لیکن ایسے اقوال بھی ہیں جن پر توضیح کی چادر چھوٹی پڑجاتی ہے۔

غرض یہ کہ تقابلی کرامات ،تعلی ،شطحیات اور لطائف الحجاز (یعنی عشق ومحبت کے واقعات جو بسا اوقات توضیحی مثال کی طرح استعمال کئے گئے ہیں) نے لطائفی ادب کو مجموعی طور سے ایک ایسی صنف کا مواد بنادیا ہے جس کو علمی سطح پر استعمال کرنے میں بڑی شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

لطائفی ادب کی مقبولیت:

لطائفی ادب میں بڑی دلآویزی ہوتی ہے اسی وجہ سے اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔اس کا سبب بیان کرنا مشکل نہیں۔ دلیل ،چاہے وہ فقہی ہو یا اصول تصوف کی ، اس کا سمجھنا عام آدمی کے لئے محال ہے ۔ پڑھے لکھے لوگوں کی اکثریت کے لئے بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔لیکن اسی بات کو لطیفہ میں لپیٹ کر بیان کردیجئے تو اس کو ہر شخص دلچسپی سے سنے گا۔ عام لوگ اس کے سیدھے سادے معنی سمجھ جائیں گے اور خاص لوگ لطیفے کی معنویت پر غور کریں گے۔صوفیہ کا واسطہ چونکہ ہر طبقے کے لوگوں سے ہوتا تھا اور بعض صوفیانہ سلسلے عوام سے قریبی رابطے رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے لطائف کو اپنی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے کے طور پر اختیار کیا، اور ابلاغ کی حیثیت سے اس کی تاثیر کو درجہ کمال تک پہنچایا۔بعض اکابر صوفیہ نے لطیفہ بیان کرنے کا بڑا دلنشین پیرایہ وضع کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے لطائف جو ان کے ملفوظات'' فوائد الفوائد'' میں دئے گئے ہیں، ان میں بڑی دلآویزی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان کی شخصیت کے جمال کے آئینہ دار ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس عہد کے صوفیانہ ادب میں لطائفی عنصر کا فروغ ایک طرف مذہبی اور روحانی تقاضوں کی پیداوار تھا تو دوسری طرف اس نے تصوف کے ابلاغ کی ضرورت کو بھی با حسن وجوہ پورا کیا۔

لطائف کی پرکھ:

اب مسئلہ یہ ہے کہ جب لطائف کا عنصر صوفیانہ ادب میں اتنا اہم ہے تو اسے کس طرح

پرکھا جائے؟ کیا تمام لطائف کو جو قائل اعتبار یا قریب الاعتبار ملفوظات میں پائے جاتے ہیں، صحیح مان لیا جائیں ؟ اورکیا صحیح ماننے کے معنی یہ ہیں کہ ان لطائف کے مندرجات کو تاریخ میں گذرے ہوئے واقعہ کی طرح سمجھا جائے ؟ یا اس امر کا امکان ہے کہ بعض یا بہت سے لطائف کسی خاص نکتہ کو اجاگر کرنے کے لئے وضع کیے گئے ہوں؟ مراد یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیاجائے کہ لطیفہ کی روایت صحیح ہے یعنی جن بزرگوں سے منسوب ہے، انہوں نے کم وبیش انہی الفاظ میں بیان کیا تھا جو ملفوظ یا تذکرۂ میں دیے گئے ہیں،تو کیا یہ ضروری ہے کہ لطیفہ میں بیان کردہ واقعات کو اصلاً صحیح سمجھا جائے؟ دراصل جس طرح تاریخی واقعات کے پرکھنے میں اعتبار اور بے اعتباری کی سطحیں آتی ہیں، اسی طرح لطیفوں میں درجہ اعتبار متعین کرنا یا کم ازکم متعین کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

لطائف اور مثالیہ:

یہ بات خاص طور سے قابل توجہ اور تنقیح ہے کہ کوئی لطیفہ کے کتنا قریب ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس لفظ کے معنی یہ بتائے گئے ہیں'' مفروضہ واقعات کا بیان'' کسی اخلاقی یا روحانی بات کو بطور مثال سمجھانے کے لئے''۔ اس معنی کے لحاظ سے مثالیہ میں بیان کردہ واقعیات مفروضہ نوعیت کے ہوتے ہیں ۔ چیمبرز ڈکشنری میں دئے ہوئے معنی کسی قدر مختلف ہیں۔'' کہانی یا قصہ جس میں بیان کردہ باتوں میں سے ہوسکتا ہے کچھ واقع بھی ہوئی ہوں، اور جسے کسی عقیدے ،نظریے کو بطور مثال سمجھانے کے لئے یا کسی ڈیوٹی یا فریضہ کو واضح کرنے کے لئے بیان کیا جائے ۔'' اس دوسرے معنی میں یہ گنجائش ہے کہ Parable کا کچھ حصہ واقعتاً بھی صحیح ہو،لیکن دونوں لغات میں زور مقصد پر ہے، بیان کردہ قصہ کی صحت پر نہیں۔ لطائف کی چند مثالوں سے زیر بحث نکتہ واضح ہوجائے گا۔ رسالہ قشیریہ میں یہ لطیفہ درج ہے کہ'' ایک شخص نے ایک لونڈی بطورتحفہ جبلہ ابن سحیم کے پاس بھیجی۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت بری بات ہے کہ تمہاری موجودگی میں اسے میں لے لوں اور میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ تم میں سے کسی خاص ایک شخص کو دے دوں، جبکہ تم میں سے ہر ایک کا حق اور احترام ہے ،مگر لونڈی تو تقسیم نہیں ہوسکتی ۔ وہ سب اسی کے آدمی تھے۔ لہٰذا انہوں نے ہر ایک کو ایک ایک لونڈی بخش دی [۲] یہ لطیفہ صوفیوں کے جودوسخا کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر اسے واقعہ مان لیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفی موصوف کے پاس اتنی باندیاں ہونے

کا کیا جواز تھا۔ اور اگر الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کر کے یہ سمجھا جائے کہ صوفی نے اتنی کنزیں خرید کر لانے کا حکم دیا تو یہ بات بجائے خود احسن نہیں۔ سوال پیدا ہوگا کہ صوفی کے پاس اتنے مال دولت کا کیا کام؟ لیکن اگر اس لطیفہ کو مثالیہ Parable گردانا جائے تو پھر اس میں جو مبالغہ کا عنصر ہے وہ اپنے اصل پیمانے پر آجاتا ہے، اس لئے کہ مثالیہ میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ Parable میں یہ بھی گنجائش ہوتی ہے کہ کوئی انوکھی بات کہی جائے تو قابل توجہ ہو مثلاً ''رسالہ قشیریہ'' ہی میں بیان موجود ہے کہ'' ایک شخص نے ایک عورت سے رشتہ کیا۔ قبل اس کے کہ وہ اس کے گھر آتی اسے چیچک ہوگئی اور ایک آنکھ جاتی رہی۔ مرد نے جب یہ سنا تو اس نے بھی کہا میری آنکھ میں درد ہے، پھر کہا کہ میں نابینا ہوگیا۔ پھر وہ عورت اس کے گھر آ گئی اور بیس سال اس کے گھر رہی، پھر مرگئی، تب اس شخص نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا میں نے (دانستہ) اپنے کو اندھا بنالیا تھا تاکہ اس عورت کو میری طرف سے کوئی فکر نہ۔ ہو لوگوں نے کہا کہ تو تو جوانمردی میں سب پر سبقت لے گیا۔''[۳]

یہ لطیفہ بھی ایثار کے مثالیہ کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اسے اصل واقعہ ماننے سے اشکال پیدا ہوگا۔

ایسے لطائف بے شمار ہین جو بیّن طور پر مثالیہ ہیں۔ مثالیہ کی ایک اچھی مثال حسب ذیل ہے: سر محمدی جو خواجہ گیسو درازؒ کے ''احوال وافعال واقوال'' پر مشتمل ہے اور خواجہ کی وفات کے صرف پانچ سال بعد مرتب ہوئی، اس میں درج ہے کہ خواجہ جامع مسجد دہلی کے سامنے سے گذر رہے تھے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قے کررہا تھا اور اس کے منھ سے بگنی (شراب) اور گوشت کے تکّے نکل کر باہر آرہے تھے جسے ایک خارش زدہ کتا کھا رہا تھا۔ جو لوگ وہاں سے گذر رہے تھے وہ اس شخص پر لعن طعن کررہے تھے۔ حضر مخدوم کو اس شخص کی پیشانی پر نعمت کے آثار نظر آئے، وہ جب وہاں سے چلا تو آپ اس کے پیچھے ہولئے۔ وہ شخص ایک حوض پر گیا اور اس نے وضو کیا اور دیر تک مضمضہ (غرارہ) کرتا رہا۔ پھر اس نے دوگانہ ادا کیا۔ حضرت بندگی مخدوم نے اسے بڑی سخت قسم دے کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے ناچار ہوکر بتایا کہ میں ابدالؔ ہوں، میرا نام رکن الدین ہے۔ میں یہاں سے ہزار کوس دور ایک جگہ پر تھا، مجھے حکم ملا کہ جامع مسجد، دہلی کے دروازہ پر ایک خارش زدہ کتا ہے جو کمزوری کے باعث چل پھر نہیں سکتا۔ تم وہاں جاؤ، بگنی اور گوشت خرید و اور کھاؤ اور پھر اس کتے کو کھلاؤ۔[۴]

خواجہ گیسودراز کا ہی بیان کیا ہوا ایک اور لطیفہ ''جوامع الکلم''(مخطوطہ برٹش میوزیم) میں دیا ہوا ہے جس کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا اجمال یہ ہے کہ خدا نے ایک زاہد کو خبر دار کیا کہ وہ شہر پر آگ کا عذاب نازل کرنے والا ہے اور تمام شہر میں صرف ایک گھر محفوظ رہے گا، اور وہ ایک فاحشہ عورت کا ہے، زاہد نے اس فاحشہ کے گھر جا کر پناہ لی۔ بعد میں یہ راز کھلا کہ اس شہر میں ایک خارش زدہ کتا تھا، جسے ہر شخص دھتکار کر بھگا دیتا تھا۔ صرف اس عورت نے اس کی خبر گیری کی تھی۔ تمام اہل شہر جل کر خاک ہوگئے اور زاہد بھی اپنے زہد کے باوجود صرف اس طرح بچ سکا کہ رات فاحشہ کے سایہ حفاظت میں گذاری تھی۔۵

یہ دونوں لطیفے واضح طور پر مثالیہ ہیں اور ان کا پیغام یہ ہے کہ خدا کی کمین ترین مخلوق بھی ہمدردی اور رحم کی مستحق ہے۔ دوسرے لطیفہ میں تاکید مزید اس پر ہے کہ اس ہمدردی کے بغیر عمر بھر کا زہد بے سود ہوسکتا ہے اور یہ ہمدردی ہوتو عمر بھر کا عصیان بھی قابل معافی ہے۔ پہلے لطیفہ میں یہ پیام بھی لپٹا ہوا ہے کہ بندہ کو اپنے رزق کے لئے خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے جو مریل کتے کے لئے بھی ہزاروں میل دور سے کسی کو بھیج کر انتظام کرسکتا ہے۔

اس نوع کے لطیفے تصوف کی اصولی کتب اور تذکرہ وملفوظ میں پائے جاتے ہیں اور ان کا مقصد ظاہر ہے۔ یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ مذہبی کتب میں مثالیہ Parable کی ہمیشہ بڑی اہمیت رہی ہے، اور اکثر الہامی کتب مثلاً عہد نامہ ہائے عتیق وجدید میں اسے اخلاقی سبق اور مذہبی ہدایات کے ابلاغ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔لیکن اس سیاق وسباق میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ صوفیا نہ ادب میں بہت سے لطائف کو بطور واقعہ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابدال رکن الدین سے ملاقات اور گفتگو کی جزئیات اس کی شاہد ہیں کہ انہیں بطور امر واقعہ پیش کیا گیا۔

ایک اور پرکھ:

کسی لطیفہ کی اہمیت اور اعتبار کو جانچنے کے لئے ایک اور پرکھ یہ ہے کہ آیا انواع کے لطیفے پہلے بھی آچکے ہیں؟ تلاش کیا جائے تو ایسے لطائف خاصی تعداد میں ملیں گے، جن سے ملتے جلتے لطیفے پیش رفتہ مأخذ میں موجود ہیں۔ اسکی سب سے دلچسپ اور نمایاں مثال حسب ذیل ہے:''رسالہ قشیریہ'' میں ہے کہ شفیق بلخی نے جعفرؑ بن محمدؑ الصادق سے فتوت کے بارے میں معلوم کیا۔ انہوں نے کہا پہلے

تم بتاؤ، شفیق نے کہا اگر (دینے والا) دیتا ہے تو ہم شکر کرتے ہیں، نہیں دیتا تو صبر کرتے ہیں۔ جعفرؒ نے کہا کہ'' ہمارے یہاں مدینہ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں۔'' شفیق نے دریافت کیا کہ'' اے ابن رسولؐ! پھر فتوت کیا ہے؟'' انہوں نے فرمایا'' اگر دیتے ہیں تو ایثار کردیتے ہیں، نہیں دیتے تو صبر کرتے ہیں ۶'' پھر شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی نے'' طبقات صوفیا'' میں بیان کیا ہے کہ شقیق بن ابراہیم بلخی نے ایک وقت ابراہیم ادھم سے کہا کہ آپ حصول معاش کس طرح کرتے ہیں'' انہوں نے کہا کہ'' جب مل جاتا ہے تو خدا کا شکر کرتے ہیں اور انہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ شقیق نے کہا کہ خراسان کے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ۷ ابو حامد غزالی کی'' احیاء العلوم'' جلد چہارم میں بھی ابراہیم بن ادھم اور شقیق بلخی کی گفتگو قدرے مختلف پیرایہ میں دی ہے لیکن زیادہ اہم فرق یہ ہے کہ'' بلخ کے کتے'' والا فقرہ یہاں ابراہیم ادھم کہتے ہیں ۸ پھر عوارف المعارف'' میں ہے کہ اسی قسم کا ایک جواب ایک نوجوان صوفی نے بایزید بسطامی کو دے کر انہیں لاجواب کردیا تھا۔ ۹

یہ ایک لطیفے کی چار شکلیں ہیں۔ بنیادی بات ایک ہی ہے لیکن افراد بدلتے جاتے ہیں۔ ''احیا العلوم'' اور '' طبقات الصوفیہ میں افراد ایک ہی ہیں لیکن ان کے رول برعکس ہیں۔ گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ مل جائے تو شکر کرنا ورنہ صبر کرنا تو معمولی درجہ کی بات ہے، صوفی کو اس سے کچھ زیادہ کرنا چاہئے۔ صوفیوں کے اوصاف میں یہ لطیفہ ایثار کے ماتحت جگہ پائے گا۔

ایک ہی قصبہ کی چار مختلف شکلیں دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک اصل ہوگا۔ اور بقیہ تین اس کی بدلی ہوئی شکلیں ہوں گی۔ یعنی اصل واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو باقی تین روایتیں وضعی ہیں۔ یہ امکان بھی خارج از بحث نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس نوع اصل لطیفہ ان چار لطائف سے پہلے موجود ہو! اور کوئی متجسس اسکالر جلد یا دیر میں اس کا کھوج لگالے پھر یہ چاروں لطائف وضعی ہوجائیں گے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس نوع کے اولین لطیفہ میں صرف اتنی بات کہی گئی ہو کہ قوت لایموت ملنے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر عام درجہ کی بات ہے یعنی ناکافی ہے۔ لیکن لطیفہ نگار نے بات میں تیکھا پن پیدا کرنے کے لئے کتوں کی مثال کا اضافہ کردیا ہو۔ اگر یہ آخری گمان صحیح ہوتو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لطیفہ نگار نے ایک روایت کو ایک مثالیہ Parable میں تبدیل کردیا۔

مماثل لطائف کی ایک اور بہت اچھی مثال'' شیر وگلاب '' والے لطیفے ہیں۔ اس عنوان

کا پہلا لطیفہ جہاں تک میرے علم میں ہے، سب سے پہلے شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب ''اخبارالاخیار'' میں ملتا ہے جس کا رائج متن ۹۲-۱۵۹۱/۱۰۰۰ کے چند سالوں کے اندر مرتب ہوا[۱۰] بیان ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانی جب ملتان میں مستقل قیام کے لئے آئے تو شیوخ ملتان کو ان سے حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بطور کنایت دودھ سے بھرا پیالہ شیخ کی خدمت میں بھیجا، مراد یہ تھی کہ شہر میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ شیخ یہ بات سمجھ گئے اور انہوں نے دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس کردیا۔ مراد یہ تھی کہ شہر میں اس طرح رہوں گا جیسے دودھ کے پیالہ پر پھول تیرتا ہے۔ مشائخ ملتان اس ادا کی لطافت سے حیران رہ گئے اور شیخ کے مطیع ہوگئے۔ ''اخبار الاخیار'' بڑی تلاش وتحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کا عام انداز سنجیدہ ہے اور یہ لطیفہ لطافت سے خالی بھی نہیں۔ طبع سلیم اسے تسلیم کرسکتی ہے۔ اس کے ماننے میں اگر تامل ہوتا ہے تو اس لئے کہ یہ بات شیخ کے وصال (قریب ۱۲۶۷ء) کے قریب سوا تین سو سال بعد ضبط تحریر میں آتی ہے، اور اس کا استناد بھی نامعلوم ہے۔ مزید برآں فضل اللہ جمالی جو اصلاً سہروردی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود شیخ کے آثار کی تلاش میں ملتان گئے تھے، انہوں نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اب اس لطیفہ کی دوسری شکل دیکھئے: الہ دیا چشتی نے خواجہ شمس الدین ترکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق پانی پت پہنچے تو انہوں نے وہاں کے بزرگ شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کو اپنے ملازم کے ہاتھ دودھ سے بھرا پیالہ سلام کے ساتھ بھجوایا۔ قلندر صاحب یہ دیکھ کر مسکرائے اور انہوں نے گلاب کا پھول جو سامنے رکھا تھا، دودھ پرڈال دیا اور پیالہ سلام کے ساتھ واپس بھجوادیا۔ جب یہ پیالہ واپس پہنچا تو خواجہ صاحب بھی اسے دیکھ کر مسکرائے حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میری طرف سے پیالہ شیر بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملک (یعنی علاقہ) مجھے میرے مرشد نے عطا کیا ہے اور یہ میری ولایت سے معمور (یعنی پر) ہوگیا ہے، اور برادرم قلندر نے جو پھول ڈال کر پیالہ واپس کیا تو اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ انہیں میری ولایت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ گل کی مانند اس شہر میں رہیں گے۔ پھر لوگوں نے قلندر صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے[۱۲] ''سیر الاقطاب'' کا یہ لطیفہ مبینہ وقوع کے قریب تین سو سال بعد تحریر میں آیا۔ الہ دیا چشتی نے اس کا مأخذ تو نہیں بتایا لیکن وہ پانی پت کے خاندان شیوخ سے اپنا رشتہ بتاتا ہے اور گمان ہوتا ہے کہ اگر یہ لطیفہ اس کی اپنی ایجاد نہیں تھا تو اس نے اس کی روایت اپنے

خاندان والوں سے سنی ہوگی۔ یہ بات تو بہر حال ظاہر ہے کہ یہ ملتان سے متعلق لطیفہ کا ہی چربہ ہے۔ اس دوسری شکل میں شیر اور گلاب کی ترسیل میں ترتیب بدل کر لطیفہ کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لطیفہ کی یہ دوسری روایت ناقدانہ نظر رکھنے والوں کو مطمئن نہیں کرسکتی ، اب لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم نے اپنی کتاب ''بزم صوفیہ'' میں ملتان والے لطیفہ کا ذکر تو نہیں کیا، لیکن پانی پت والے کا کیا ہے [۱۳]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیر وگلاب کے پہلے لطیفہ کے صحیح ہونے کا امکان ہے اوراگرچہ اس کا استناد ضعیف ہے جبکہ دوسرا لطیفہ ساقط الاعتبار معلوم ہوتا ہے۔

ایک اور نوع کے لطیفے جو ملفوظات اور تذکروں میں بڑے تواتر سے نظر آتے ہیں، ان کی جانب ایک اجمالی اشارہ کافی ہے۔ ''رسالہ قشیریہ'' میں بیان ہے کہ ابراہیم ادہم کو ایک وقت کشتی میں بیٹھنا تھا، جس کا کرایہ ایک دینار تھا، مگر ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور خدا سے کہا کہ مجھ سے رقم مانگ رہے ہیں جو میرے پاس نہیں۔ آن واحد میں تمام ریت دینار کے ڈھیر میں بدل گئی۔ [۱۴] ''رسالہ قشیریہ'' سے پہلے ایک ایسا ہی لطیفہ ''کتاب اللمع'' میں ابو الحسن بصری کے حوالہ سے ایک سیاہ فام فقیر کے بارے میں آتا ہے۔ [۱۵] اس قسم کے دریائے زر'' والے لطائف شیخ نظام الدین اولیاء [۱۶] اور بہت سے دیگر شیوخ کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔ در اصل ان لطائف کا ایک بڑا واضح مقصد تھا اور وہ یہ کہ عوام ، امراء اور حکام ،غرض سب کو متنبہ کیا جائے کہ شیخ ان کی رقوم کے محتاج نہیں، ان کے لئے زمین اور آسمان کے خزانے کھلے ہوئے ہیں۔ (یہ الفاظ ایک لطیفہ کی عبارت سے لئے گئے ہیں۔)اور کوئی شخص اگر کوئی چیز پیشکش کے لئے لاتا ہے تو اس سے شیخ کی امداد نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔ ان لطائف کا تواتر ہی ان کا اعتبار کھونے کے لئے کافی ہے۔

لطائف کی زمرہ بندی:

صوفیانہ لطائف کی اہمیت اور معنویت کو پوری طرح سمجھنے اور اعتبار کو پرکھنے کے کام میں ایک طریقہ جو بے حد مفید اور موثر ثابت ہوسکتا ہے وہ لطائف کی زمرہ بندی (اور بعض صورتوں میں ذیلی زمرہ بندی) کا ہے۔ اس طریقہ کو اب تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ سائمن ڈگبی نے اپنے مضمون

Onalandars end Related Groups میں قلندروں کے بارے میں لطائف کے چھ زمرے قائم کئے ہیں ۱۷ یہ زمرہ بندی ایک رہنما کوشش کی حیثیت سے اہم ہے۔لیکن لطائف کی صرف ایک نوع مربوط ہے۔ بطور مجموعی صوفیانہ لطائف کے لئے زیادہ وسیع بنیادوں پر زمرہ بندی درکار ہوگی۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ایک اسکالر کی وضع کردہ زمرہ بندی دوسرے اسکالر کی زمرہ بندی سے مختلف ہوسکتی ہے۔ ہر اسکالر اس کام کو اپنے نقطہ نظر، موضوع تحقیق اور مقاصد کار کے لحاظ سے ترتیب دے گا۔ البتہ اس کا امکان ضرور ہے کہ لطائف کی زمرہ بندی کے کام میں کماحقہ پیش رفت کے بعد وہ مرحلہ آجائے جب ایک بنیادی زمرہ بندی قائم ہوجائے جس میں ہر اسکالر اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ردوبدل کرسکے۔

تصوف پر تحقیق کرنے والے علماء نے بالعموم لطیفہ کو ایک وحدانیہ سمجھ کر استعمال کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہر لطیفہ کو تاریخی شہادت کی طرح مان لیاجائے تو تصوف کی عجیب وغریب تاریخ مرتب ہوگی۔ زمرہ بندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر لطیفہ کو ایک جداگانہ اکائی کی طرح رکھا اور پرکھا جائے، اسے انہی نوع کے لطائف کے ساتھ رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح دو باتیں تو فوراً سامنے آسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ لطیفہ نگار کے پیشروؤں نے اس لطیفہ کو کس طرح اور کس مقصد کے لئے پیش کیا اور لطیفہ میں کون سا پیام ہوا؟ دوسرے یہ کہ زیر مطالعہ لطیفہ کہاں سے لیا ہے؟ اس میں کتنا تصرف کیا ہے؟ اور کس مقصد کے لئے مختلف طور سے استعمال کیا گیا ہے؟ اور اس کا پایہ اعتبار کیا ہے؟

یہ بات بھی زیادہ وضاحت طلب نہیں کہ مختلف زمرہ بندیاں مرتب ہوسکتی ہیں، مثلاً ایک عام زمرہ بندی اس بنیاد ہوسکتی ہے کہ لطائف میں تاریخیت کتنی ہے، یعنی کون سے لطائف خالص یا بڑی حد تک تاریخی ہیں کون سے ایسے ہیں جن میں تاریخی اور غیر تاریخی عناصر خلط ہیں؟ اور کون سے ایسے ہیں جو محض مثالیہ Palable ہیں۔ ایک زمرہ بندی موضوعاتی ہوسکتی ہے، یعنی موضوعات کی اپنی اہمیت کے لحاظ سے زمروں کی فہرست قائم کرکے ان کے ماتحت لطائف کی صف بندی کی جائے، مثلاً فقر کے لطائف ورع کے لطائف، حج کے بارے میں لطائف، فتوح کے لطائف وغیر وغیرہ۔ایک محدود لیکن دلچسپ زمرہ بندی ایسی ہوسکتی ہے جو علامتی نشانات کے ماتحت ہو، جیسے ''شیروگلاب'' کے لطائف ''دریائے زر'' کے لطائف یا ''لطائف المجاز'' جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

راقم الحروف کی توجہ فی الوقت صوفیا نہ سلسلوں کی تعلیمات اور معاشرہ اور معاش پر ان کے اثرات پر مرکوز ہے۔ اس نقطہ نظر سے میں نے جو زمرہ بندی کی ہے۔ اسکے کچھ عنوانات حسب ذیل ہیں:

انفاق ، ایثار اور خیرات (داودہش) اور فیاضیانہ مہمانداری کے وصف میں لطائف ۔ فتوحات کے ردوقبول کے بارے میں ۔ فتوحات کی تقسیم اور استعمال کے بارے میں ، شیخ کے یادیگر شیوخ کے جلالی انداز کے لطائف ، یعنی تلطف ، مہربانی وعفو، رحم کے قصے، خوابوں کی تعبیر کے قصے۔ ایسے لطائف جن میں گنہگاروں پر رحمت خداوندی کے نزول کا اور زہاد کی رحمت ونعمت سے محرومی کا ذکر ہے۔ کراماتی لطائف ، خصوصاً ''دریائے زر'' والے قصے ۔کرامات کی کئی ذیلی زمرہ بندیاں ممکن ہیں۔فقر کے لطائف اور ان میں خصوصاً فاقے کے لطائف ۔ اہل وعیال کی ذمہ داری پوری کرنے کے لطائف (ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے) توکل، فقر، زہد، تجرد ، ازدواج اور کسب کے بارے میں لطائف، لطائف المجاز، حسن وعشق کے لطائف ، بیشتر عشق حقیقی کے مسائل سمجھانے کے لئے مرشد اور مریدوں کے روابط اور طریقہ تربیت کے لطیفے ، قلندروں سے ، مردان غیب سے ، علماء سے ، مجذوبوں سے، غلاموں سے ، اور جوگیوں سے روابط کے قصے۔تعلّی آمیز لطائف ۔ یوں تو انکسار اور نفس کشی تصوف کے اولین اوصاف میں ہیں، پھر بھی صوفیانہ لطائف تعلّی سے یکسر خالی نہیں ۔ (۱۷۔الف) دوسرے شیوخ سے یا جوگیوں وغیرہ سے مسابقت کے قصے، یکبارگی موت واقع ہونے کے قصے، لطائف جن سے معاشی یا سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ لطائف جن میں تاریخی مواد ہے۔ یانظام حکومت پر روشنی پڑتی ہے۔ کتابوں اور کتابی علم کے خلاف اور عقل وفلسفہ کے خلاف لطائف ،علم میں لطائف۔

ان زمروں کے ذیلی زمرے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، مثلاً گنہگاروں پر نزول رحمت کے مختلف اسباب قائم کئے جاسکتے ہیں۔ جن مین ایک سبب کسی انسان یا جانور سے رحم کا برتاؤ ہوسکتا ہے۔ کرامات کے ذیل میں بہت سے عنوان قائم کیے جاسکتے ہیں ، مثلاً دست غیب ، دریائے زرع،علم غیب یا پیشگی علم ، مسیحائی ، ہدم وغیرہ وغیرہ ۔غلاموں کے تعلق سے کئی ذیلی زمرے قائم کیے جاسکتے ہیں ، مثلاً غلاموں کے ساتھ برتاؤ، ان کو آزاد کرنا، غلاموں کی کمائی پر جینا، بھاگے ہوئے غلاموں کی بازیابی ۔ یہ ذیلی مدیں صرف مثال کے لئے دی گئی ہیں کہ کس طرح ایک ہی مد سے کئی مدیں نکل سکتی ہیں۔

جلالی لطیفے:

جلالی نوعیت کے لطیفوں کی شیوخ کے ملفوظات اور تذکروں میں کوئی کمی نہیں ۔کسی بزرگ کے حالات میں ان کا عنصر زیادہ ہے اور کسی میں کم ۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ بزرگ جو محبت شفقت اور رافت کانمونہ تھے ان کے یہاں بھی جلالی لطیفے ناپید نہیں۔ ایک دومثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔''خیر المجالس'' مین شیخ نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فرید کی خدمت میں ایک درویش حاضر ہوا۔ شیخ نے اسے کوئی چیز دلوادی اور اس سے واپس جانے کے لئے کہا ۔ وہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ شیخ وہ کنگھا مجھے دیدو ۔شیخ خاموش رہے۔ درویش نے پھر وہی بات کہی ۔شیخ اب بھی خاموش رہے۔ تیسری بار درویش نے آواز اونچی کرکے کہا کہ شیخ کنگھا دے تو تجھے برکت ہوگی۔شیخ نے کہا کہ وہ برکت میں نے تیرے لئے پانی میں روانہ کردی۔ وہ درویش وہاں سے جانے کے بعد بستی کے نزدیک ایک جگہ پانی میں غسل کرنے کے لئے اترا۔ پانی پاب تھا لیکن اس شخص کا پھر کچھ پتہ نہ چلا ۱۸؎ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ حال کے ایک مورخ نے شیخ فرید پر اپنی تصنیف میں اس کو اس نقطہ پر ختم کردیا ہے کہ جب شیخ نے کہا'' آں برکت ترا در آب رواں کردیم'' اور درویش کے انجام کا ذکر صرف نظر کردیا،جس سے لطیفہ کی جلالی شان واضح ہوتی ہے ۱۹؎''خیر المجالس'' میں ہی بابا فرید کاایک اور جلالی لطیفہ درج ہے کہ جس میں شیخ لڑکوں کی شکایت پر اجودھن کے متصرف کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا ۔۲۰؎ ''خیر المجالس'' کے مؤلف نے فردوسی سلسلہ کے شیخ عماد کے دونوجوان لڑکوں کے جمنا میں ڈوب جانے کو شیخ نظام الدین اولیاء کی کرامات سے منسوب کیا ہے ۔ان نوجوانوں نے قبلاً شیخ کے بارے میں بے ادبانہ الفاظ ادا کیے تھے ۲۱؎

جلالی لطائف کی بھی زمرہ بندی کی جاسکتی ہے جس سے ایک نوعیت کے جلالی لطیفوں کی صف بندی سے ان کے تناظر ماقبل پر روشنی پڑسکتی ہے اور اس طرح بھی رہنمائی ہوسکتی ہے کہ کون سالطیفہ کہاں سے لیا گیا ہے؟ شیخ کے جلال کے نتیجے میں معتوبین کے پیٹ میں درد، سردرد، بینائی کے زوال ، اور اسی قبیل کی زحمت کے لطائف چشتی سہروردی بزرگوں کے حالات میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بالکل ایک جیسے لطائف مختلف بزرگوں کے حالات میں ملیں تو یہ واضح اشارہ ہے کہ لطائف نگار کی کوشش تھی کہ اس کے ممدوح پیر کا پلڑا اس کمال میں نیچے نہ رہ جائے۔ اس بات سے تو شاید زیر تحریر مضمون کے ناقد بھی متفق ہوں گے کہ جلالی لطیفوں کا درجہ اعتبار کچھ کم ہوجائے تو تاریخ تصوف کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔لیکن خیرالمجالس'' میں بیان کردہ جلالی لطائف کی صحت کو تو غالباً تسلیم

کرنا ہی پڑے گا۔

لطائف حسن وعشق:

صوفیانہ ادب میں عشق مجاز کے قصوں کی چاشنی وافر مقدار میں موجود ہے، بلکہ بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ اس قبیل کے قصوّں کا تناسب توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ کچھ قصے تو اس قسم کے ہیں جو عشق ومحبت الٰہی کے نکات کو عشق مجازی کی مثال دے کر سالکین کو سمجھانے کے لئے بیان کیے گئے ہیں۔ پھر بعض قصےّ حضرات صوفیہ کے واردات مجاز کے بارے میں اور بعض غیر صوفیہ لوگوں کے بارے میں ہیں۔

صوفیانہ ادب میں لطائف الجمال کو جمع کیا جائے تو خاصی تعداد ہوجائے گی ۔ یہاں نہ ان کا حال پھیلا کر بیان کرنا مقصود ہے اور نہ بات کو طول دینا ۔ البتہ غور کرنے والے اسکالر کے ذہن میں ایک دو باتیں ضرور کھٹکیں گی۔ ایک تو یہی کہ صوفیانہ لطائف میں مجازی عشق کے قصوں کا اتنا مواد کیوں ہے؟ کیا ان کے بغیر بات کو سمجھنا بالکل ناممکن تھا؟ اس آخری سوال کا جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ محبت چونکہ بشری زندگی میں ایک آفاقی جذبہ ہے ، ہر شخص اس سے واقف ہے اور تھوڑا بہت تجربہ رکھتا ہے۔ اس لئے عشق الٰہی کے معاملات ومقامات کو سمجھانے کا مجاز کے حوالہ سے کچھ آسان تر ہوجاتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس تمام مسئلہ پر علم نفسیات کا ماہر نظر ڈالے تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی پہلو نظر آئے جو تاریخ کے طالب علموں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

آخر میں قارئین کی دلچسپی اور تفہیم کے لئے اس قبیل کے دو لطیفے بیان کیے جاتے ہیں : اولیاء کی موت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ''موت کے وقت اولیاء کی حالت وہی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی شخص بستر میں سو رہا ہو اور اس کا معشوق اس کے بستر میں آجائے او اس آدمی کی آنکھ کھل جائے اور وہ معشوق کو اپنے بستر میں دیکھے، جس کی اسے ایک عمر سے طلب تھی، تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا خوشی اور فرحت حاصل ہوگی''۲۲۔ اس لطیفہ میں خوبی یہ ہے کہ اس کے سنانے کی توجیہ اور مقصد آخری جملہ میں موجود ہے ۔ موت کے بعد واصل بہ حق ہونے کی لذت بے حساب کی توقع کو ایک ایسی مثال سے سمجھا سکتے ہیں۔ (''دانی اوراچہ شادی وفرحت آید'')

دوسرا لطیفہ'' رسالہ قشیریہ'' سے لیا گیا ہے۔'' یحی بن معاذ فرماتے ہیں کہ جو شخص نا اہل

لوگوں میں اپنی محبت کا ذکر کرے، وہ اپنی محبت میں جھوٹا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی سے اپنی دوستی کا دعویٰ کیا۔ اس جوان نے اس مرد سے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ، میرا بھائی مجھ سے بہتر اور زیادہ حسین ہے۔ اس شخص نے سرموڑ کر (اس کے بھائی کی طرف) دیکھا کہ جو کوئی بھی مجھ سے دوستی کا دعویٰ کرے اور دوسرے پر نظر ڈالے اس کی سزا یہی ہے۔'' ۲۳

فوری موت کے قصے:

فوری موت کوئی انہونی بات نہیں۔ آج کل بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ کسی غیر معمولی صدمہ (اور بعض اوقات غیر معمولی اور غیر متوقع خوشی) کے باعث موت واقع ہوجاتی ہے۔ صوفیوں پر جو شدید روحانی اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی رہتی تھی، وہ جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی ۔ شیخ قطب الدین بختیار کا کی کے وصال کا واقع معروف ہے ۔ قوالی کے دوران قوّال سے یہ شعر سن کر ان کی حالت غیر ہوگئی۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

تین روز کے مسلسل اضطراب کے بعد ان کا وصال ہوگیا ۔ اس شعر کے معانی میں فنا اور بقاء کے مضمون کو جس خوبصورتی سے سمودیا گیا ہے، اسے الفاظ کے حسن اور شعر کی غنائی تاثیر نے دوبالا کردیا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ چھوٹی بحر کا یہ شعر ان کے لئے نشتر کا کام کرگیا۔ اس واقعہ کو قبول کرنے میں اس لئے بھی تکلیف نہیں ہوتا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' میں اس کا ذکر ہے ۲۴ اور مزید یہ کہ شیخ کا کی کا انتقال فوری طور سے واقع نہیں ہوا بلکہ تین روز کی اضطرابی کیفیت کے بعد ہوا۔ لیکن جب ہم ''گلزار ابرار'' میں پڑھتے ہیں کہ نہرو الہ کے سید احمد حامد نے جوش وخروش کی کیفیت میں قوالوں سے وہی غزل گانے کی فرمائش کی اور جب قوال اس شعر پر پہنچے (گشتگان خنجر الخ) تو اضطرابی کیفیت بڑھ گئی اور اذان سن کر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور سجدہ میں جا کر ابدی وصال حاصل کرلیا ۲۵۔ تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت کا کی کے واقعہ کا چربہ تو نہیں ؟

فوری موت کا ایک عجیب وغریب واقعہ ،جس کا جہانگیر بادشاہ خود عینی گواہ تھا، ملا علی مہر کن کا ہے۔ اس کا حال جہانگیر نے خود اپنی تزک میں لکھا ہے ۲۶ اور اس کے بیان پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ۔ مختصراً واقعہ اس طرح ہے کہ شاہی محفل میں قوّال قوالی گا رہے تھے جس میں ٹیپ کا بند یہ

مشہور شعر تھا، جس کا پہلا مصرع شیخ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے اور دوسرا امیر خسرو سے۔

ہر قوم راست را ہے دینے وقبلہ گاہے من قبلہ راست کردم برسمت کج کلا ہے

جہانگیر نے دوسرے مصرع کے معنی پوچھے تو ملا علی نے اس شعر سے منسوب واقعہ بیان کیا اور جب دوسرا مصرع پڑھا تو پڑھتے ہی گر گئے اور جاں جان آفریں کے سپرد کردی۔ حضرت کا کی اور ملا علی کے واقعات کی صداقت پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں، لیکن صوفیہ کے لطائف میں فوری موت کے واقعات کی جو کثرت ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ بات لطیفہ کی تاثیر بڑھانے کیلئے تو استعمال نہیں کی گئی ہے اس قبیل کے سب واقعات اگر نا قابل یقین نہیں تو سب لائق یقین بھی نہیں۔

لطائف کا استناد اور اعتناد:

کتاب اللمع، طبقات الصوفیہ (ابوعبد الرحمٰن سلمی) اور رسالہ قشیریہ میں بہت سے لطائف کی سند بلکہ سلسلہ اسناد بھی دیا گیا ہے جس سے اس حد تک اطمینان ہوجاتا ہے کہ جو بات لکھی گئی وہ کسی نہ کسی معروف ذریعہ سے مولف تک پہنچی ہے۔ اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ بیان کیا ہوا واقعہ بالذات صحیح ہے، لیکن صحت عدم صحت کے بارے میں کم از کم مؤلف کی ذمہ داری کم ہوجاتی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ابوعبد الرحمٰن سلمی کے رسالہ ''ملا مثیان وصوفیان وجواں مرداں'' کے فاضل مصحح ڈاکٹر ابو العلا عفیفی نے یہ رائے بڑی مضبوطی سے ظاہر کی ہے کہ حدیث کے معاملہ میں سلمی شائستہ اعتبار سے نہیں اور انہوں نے صوفیہ کے مقاصد کی تائید میں حدیثیں وضع کی ہیں ۲۷۔ لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حدیث کے معاملہ میں اس پایہ کے مصنفین نے یہ رویہ اختیار کیا ہے تو پھر خود صوفیہ کی روایات میں کس حد تک احتیاط برتی ہوگی! اس امر کے پیش نظر سائمن ڈیگبی نے خانقاہوں کے حوالے سے جو اختراعی فضا (Inventive atmosphere) کا ذکر کیا ہے وہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

جنوبی ایشیا کے حوالہ سے شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظ ''فوائد الفائد'' مرتبہ حسن دہلوی اور کسی درجہ کم پر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مفلوظ مرتبہ حمید قلندر، تمام ملفوظات میں سب سے مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں ملفوظات کی تحریر میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور سلطان المشائخ اور چراغ دہلویؒ نے وہ حصے قلمزد کردئے، جن میں ان کی غلو آمیز مدح تھی

یا ان کی کرامات کا ذکر تھا۔مگر احتیاط کے باوجود ان دونوں میں فوق العارف واقعات کا معتد بہ مواد ملتا ہے۔ امیر خورد کرمانی کی ''سیر الاولیاء'' میں یہ مواد کچھ اور بھی زیادہ ہے۔''فوائد الفواد'' اور''خیر المجالس'' میں جو واقعات سلطان المشائخ اور چراغ دہلوی کے اپنے اپنے مشاہدہ کے حوالہ سے لکھے گئے ہیں ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن ایسے واقعات جو براہ راست مشاہدہ پر مبنی ہوں ان کا تناسب کم ہے اور بیشتر لطائف وواقعات دوسروں کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ شرف الدین منیری کے ملفوظات میں لطائف کا عنصر کم ہے اور مجموعی طور سے ان کے ملفوظات کا پایہ اعتبار بلند ہے ۔ مخدوم جہانیان جہاں گشت کے ملفوظات میں مختلف الالوان لطائف ملتے ہیں اور مزید براں الحاق مواد کا بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔''سراج الہدایہ'' کے فاضل مصحح قاضی سجاد حسین صاحب نے تلاش وتجسس کے بعد ثابت کیا ہے کہ سراج الہدایہ میں دوسروں کی تصنیف کے رسالے کے رسالے نقل ہیں اور جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں وہ بیشتر موضوعی ہیں ۲۸۔لیکن مخدوم کا دوسرا ملفوظ''جامع العلوم'' زیادہ وقیع اور لطائف سے بھی پر ہے۔

ملفوظات کی صحت اور درجہ اعتبار کے بارے میں کچھ ذکر مضمون کے اختتامیہ میں آئے گا۔

حرف انتباہ:

کچھ انواع کے لطائف اور قصوں کی طرف سے محقق کو خصوصاً ہوشیار رہنا ضروری ہے۔ ان میں سب سے مؤثر تدبیر لطائف کی زمرہ بندی اور ذیلی زمرہ بندی ہے۔ زمرہ کے فوائد میں اہم ترین یہ ہے کہ اگلے پچھلے مماثل لطائف کا تقابلی مطالعہ کرکے لطیفہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اس نے بعد میں کیا کیا شکلیں اختیار کیں، اس طرح لطیفہ کا درجہ قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مزید یہ کہ بعض انداز کے لطائف کو پرکھنے میں بڑی ہوشیاری اور استعمال میں احتیاط مزید کی ضرورت ہے ۔ ان لطائف میں ایک تو وہ ہیں جو از قسم مثالیہ (Parable) ہیں اور دوسرے وہ جو مہتم بالشان معلوم ہوتے ہیں۔

اختتامیہ:

یہ مضمون اصلاً''فکر ونظر اسلام آباد کے اس شمارہ میں شائع ہونے کے لئے لکھا گیا تھا جو مرحوم مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن سے منسوب تھا۔ اس مناسبت کے پیش نظر مولانا کی نگارشات پر تبصرہ وتحسین

کے چند جملے بے محل نہ ہوں گے۔ یہ اجمالی تبصرہ اس مضمون کے بعض پہلوؤں سے بھی مربوط ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں صوفیانہ مطالعے کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کا سب سے اہم کارنامہ ان کا وہ مضمون ہے جو انہوں نے بزم صوفیہ کے آخر میں بطور ضمیمہ کے دیا ہے اور جس کا عنوان ''ملفوظات خواجگان چشت'' ہے۔ مرحوم پروفیسر محمد حبیب نے اب سے کوئی اڑتیس سال پہلے ایک بڑے اہم اور تاریخی ساز مضمون ۲۵ میں قدیم چشتی ملفوظات کو جعلی قرار دیا تھا۔ ان میں منجملہ دوسرے ملفوظات کے شیخ عثمان ہارونی، شیخ معین الدین اجمیری، شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فرید شکر گنج کے ملفوظات جو علی الترتیب ان کے خلفائے اعظم سے منسوب تھے، شامل ہیں۔ ان کتابوں پر پروفیسر صاحب مرحوم نے یہ اعتراض کیے کہ ان میں بے سروپا باتیں ہیں، کرامات کی بھر مار ہے اور صاحب ملفوظ سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں، جو نا قابل تصور ہیں کہ انہوں نے کہی ہوں۔ مولانا صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم نے اپنے مضمون میں اسی قسم کے اعترافات ان ملفوظات پر وارد کیے ہیں جنہیں عموماً معتبر سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً فوائد الفواد'' اور خیر المجالس'' پر مولانا نے ان کا تنقیہ کرکے بالتفصیل بتایا ہے کہ ان میں بھی اسی قسم کی بے سروپا اور محیر العقول باتیں ہیں جن کی بناء پر قدیم مفلوظات کو بے اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ شیخ نصیر الدین چراغ کے مفلوظات ''خیر المجالس'' (مرتبہ حمید قلندر) کے بارے میں مولانا مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ سید محمد گیسودراز کے بیان کے مطابق جب ''خیر المجالس'' کا ایک جزو صاحب ملفوظ کو دیکھا یا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''من چیزے دیگر گفتہ ام' مولانا حمید الدین چیزے دیگر نبشتہ است'' اور یہ کہکر وہ جزو باہر پھینک دیا۔

مولانا نے '' فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' کی جو تنقید کی ہے اس سے صرف ایک بات نکل کر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان مآخذ کو حزم واحتیاط سے استعمال کرنا چاہئے اور یہ موقف عالمانہ ہے، معاندانہ نہیں۔ یہ وہ بنیادی بلکہ ابتدائی احتیاط ہے جو تاریخ کے ہر طالب علم کو، چاہے وہ کسی درجہ کا ہو، ہر تاریخ مآخذ کے بارے میں برتنا پڑتی ہے چاہے وہ کسی نوعیت کا ہو۔ صوفیانہ ادب میں مثالیات، کرامات، شطحیات اور اختراعی مواد کے شامل ہونے کے باعث احتیاط مزید کی ضرورت ہے۔

پروفیسر حبیب نے قدیم چشتی ملفوظات کی تنقید کے سلسلے میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ ''تاریخی زمانہ کے بارے میں کوئی کرامات نہیں ہوسکتیں۔'' ان ملفوظات قدیم میں چونکہ ایسے اشخاص کو جن کے زمانوں میں ایک صدی، دوصدی اور تین صدی کا فرق ہے یکجا اور ہم کلام دکھایا گیا ہے اس لئے

اس اصول کے مطابق یہ ملفوظات لائق اعتبار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جن ملفوظات پر یہ اعتراض حتمی ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے، وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہوجائے گا، دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معیار کو مرکزی موضوع بنا کر سارے صوفیانہ ادب کی چھان بین کی جائے۔ کشف المحجوب میں جو تصوف کی معتبر ترین کتابوں میں ہے بایزید (وفات ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء۔۸۷۶ء) کو ایک پختہ عمر کا انسان دکھایا گیا ہے، جنہوں نے شقیق بلخی (وفات ۱۹۴/ ۸۰۹۔۸۱۰) کو اس طرح کا مشورہ بلکہ ہدایت بھیجی جیسا کہ بزرگ اپنے سے خام تر لوگوں کو بھیجتے ہیں۔۲۶ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شقیق بلخی کی وفات بایزید کی وفات سے ۶۷ سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ خود ''خیر المجالس'' میں رابعہ بصری (وفات ۸۰۱م) اور خواجہ حسن بصری (وفات ۷۲۸م) کو ہم کلام دکھایا گیا ہے۔ اگرچہ دونوں کی تاریخ وفات میں قریب پچھتر سال کا فرق ہے اور موضوع گفتگو بھی ایسا ہے کہ اس کا یہاں نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے ۳۷۔ ''جوامع الکلم'' اس سے بھی آگے ہے، اس لئے کہ اس میں خواجہ حسن بصری، رابعہ بصری، ابراہیم ادھم (وفات ۷۷۶یا ۷۹۰) اور ذوالنون مصری (وفات ۸۵۹م) کو یکجا دکھایا گیا ہے۔ ۳۸۔ حالانکہ اول الذکر اور آخر الذکر کے سال ہائے وفات میں ۱۳۱ سال کا فرق ہے۔ اسی طرح ''جامع العمو' میں مخدوم جہانیان گشت سے روایت ہے کہ منصور حلاج (مقتول ۳۰۹/ ۹۲۲) کے قتل کا فتویٰ قاضی ابو یوسف (وفات ۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء) نے دیا تھا ۳۹۔ یہ بات بھی سالوں کے تفاوت کے باعث ناممکن الوقوع ہے۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جو اتفاقاً نظر پڑگئیں۔ تلاش کی جائے تو اس قسم کی غلطیاں کم وبیش ان تمام ملفوظات، تذکروں اور اصول تصوف کی کتب میں ملیں گی جو مقابلتاً زیادہ معتبر سمجھیں جاتی ہیں۔ اور یہی مرحوم مولانا صباح عبد الرحمٰن کے محولہ بالا مقالہ کا اصل سبق کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملفوظاتی مآخذ کو مستند نہیں فرض کرلینا چاہئے اور قدیم چشتی مفلوظ کی طرح دیگر ملفوظات کو بھی تنقید کی خوردبین کے نیچے رکھ کر جانچنا ضروری ہے۔

(باقی حصہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆

ذخیرۂ جلالی کے چار اہم مخطوطات
تشویق السالکین

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی

رسالہ تشویق السالکین، علامہ اخوند ملا محمد تقی مجلسی طاب ثراہ ابن مقصود علی (المتوفی ۱۰۷۰ھ ومدفن درمسجد جامع اصفہان) کا تصنیف کردہ ہے۔ میرے والد مرحوم ومغفور حکیم سید محمد ریاض الدین حسین صاحب ہمدانی الجلالوی نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ ایک قدیم مخطوطہ سے نقل فرمایا تھا اور اس کو تشریفات سے محشیٰ فرمایا تھا۔

یہ رسالہ اس طریقت سے متعلق ہے کہ جس پر انبیائے کرام سرورکائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام تابعین وتبع تابعین اور جملہ عارفین وصوفیائے حقہ عامل رہے ہیں۔ اس رسالہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جن کتب کا حوالہ پیش فرمایا ہے وہ ان آیات قرآنیہ واذکار وادعیہ اور ماثورہ پر مشتمل ہیں جو تعقیبات نماز پنجگانہ اعمال ہفتہ وماہ سال اعمال اربعین (چلہ وغیرہ سے) تعلق رکھتے ہیں اور جن اعمال و اوراد کو اختیار فرما کر عارفین نے سلوک وعرفان حق تعالیٰ کی منزلیں طے فرمائی ہیں۔ وہ دین اور دنیا میں ہمیشہ کامیاب رہے اور نجات اخروی حاصل فرمائی جو اصل حیات انسانی ہے۔

اس رسالہ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ثابت وواضح فرمایا ہے کہ علمائے شیعہ اثناعشریہ بھی تصوف حقہ کے قائل اور اس پر عامل رہے ہیں اور اعمال صوفیہ وعرفانیہ سے انہوں نے استفادہ فرمایا ہے۔ اور اپنی کتب میں ان کو نقل فرمایا ہے چونکہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے لہٰذا تمام تر ہدیہ ناظرین ہے۔

''بسم الله الرحمن الرحيم۔ الحمد لله الذى فضل انبيائه واوليائه على جميع والخلائق والامم خصص سرائرهم الخصايص الحايق والحكم والصلوٰة والسلام على محمد مفخر العرب والعجم وعلى سيد الاولياء على الكريم الاكرم وعلى آله واتباعه الهادين الى طريق الاقوام۔''

امابعد اس طرح عرض کرتا ہے محتاج غفران وفی پرورگار محمد تقی مجلسی صاحبان فہم وبصیرت پر

پوشیدہ نہ رہے کہ جن وانس کی ایجاد کی علت غائبہ شناخت حضرت ربّ العزت ہے، چنانچہ آیۂ وافی ہدایہ وماخلت الجن والانس الا لیعبدون .... لیعرفون۔ اس پر شاہد ہے۔ اور معرفت کا سب سے اقرب طریقہ ،طریقہ حقہ، رضویہ، ذہبیہ ،معروفیہ مرتضویؑ ہے جس کو طریق تصوف وحقیقت بھی کہتے ہیں اور وہ مراد ہے تحصیل قرب معرفت ربّ العالمین سے بطریق زہدو ریاضت اور قطع تعلق خلقت سے اور عادت رکھنا عبادت کی۔

الحال ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جن کو شریعت سے کوئی خبر ہے، نہ طریقت کا کوئی اثر ہے اور وہ اس طریقۂ حقہ کا انکار کرتے ہیں ۔محض بوجہ اس کے کہ ان کو آیات واخبار ائمہ اطہار پر وقوف حاصل نہیں ہے اور نہ ان میں فکرو تدبر کرسکتے ہیں اور نفس وغذا کی پیروی کرتے ہیں جس کا پھل حسد وعناد وتعصب ہے، اگر چہ مشہور ہے کہ چمگادڑ اگر وصل آفتاب کی خواہش نہیں کرتی تو بازار آفتاب کی رونق بھی نہیں کھوتی۔لیکن چونکہ انکا انکار اس نعمت عظمٰی سے بعضوں کی محرومی کا باعث ہوتا ہے لہٰذا اس فقیر محمد تقی مجلسی سے بعض دوستوں نے التماس کیا کہ اس طریقہ کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ لکھا جاوے تا کہ شیعیان امیر المومنین اس سعادت سے بے نصیب نہ رہیں لہٰذا ان کے سوال کے ایجاب میں باوجود یکہ ایک مبسوط کتاب جس کا نام ''مسند السالکین'' ہے،لکھی ہے ۔ اس رسالہ میں ہر باب سے مجملاً کچھ بیان ہوتا ہے اور اللہ سے مدد اور توفیق طلب کی جاتی ہے۔

زہدو خلاصہ نسل انسان کہ انبیاء ہیں سب یہی طریق رکھتے تھے۔ جیسا کہ کتب اخبار اور قرآن مجید اور احادیث ائمہ اس پر ناطق ہیں، منجملہ جن کے حدیث ابن مسعود ہے جو مکارم الاخلاق (مصنفہ شیخ ابو النصر الحسن بن ابی علی الطیرسی) وغیرہ کتب شیعہ وسنی سے مندرج ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود کو ہدایت کی کہ اے پسر مسعود! بہ تحقیق کہ خدائے تعالٰی نے موسیٰ کو مناجات ومکالمات کا شرف بخشا جب کہ دیکھا کہ انہوں نے ترہ کے ساگ کو اپنے پیٹ پر بوجہ لاغری کے باندھ رکھا ہے اور سوال نہیں کیا جب کہ مدائن میں موسیٰ اس دیوار کے نیچے سے گذرے جہاں کہ طعام کھلا رہے تھے ۔ اے مسعود اگر تو چاہے تو تجھے خبر دوں حال نوحؑ نبی اللہ سے کہ نوسو پچاس برس کی زندگی میں جبکہ صبح ہوتی تھی کہتے تھے شام مجھ کو نہ ہوگی (یعنی زندگانی کا دن بھر اعتبار نہ کرتے تھے) اور لباس ان کا پشم تھا اور خوراک ان کی جو۔ اور اگر تو چاہے تو تجھ کو حضرت یحیٰؑ کے حال سے خبر دوں جن کا لباس درخت خرما کی چھال تھی اور خوراک ان کی درختوں کے پتے۔ اور اگر تو چاہے تو

خبر دوں حضرت عیسیٰ کے حال سے ان کا عجب حال تھا، ہمیشہ کہتے تھے کہ روٹی اور کھانا میرا گرسنگی (بھوک) ہے اور کام میرا خدا ہے اور لباس میرا پشم اور سواری میری دونوں پاؤں میرے اور چراغ میرا رات میں چاند ہے اور جاڑے میں میرا لحاف آفتاب ہے اور میوہ میرا سبزہ پہاڑ اور جو کچھ کہ چار پائے کھاتے ہیں اور رات مجھ پر آتی ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور دنیا میں مجھ سے زیادہ صاحب دولت کوئی نہیں ہے۔ اے ابن مسعود آتش جہنم اس شخص کے واسطے ہے کہ مرتکب حرام کا ہووے اور بہشت اس شخص کے واسطے ہے کہ جو ترک حرام کرے لہٰذا تجھے لازم ہے کہ ترک حرام کرے اور زہد کو اپنا شعار کرے دنیا میں تیرے زہد پر خدا تعالیٰ ملائکہ پر مباہات کرتا ہے اور رحمت کرتا ہے تجھ پر جبار عالم اور یہ ہے طریقہ زہد کے ہر درجہ میں اور ترک دنیا میں (یعنی جتنا تو زہد کرے گا اسی قدر قرب خداوندی تجھ کو حاصل ہوگا) اس مختصر رسالہ میں سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور حضرت سید المرسلین ؐ کہ فخر و باعث کل موجودات تھے ان کی گرسنگی اور زہداور ریاضت اور گوشہ گیری اور ترک دنیا قبل بعثت غار حرا میں اور پتھر کا پیٹ پر باندھ لینا اور پاؤں پر ان حضرت کے ورم آجانا کثرت قیام شب سے اور باقی ریاضتیں آں حضرت ؐ کی بے حد مشہور ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت امیر المومنین کی ریاضات شاقہ اظہر من الشّمس ہیں، چنانچہ علامہ حلّی علیہ الرحمہ کتاب ''شرح تجرید'' بحث امامت میں فرماتے ہیں کہ جوتا ان حضرت کا کھال کا اور ٹوپی کھجور کی چھال کی رکھتے تھے اور روٹی کو سالن سے بہت کم کھاتے تھے او ر اگر کھانے پر رغبت ہوتی تھی تو نمک اور سرکہ سے کھاتے تھے اور اگر تکلف کیا تو سبزی یا دودھ سے کھاتے تھے اور گوشت بہت کم کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے پیٹ کو حیوانات کی قبر نہ بناؤ۔ اور دنیا کو سب نے طلاق دے رکھی تھی ۔ اور کتاب اطعمہ ازکافی میں نقل ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حضرت امیرؑ آنحضرت ؐ سے زیادہ مشابہ تھے کھانے میں، اور یہ صفت رکھتے تھے کہ خود روٹی اور سرکہ کھاتے تھے اور آدمیوں کو روٹی اور گوشت کھلاتے تھے اور اسی طرح کتاب مذکور میں نقل ہے عمان سے کہ راویان حضرت صادق سے ہے کہ کہا اس نے کہ ایک رات سونے کے بعد حضرت کی خدمت میں گیا، دیکھا میں نے کہ دسترخوان بچھا یا گیا اور اس میں سرکہ ، زیتون اور گوشت تھا۔ گوشت کو آنحضرت نے اٹھایا اور میرے آگے رکھ دیا اور خود سرکہ وروغن زیتون کھا یا اور گوشت کی طرف رغبت نہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ ہے طعام میرا اور طعام جملہ انبیاء اور اولیاء کا اور اسی طرح ہر امام کا یہ ہی

طریقہ تھا۔ چنانچہ حال اور سیرت ان کی کتب اخبار میں مذکور ہے۔

اور اس طرح اصحاب صفّہ جو کہ فرقہ اول درویشوں سے ہیں، ان کا بھی یہ ہی مسلک تھا مانند سلمان اور اباذر وعمار وغیرہ کے چنانچہ بعض تفسیروں میں مذکور ہے کہ اکابر قبیلہ مقر حضرت رسالتماب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصحاب صفہ کو لباسہائے کہنہ وبوسیدہ پہنے ہوئے انتہائی تقرب میں دیکھا۔ تکبّر کی وجہ سے ان کو ان کی ہمنشینی ناگوار ہوئی اور چنانچہ انہوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہم بزرگ قوم ہیں اور یہ لوگ نادار ہیں۔ ہم کو ان کی ہمنشینی ننگ وعار ہے، لہٰذا یہ التماس ہے کہ جس وقت ہم آپ کی مجلس میں آویں یہ لوگ نہ ہوں۔ آنحضرتؐ نے اس وجہ سے کہ ان کا قبیلہ بہت بڑا تھا حتیٰ کہ عرب میں کثرت سے ضرب المثل تھا اور ان کا ایمان لانا موجب قوت اسلام تھا، لہٰذا بنظر تالیف قلوب ان کے ان کے سوالوں کا رد کرنا مناسب نہ سمجھا اور جواب میں توقف فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی۔ ''واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغدٰوة والعشی یریدون وجهه ولا تعد عیناک عنهم ترید زینت الحیٰوة الدّنیا ولا تُطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه وکان امره فرطا۔ قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انّا اعتدنا للظالمین ناراً۔'' یعنی اے رسولؐ! نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو کہ اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اس کی رضا جوئی کرتے ہیں اور اپنی نگاہ کو ان لوگوں پر سے نہ ہٹا، کیا تو زینت وزندگانی دنیا کو چاہتا ہے، اور نہ فرمانبرداری کر اس شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور وہ پیروی کرتا ہے خواہش نفسانی کی اور اس کا کام برباد اور تباہ ہے کہدے اے رسولؐ کہ حق میرے پروردگار سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہوجائے۔ بہ تحقیق کہ ہم نے ظالموں کے واسطے جہنم کو بنایا ہے۔ اور اسی طرح کتاب کافی میں حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے کہ فرمایا حضرتؑ نے کہ کوئی چیز حضرت رسولؐ کی خدمت میں لائے اور حضرت نے اس کو فقراء ومساکین اہل صفہ میں سے ایک جماعت پر تقسیم کیا لیکن وہ اس قدر نہ تھی کہ تمامی اہل صفہ کو کافی ہوتی خیال ہوا کہ شاید دوسروں کو ملال ہو۔ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں اپنے پروردگار سے اور اے اہل صفہ تم سے عذر چاہتا ہوں اس لئے کہ ایک چیز میرے واسطے آئی تھی، میں نے چاہا کہ تم میں تقسیم کروں لیکن اتنی نہ تھی کہ سب کو مل جاوے لہٰذا تم میں سے بعضوں کو میں نے مخصوص کرلیا، جن کی جزع وبے تابی سے خوف تھا۔

الغرض اصحاب صفہ کی فضیلت محتاج بیان نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو صفی کہتے ہیں یعنی منسوب بہ صفہ، یہاں تک کہ کثرت استعمال سے صوفی ہوگیا۔ یہاں بقدر حاجت شیخ ابو سعید سہروردی وغیرہ وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ اکثر جو پشمینہ پوش رہتے تھے ان کو صوفی کہتے تھے اور جناب امیرؑ کا وہ قول ہے جو ان لوگوں میں مشہور ہے ۔ کتاب غوالی میں شیخ ابن ابی جمہور احسائی اکابر علمائے شیعہ نے بحوالہ آنحضرت صلعم فرمایا ہے کہ ''تصوف کو'' صوف سے لیا ہے اور اس میں تین حرف 'صاد' کو صبر سے اور'' واؤ'' کو وفا سے اور'' فا'' کو فقر و فنا سے لیا ہے۔ اور اسی طرح اکابر علمائے شیعہ متقدمین اور متاخرین سے جو واقف اسرار ہیں زیادہ تر طریقۂ اہل بیت اور ان کی متابعت پر رہتے ہیں اور اس زمانہ کے علماء تو سب یہی مسلک رکھتے ہیں ۔مثل علامہ البشر اور قدوۃ المحققین نصیر المللہ والدین (مجدد ومحقق شیخ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ مصنف شرح اشارات ودیوان ومثنوی وکتاب اوصاف الاشراف ودر دوطوسی)عالم شیعہ بلکہ تمام بنی آدم میں بعد انبیاء واوصیاء ان کے مانند دریائے زخار علوم کا نہیں ہوا ہے اس علم میں بہت سی تصنیفیں اور علم کلام میں متعلق ذات وصفات الٰہی ودلائل عقلی ونقلی سے بیان فرمایا ہے کافی ہے۔ اس سے زیادہ علم کلام میں کسی کو میسر نہیں۔ پس اگر کوئی ترقی کرے تو اس کو چاہئے کہ ریاضت شاقہ کرے اور نفس امارہ کو قید کرے۔ اور واہیات خیالات کو چھوڑے تا کہ خدا اس کے دل کو نور ہدایت سے منور کرے تا کہ مجاہدہ نفس سے آثار ملکوتیہ اور آثار جبروتیہ مشاہدہ کرے اور اس کے دل پر پوشیدہ حقیقتیں روشن ہوں۔لیکن یہ لباس ایسا نہیں ہے جو ہر صاحب قد کے قد وقامت کے واسطے تیار کیا گیا ہو۔

اسی طرح ورام کندی (شیخ ورام کندی مصنف کتاب مجموعہ ورام اکابر علمائے شیعہ) نے مجاہدہ نفس وزہد وریاضت اور بیان فضائل نیک اور صفات ہائے بد اور ان کا علاج ان احادیث کے ساتھ لکھا ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

اسی طرح نقیب لقائے آل ابی طالب سید رضی الدین علی ابن طاؤس قدس سرہ (مصنف مہج الدعوات وکتاب اقبال وکتاب جمال الاسبوع بکمال العمل المشرع ورسالہ محاسبۃ النفس ومجتبیٰ ومرتب توقیعات جناب صاحب الامر علیہ السلام)اکابر علماء جن کے فضائل ومناقب کتاب رجال میں مذکور ہیں مسلک زہد و ریاضت کا رکھتے تھے جیسا کہ شیخ شہید مکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب اربعین میں ان کے فضائل شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد اور صاحب

کرامات وکمالات تھے اور ان کے قول وفعل وریاضت وخارق عادات اور ان توقیعات کی بابت جو حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے ان پر فرمائی ہیں اس قدر مشہور ہیں کہ حاجت بیان نہیں۔

اسی طرح سید محمد آملی صاحب نفائس الفنون جو کہ علامہ حلّی قدس سرہ نے، کہ ہمعصر اور علمائے شیعہ کے فاضلوں میں سے تھے کتاب مذکور میں اصطلاحات صوفیہ اور آداب سلوک اور اقسام مکاشفات اور اطوار اور مقامات مفصل تحریر فرمائے ہیں۔

اسی طرح سید حیدر بن علی الحسینی آملی (مصنف کتاب جامع الانوار در تحقیق صوفیہ وجامع الاسرار وجامع الحقائق وشرح فصول مسمی نبض الفصول وکتاب الکشکول فیما جرعلی آل الرسول ورسالہ رافعہ الخلاف درتوق شاہ ولایتؑ در دفع متغلیان ثلثہ از جہت عدم ناصر بودہ) صاحب تفسیر بحر الامجار نے ستر ہزار شعر دلائل اور احادیث اہل بیت میں درج کیے ہیں اس بیان میں کہ وہ شیعہ جو صوفی نہ ہو شیعہ نہیں ہے اور جو صوفی کہ شیعہ نہ ہو صوفی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں دیکھا میں نے کہ جہاں طالبان علم شیعہ اور تاقصان صوفیہ کا جھگڑا ہے اس کتاب کو میں نے لکھا کہ معلوم ہو کہ تصوف طریقہ مرتضویہ ہے اور تصوف اور تشیع کے ایک معنی ہیں اور یہ مخالف بوجہ نادانی وکم علمی ہی ہے ۔ بے عقلی طرفین کی وجہ سے۔

اسی طرح قدوۃ المحدثین شیخ ابن فہد حلّی علیہ الرحمہ ریاضت اور غرلت اور انقطاع فلق کے بارے میں عدۃ الداعی وغیرہ کتب مشہور تحریر فرما چکے ہیں۔

اسی طرح شیخ ابن ابی جمہور الاحسائی (مصنف کتاب مجلی وموجز ومہذب بارع وغوالی الامی وغیرہ)فاضل علمائے شیعہ نے حقیقت تصوف وتحقیقات وتدقیقات کتاب مجلی المرات میں جو علم کلام میں لکھی ہیں اور اس میں آپ نے خرقہ اور سلسلہ مشائخ صوفیہ کی معرفت ائمہ ہدیٰ سے بیان کیا ہے اور کتاب غوالی الابی میں احادیث معتبرہ اور تصوف کی تعریف نقل کی ہے ۔ اور شیخ شہید مکی (مصنف کتاب منیۃ المریدین واسرار الصلوٰۃ وغیرہ)روساء ملوکیت سے مشہور ہیں۔ کتاب منیۃ المریدین فرماتے ہیں کہ ظواہر شریعت نماز ،روزہ ،دعا، تلاوت قرآن وغیرہ (جو علمائے متقدمین نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے) کو حاصل کرے۔ عبادت میں سے اور بھی چیزیں ہیں جن کی کہ معرفت واجب ولازم ہے کیونکہ اعمال غیر واجبہ میں سے جو کچھ کہ مکلّف پر لازم ہیں صرف وہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی ہیں، جن کی معرفت واجب تر ہے۔ خلقی رذالت سے، تطہیر نفس مثل کبر دربار وحسد کینہ وغیرہ اور یہ تکالیف کتب وغیرہ میں نہیں مل سکتی ہیں۔ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور پروردگار کی رضا جوئی ۔

طالب علم کو چاہئے کہ اوّل اپنے باطن کو پاک کرے نفسانی خواہشات سے اور صفات مہلکات شیطانی سے تاکہ نیت خالص اور اخلاص تمام سے طلب علم میں مشغول رہے۔ بعد مجاہدۂ نفس صاحبان دل کی طرف رجوع کرے اور اگر صاحبان دل کو نہ پاوے تو گوشہ گیری اور تنہائی اختیار کرے۔ حصول عالم علوم رسمیہ کے بعد چاہئے کہ تحصیل علم حقیقت کی طرف رجوع کرے جو کہ تمام علوم کا نتیجہ ہے اور شیخ علیہ الرحمہ کی تحریص ورغبت تصوف پر اس سے زیادہ ہے۔ اسی طرح سید نور اللہ شوستری (مصنف مجالس المومنین احقاق الحق، مصائب النواصب، الصوارم المحرقہ فی نقد الصواحق المحرقہ وغیرہ) کی تصانیف اثبات مذہب شیعہ میں مشہور ہیں۔ اور سلسلہ نوربخشیہ سے ہیں اور کتاب مجالس المومنین میں دلائل قومیہ سے ثابت کرتے ہیں کہ جملہ مشائخ مشہور شیعہ تھے اور یہ اہل بیت علیہم السلام کا طریقہ تھا۔ اور کتاب مصائب النواصب میں جو کہ رد کتاب فواضح الروافض میر مخدوم شریف نے لکھی ہے، شیعوں پر طعن کیا ہے اور شیعوں کو بطلان کی دلیل دی ہے کہ وہ اولیاء کے منکر اور علماء سے کوئی صوفی نہیں، صاحب دل نہیں، کشف ومعرفت حال سے خبر نہیں رکھتے۔ میر نور اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دلائل خلاف حق ہیں اور یہ افترا ہے کیونکہ تصوف شیعوں کا طریقہ ہے بلکہ عین تشیع ہے۔ دلائل قویہ اور تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ علمائے شیعہ سے کوئی اس طریقہ کا منکر نہیں تھا بلکہ سب صوفی ہوئے ہیں۔ اور شیخ بہاء الدین محمد عاملی علیہ الرحمہ (مصنف مثنوی نان وحلوہ ومفتاح الفلاح وکشکول بہائی وغیرہ) ان کے کلام تصوف میں ایسا کون ہے جس نے نہ سنے ہوں اور ان کے دل پر نقش نہ ہوا ہو۔ رسالہ نان وحلوہ جو مثنوی میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

علم رسمی سر بسر قیل است وقال نہ از و کیفیتی حاصل نہ حال
طبع را افسردگی بخشد دوام مولوی باور نہ دارد این کلام

غزلیں اور تصنیفیں مثل حاشیۂ تفسیر قاضی دارالعین (تفسیر قاضی بیضاوی درحاشیہ تفسیر بہائی عربی مطبوعہ مصر) وغیر تصوف میں بہت مشہور ہیں۔

یہ طائفہ ہمیشہ اپنے خرقہ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نسبت دیتا ہے۔ اس طریقہ کو طریقہ مرتضویہ کہتے ہیں۔ علامہ حلی علیہ الرحمہ شرح تجرید بحث امامت میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت سے متواتر منقول ہے کہ آنحضرت سید سردار ابدال ہوئے ہیں۔ چہار طرف سے ابدال آنحضرتؐ کی خدمت میں آداب سلوک وریاضت وطریقۂ زہد وغیرہ سیکھنے آتے تھے اور اسی کتاب میں ذکر ہے فضیلت ائمہ

علیہم السلام میں کہ انہوں نے علم وزہدوفضل وگوشہ گیری وترک دنیا کو اس قدر حاصل کیا تھا اور لوگوں میں پھیلا یا تھا کہ فضلاء ومشایخ ان کی خدمت وبندگی پرفخر کرتے تھے جیسا کہ شیخ ابو یزید بسطامی اس بات پرفخر کرتے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر میں سقہ تھے اور شیخ معروف کرخی قدس سرہ العزیز شیعہ ٔ خالص حضرت امام رضا علیہ السلام کے تاحیات دربان تھے۔ (شرح تجرید الاعتقاد المسمیٰ بہ کشف المراد وغیرہ مصنفہ علامہ حلی۔)

علامہ حلّی کتاب منہج الکرامت میں جس جگہ حضرت امیر علیہ السلام کی مفاخرت کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ علم طریقت حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منسوب ہے او رتمام صوفی اپنے فرقے کوآنحضرت سے نسبت دیتے ہیں جس کی یہ تفصیل ہے۔کہ شیخ ابن ابی جمہور الاحساوی علیہ الرحمہ جو کہ بزرگان علمائے شیعہ سے ہیں کتاب مجلی المراۃ روایت کرتے ہیں حضرت رسالت پناہ سے ۔آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کومعراج کے واسطے لے گئے ۔ جب میں بہشت میں داخل ہوا دیکھا میں وسط بہشت میں ایک قصر جو کہ ایک دانۂ یاقوت سرخ کا تھا۔ جبرئیلؑ نے اس کو کھولا اور میں اس میں داخل ہوا، اس میں ایک مکان سونے کا دیکھا، وہیں اس میں داخل ہوا۔ دیکھا اس گھر میں ایک صندوق جو کہ نور کا تھا اور اس میں قفل بھی نور کا پڑاتھا پوچھا میں نے کہ اے جبرئیل کیا چیز ہے یہ صندوق اور اس میں کیا ہے؟ پس جبرئیلؑ نے جواب دیا: یاحبیب اللہ: اس میں سرّ خدا ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے جواس کا حبیب ہو۔ پس کہا میں نے کہ کھولو اس کو میرے واسطے۔ جبرئیل نے جواب دیا کہ میں بندہ ہوں خدا سے مانگئے تا کہ وہ مجھے اذن کھولنے کا دے۔ پس میں نے سوال کیا۔ جانب خدا وندی سے ندا آئی کہ اے جبرئیل کھولدے اس کو۔ پس جبرئیل نے کھولا، دیکھا میں نے اس میں فقر اور خرقہ کو پس غرض کیا میں نے کہ اے میرے سید ومولا یہ کیا چیز ہے جانب عرش سے ندا آئی کہ اے محمدؐ ان دو چیزوں کو میں تیرے اور تیری امت کے واسطے اختیار کیا ہے، جبکہ ان کو میں نے پیدا کیا تھا اور یہ دونوں چیزیں کسی کو نہیں دیتا ہوں، جس کو دوست نہیں رکھتا ہوں۔ اور ان دونوں چیزوں کو عزیز رکھا اور پہنا اور متوجہ مقام اور ادنیٰ ہوئے جب معراج سے واپس ہوئے اس فقر اور خرقہ کو بحکم خدا جناب امیرؑ کو دیا۔ امیرؑ نے اس پر اس قدر پیوند لگائے، فرماتے تھے کہ پیوند لگاتا ہوں اور سینے والے سے شرم آتی ہے۔ (اس قدر پیوند لگے ہیں) اسی طرح جناب امیر المومنین نے جناب حسنؑ کو پہنایا اور اسی طرح ہر امام نے پہن کر جناب صاحب الامر علیہ السلام کے پاس پہنچا وہ خرقہ

بعدہ دیگر تبرکات انبیاء یعنی انگوٹھی حضرت سلیمان ، عصائے حضرت موسیٰ وغیرہ پس وہ حضرت آج قطب زمانہ اور خلیفہ عصر نور السموٰت والارض ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ خرقہ سے مراد جو کہ مشائخ صوفیہ میں ہے بعینہٖ وہی خرقہ نہیں ہے۔ بلکہ مراد شرائط خرقہ پوشی ہے اسی طرح کہ رسول خداؐ نے پہنا اور پہنایا تھا یعنی صاحب خرقہ اور پیر کامل سے معانی اور اسرار بقدر استعداد حاصل کرنا اور اس کے صفات اور اخلاق سے متصف ہونا خرقۂ معنویت کا نشان ہے۔ اور شیخ مذکور اسی کتاب میں اس گروہ کی نسبت بعضوں کی کمیل ابن زیاد سے اور بعضوں کی اویس قرنی وابراہیم ادھم ، بشر حافی اور سلطان بایزید بسطامی سے دیتے ہیں جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام پر سلسلہ ختم کرتے ہیں اور بہت سے سلسلے جو کہ اس وقت موجود مشہور ہیں شیخ معروف کرخی سے نسبت رکھتے ہیں جیسے کہ شیخ الاعظم والمقام المعظم شیخ صفی الدین اردبیلیؒ (جد سلاطین صفویۂ ایران) مولانا رومی وغیرہ اور ان سے حضرت امام رضا علیہ السلام پر سلسلہ پہونچاتے ہیں اور ان لوگوں کا سلسلے تک پہنچتا ہے اور شیخ مذکور نے کتاب عوالی الامی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الشریعۃ اقوال (شریعت میرا قول ہے) والطریقۃ افعال (اور طریقت میرا فعل ہے) والحقیقۃ احوالی (حقیقت میرا حال ہے) والمعرفۃ راس مالی (اور معرفت میرا سرمایہ ہے) والعقل اصل دینی (اور عقل میرے دین کی بنیاد ہے) والحب اساسی (اور محبت میرا اساسہ ہے) والشوق مرکبی (اور شوق میر امرکب ہے) والخوف رفیقی (اور خوف میرا رفیق ہے) والعلم سلاحی (اور علم میرا ہتھیار ہے) والحلم صاحبی (اور حلم میرا مونس ہے) والتوکل زادی (اور توکل میرا توشہ راہ ہے) والقناعۃ کنزی (اور قناعت میرا خزانہ ہے) والصدق منزلی (اور صدق میرا ٹھکانہ وجائے نزول ہے) والیقین ماوائی (اور یقین میری جائے پناہ ہے) والفقر فخری (اور فقیری میرا فخر ہے) وبہ افتخر علی سائر النبیاء والمرسلین (اور اسی سبب سے میں سارے انبیاء اور مرسلین پر فخر کرتا ہوں)۔

ائمہ کی فضیلت میں شارح کبیر نے گیارہویں باب میں اکابر ومشائخ علماء کا ائمہ کی خدمت میں حاضر ہونا لکھا ہے۔ سلطان بایزید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر سقائی کرتے تھے۔ شیخ معروف کرخیؒ حضرت امام رضا علیہ السلام کے دربان تھے۔

شارح نہج المرشدین نے علم تصفیۂ باطن ، اسرار اور پوشیدہ علوم کا حاصل کرنا رسول خداؐ اور ان کی اولاد اور ان کے شاگردوں سے لکھا ہے۔

ابن طاؤس قدس سرہ (مصنف کتاب الطرائق فی معرفۃ مذہب الطرائق وکتاب جمال الاسبوع بکمال العمل المشر وع وکتاب اقبال وکتاب مہج الدعوات ومجتبٰی وغیرہ) نے کتاب طرائف میں خرقہ مشائخ کے سلسلہ کوائمہ تک پہنچایا ہے۔ باقی حالات صوفیائے کرام تابع ائمہ ہدیٰ علیہ السلام کا حال مجالس المومنین (مولفہ علامہ قاضی سید نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ شہید ثالث علیہ الرحمہ) سے معلوم ہوسکتا ہے۔

جو لوگ کہ چلہ کشی کی عبادت کو بدعت کہتے ہیں ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ اے ابوذر جو شخص میری مسجد کے صحن میں ایک نماز پڑھے وہ ہزار نمازوں کے برابر ہوگی اور ان سب سے افضل وہ نماز ہے کہ اپنے گھر میں اس جگہ پڑھی جاوے جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے سوائے خدا کے۔ اور احادیث فضیلت خانقاہ پر دال ہیں۔ مستند السالکین (مصنفہ ملا محمد تقی مجلسیؒ مصنف رسالہ تشویق السالکین) کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ان کا یہ اعتراض کہ عبادت چلہ بدعت ہے، غلط ہے۔ بدعت کی یہ تعریف نہیں کہ احادیث ، فضیلت اربعین پر بہت ہیں، منجملہ جن کے ابن فہد رحمۃ خدائے تعالیٰ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرے ،چشمے حکمت کے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہوں اور اخبار الرضاؑ (عیون اخبار الرضاؑ) میں بھی ایسا ہی ذکر ہے اور کتاب کفر وایمان ازکافی (شیخ کلینی) میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔

اور ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ یہ گروہ ذکر بلند کرتے ہیں اور اچھی آواز سنتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر غرض ذکر بلند سے خلق کو سنانا نہ ہووے تو وہ عین عبادت ہے، جبکہ کتاب ثواب الاعمال (مصنفہ شیخ صدوقؒ) میں نقل ہے کہ ذکر میں جس قدر آواز کو کھینچے گا گناہوں سے پاک ہوگا۔ اور کتاب من لایحضر الفقیہ میں نقل ہے کہ ایک شخص خدمت امام زین العابدین میں آیا اور سوال کیا کہ خوش آواز لونڈی کا خریدنا اس کی آواز کی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کچھ ڈر نہیں ہے۔ اگر تو اس کو خریدے پس بہشت کو یاد کر فافہم وتدبر والسلام۔

شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب عظیم آبادی اثر نے اپنی تالیف مصباح الظلم وایضاح البہم میں (کہ جس کی تصحیح جناب سرکار شریعتمدار مجتہد العصر والزمن حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے فرمائی ہے) فرقہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے اثبات میں ارقام فرمایا ہے کہ فرقہ امامیہ کو باہر سے (اہل یونان اور اہل ہنود وغیرہ سے) تصوف کے لئے آنے کی حاجت نہ تھی۔ ان کا مذہب ہی روحانی پہلو رکھتا تھا۔ ان کے اماموں کی تعلیمات ہی جان تصوف تھی۔ پس جب کہ مذہب امامیہ میں

روحانیت کی کوئی کمی نہ تھی تو اس فرقہ کا اپنی حالت موجودہ پر قانع رہنا فطری امر تھا۔عوام کی یہ ایک غلط فہمی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب امامیہ تصوف سے بے تعلقی رکھتا ہے ۔ مذہب امامیہ میں بھی تصوف ہے۔مگر یہ تصوف وہ ہے جو عین قرآن وحدیث وتعلیم ائمہ معصومین ہے اور ایسا تصوف ہے کہ اس سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی دوسرا تصوف ہوہی نہیں سکتا۔ (ص ۹۱۲ مصباح الظلم ، وایضاح البہم) راقم کی دانست میں بہترین تصوف پیروی خدا اور رسول وائمہ طاہرین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز در پئے مصطفاؐ

پھر آگے ارقام فرماتے ہیں۔ واضح ہو کہ فرقۂ امامیہ میں بھی تصوف ہے۔مگر فرقہ امامیہ کا تصوف شرع محمدیؐ کے خلاف ایک جو برابر بھی نہیں ہے امامیہ بھی اولیاء اللہ کے قائل ہیں ۔صوفی فرقہ شیعہ میں بھی گذرے ہیں۔ مثلاً صدر الدین شیرازیؒ ،عبد الرزاق لاہیجیؒ ، ملا حسین کاشفیؒ ، حافظ رجب بری وغیرہ ۔ قاضی سید نور اللہ شوستری (شہید ثالث علیہ الرحمہ) کی کتاب مجالس المومنین میں تو ایک اچھی فہرست شیعہ تصوفین کی دیکھی جاتی ہے۔ ان میں قابل ذکر اسمائے گرامی یہ ہیں: محی الدین ابن العربی، امام غزالی ،شیک شہاب الدین سہروردی ،نجم الدین کبروی، بایزید بسطامی، جلال الدین رومی، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی ،خواجہ حافظ شیرازی ، فریدالدین عطار ، سید اشرف الدین جہانگیر کچھوچھوی ،سید معین الدین چشتی اجمیری۔ ان بزرگوں میں سے اکثر ضرورت کے وقت پابند تقیہ تھے۔ اس لیے اہل سنت نے انہیں سنی تصور کرلیا۔ اس وقت بھی شیعیان صوفی طریقت موجود ہیں۔ فرقہ کشفی سید کاظم رشتی کا اور فرقہ شیخی احمد لحساوی کا نام لیوا ہے۔ اسی طرح ایران میں فرقہ خاکسار ہے۔ اور ابھی تک ان میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔ (ص ۰۲۲، ۱۲۲ کتاب مصباح الظلم وایضاح البہم) جناب مولوی محمد باقر صاحب موسوی الصفوی بڈگامی کتاب اختر درخشاں میں صوفیائے شیعہ کی حقانیت کے اثبات میں ارقام فرماتے ہیں :'' ایرانی دماغ نے عربی ذہن کی بہ نسبت تصوف اور باطنیات کو قبول کرلیا تھا'' (اختر درخشاں ص ۹۷) نیز شاہان صفویۂ ایران نے تقریباً ۹۲۰ھ میں حکومت کا مذہب شیعہ قرار دیا تھا (ادبیات ایران ، براؤن)

شیعہ فقہا میں سے متعدد ایسے گذرے ہیں جن کے ایک کف میں جام شریعت تھااور دوسرے ہاتھ میں پیمانۂ تصوف، انہوں نے شریعت کے علوم اور عرفان کے رموز میں ایک حسین امتزاج پیدا کردیا ہے۔ (اختر درخشاں،ص ۹۴)

جب فقہا کے آپسی فروعی اختلافات نفس اصول پر اثر انداز نہیں تو سلوک وعرفان کیونکر ان افراد کو مرکز سے باہر کرسکتا ہے، جو اس کو اپنائے ہوئے ہوں۔ (اختر درخشاں ،ص ۰۵)

حجۃ الاسلام الحاج مولانا السید ظفر الحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر، کتاب ''اختر درخشاں'' پر تقریظ کے دوران تحریر فرماتے ہیں'' یہاں بھی ایسے ان گنت خطے ہیں جن میں اسلاف کرام نے ابتداً تصوف کے رنگ میں تشیع کی تبلیغ کی۔''

۲۔ اوراد سیفی مرتضوی

دعائے سیفی آیۃ من آیات اللہ ہے اور بہت سے عجائب وغرائب اسرار اس میں مستتر ہیں، اور اکثر اولیاء اللہ نے اس سے فیض حاصل کیا ہے اور بہرمند ہوئے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ دعاء سیف اللہ عین اللہ ، قدرۃ اللہ ، یداللہ ، برہان اللہ ،صمصام اللہ، حرز یمانی ، سہم اللہ، حرز البر، حرز المرتضوی ، حرز اعظم ، حرز سیفی کے نام سے بھی نامزد ہوئی ہے۔ ایک دیگر روایت میں اس دعا کو یمین اللہ، قسم اللہ، نور اللہ ، وجہ الحق ، قریب الحق ، میثاق الحق ، حصن الاکبر الانوار اور شروح الاثار بھی اس کو فرمایا گیا ہے۔

دعائے سیفی مرتضوی کے ورد کا طریق ، وقت اور شرائط اشارات واعتصامات نیز ترتیب دعاء اور شرائط عامل اعلان کامگار نے مختلف طور سے مقرر فرمائے ہیں، جس کی بنا پر مجموعہ اوراد سیفی کے مختلف نسخ ومخطوطات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اوراد سیفی مرتضوی معمول قطب العارفین سید شاہ خیرات علیؒ ہمدانی علیہ الرحمہ، بانی امام باڑہ حصار، جلالی، ضلع علی گڑھ، متولی اوّل ۱۷۸۰ء وقف نواب آصف الدولہ بہادر کا ایک مخطوطہ آپ کے کتب خانہ واقع ادارۂ ہمدانیہ، گڑھی، قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ، میں محفوظ ہے۔ پر آپ اور آپ کی اولاد وحفاسے سید بہاء الدین حسین وسید فخرالدین حسین وحکیم سید محمد کمال الدین حسین وحکیم سید حسین وحکیم سید شجاع الدین حسین وحکیم سید محمد ریاض الدین حسین عامل رہے ہیں۔نسخہ پر دو مقامات پر سید شاہ خیرات علی، سید بہاء الدین حسین اور سید زائر حسین کی مہریں ثبت ہیں۔ یہ نسخہ ۲۰۸ صفحات کا ہے۔ آداب وشرائط دعاء مذکور ہیں اور آخری صفحات پر درود شریف اور بعض دیگر اعتصامات درج ہیں ۔اس کتاب کے حاشیہ پر بھی اعتصامات درج ہیں۔

عم محترم جناب مولوی سید معزالدین حسین صاحب بغرض زیارت مشہد مقدس، ایران، تشریف لے گئے، اس نسخہ کا مقابلہ دعائے سیفی ادعیۂ نمبر ۹۵ در آستانہ قدس کتاب خانہ مبارک حضرت امام علی رضاعلیہ السلام مشہد مقدس سے کیا تھا اور اضافات اس نسخہ کے حاشیہ پر درج فرمائے تھے۔ رسید کتابخانہ مبارک ۴۳۱۵ اس نسخہ کے ساتھ منسلک ہے۔

والد بزرگوار حاذق الحکماء حکیم سید محمد ریاض الدین حسین صاحب قبلہ نے بھی دعائے سیفی کے چند دیگر نسخوں سے مطالعہ کرکے اضافات حاشیہ پر درج فرمائے ہیں۔ نیز آپ نے معتبر ومستند علمائے عارفین سے اعتصامات ماثورہ بھی حاشیۂ کتاب پر اضافہ فرمائے ہیں۔ والد مرحوم ومغفور نے اورادسیفی مرتضوی کو مع اسناد جداگانہ بیاض میں لکھنا شروع کیا، یہ کام تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

جناب والد مرحوم نے مندرجہ نسخ اور ادعیہ سیفی مرتضوی سے استفادہ فرمایا ہے۔

دعائے سیفی از معمول حکیم سید کمال الدین حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر مرحوم مغفور۔

۲۔ دعائے سیفی شیخ محمد غوث گوالیاری مع نا دعلی۔

۴۔ بحار الانوار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ۔

۵۔ دعائے سیفی معمول حکیم سید محمد شجاع الدین حسین عرف سید دلدار حسین جلالوی الہمدانی مرحوم ومغفور۔

۶۔ اعتصامات واختتام دعائے سیفی مرتضوی از کتاب شرح جواہر خمسہ۔

نام کاتب، تاریخ درج نہیں ہے۔ البتہ کاغذ کی نوعیت متن کے ساتھ جدید کاغذ کی جوڑ اور کتاب کی درستی سے اس کی قدامت واضح ہے۔ نیز اس نسخہ میں دو مقامات پر سید شاہ خیرات علی نام کی دو مہریں ۱۲۲۷ھ کی ثبت ہیں۔ جن سے واضح ہے وہ یہ نسخہ قطب العارفین سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ کے کے ورد میں رہا ہے۔ اور بزرگوں سے یہ روایت ہے کہ متن دعا سید شاہ خیرات علی علیہ الرحمہ ہی کا تحریر کردہ ہے۔

مختصر یہ کہ اورادسیفی مرتضوی کا یہ نسخہ نہایت معتبر اور مستند ہے۔ نیز شرائط دعوت، اشارات واعتصامات ماثورہ کے اعتبار سے ایک مکمل نسخہ ہے، تاہم یہ ضروری ہے کہ دعائے سیفی کے دیگر نسخوں اور مخطوطات (جو ہندوستان وبیرون ھند کتب خانوں میں محفوظ ہیں) کی مدد سے اس کو ایڈٹ کرکے شائع کیا جائے تاکہ مومنین کرام اور اد اور ان کے خواص کے فیوض وبرکات حاصل فرمائیں۔

۳۔ اورادفتحیہ:

یہ اوراد حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کے لئے مرتب فرمائے ہیں اور خانقاہی معلیٰ ،سرینگر ،کشمیر میں ان کا ورد جاری ہے ۔ اورادفتحیہ کا ایک قلمی نسخہ بطریق عقائد مذہب شیعہ اثنا عشری کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی علیہ الرحمہ واقع گڑھی، قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ، میں محفوظ ہے۔ یہ ایک قدیم مخطوطہ ہے ۔اس کے خاتمہ پر حسب ذیل عبارت تحریر ہے:

''تمت ہذہ اوراد ائمہ کہ مشہور بہ فتحیہ احقر العباد اضعف الناس پر جو برحمت پروردگار واحد مختار وآلِہ الاطہار وصحبہ الکبار صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اجمعین امام بخش بنی اسرائیل کولوی۔''

امام بخش کاتب نے جس قدیم نسخہ اورادفتحیہ سے یہ نسخہ نقل کیا ہے اس کا آخری ورق بھی آخر میں منسلک ہے، جس کے آخر میں تحریر ہے۔

''بید فقیر خاکپائے جمع ساداتان وشیخان عطاء اللّٰہ غفرالہ والجمیع المومنین والمومنات بخاطر داشت میر صاحب سید جمال علی جیوتحریر یافت بروز یکشنبہ۔''

اس نسخہ پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے لیکن مشائخ شان کتابت وکاغذ کی نوعیت سے نسخہ کی قدامت واضح ہے۔ یہ نسخہ کرم خوردہ ہے لیکن متن صاف جلی قلم سے تحریر کیا گیا ہے ، لہٰذا صاف پڑھاجاتا ہے۔ اشارے مثلاً سی وچہار مرتبہ سی وسہ مرتبہ پس بگوید دوبار وغیرہ سرخ روشنائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔ ابتداء 'یا فتاح' سے کی گئی ہے اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر ہے۔ بسم اللہ کے بعد سہ مرتبہ گوید لاالہ اللہ محمد الرسول علی ولی اللہ ۔آخر حقاً حقاً تحریر ہے۔ اصل دعاء باون(۵۲) صفحات پر مشتمل ہے۔صفحات کی لمبائی ''۹ چوڑائی'' ۶/۱/۲ ہے۔ اصل متن کی لمبائی چوڑائی اور سطور فی صفحہ سات ہیں۔

عقائد صفحہ ۴۳ تا ۴۴ حسب ذیل طور سے درج ہیں:

رضینا باللہ تعالیٰ ربا والاسلام دینا ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیاً ورسولاً وبامیر المومنین علی ابن ابی طالب اماماً وبفاطمہ وباالحسن وبالحسین وزین العباد علی والباقر محمد والصادق جعفر والکاظم موسیٰ والرضا علی والتقیٰ محمد علی والزکی العسکری الحسن والمہدی الہادی اماما وبالقرئ کتب وبالکعبۃ

قبلة و بالصلوٰة فريضة وبالمومنين اخوانا صلوٰة اله عليهم اجمعين۔

اورادفتحیہ کا یہ قلمی نسخہ کشمیر کے مروجہ مطبوعہ نسخوں سے باعتبار عقائد مختلف ہے اور اس سے واضح ہے کہ اورادفتحیہ کا رواج اہل سنت عقائد اہل سنت کے مطابق اور شیعہ صوفیہ وعارفین میں بطریق عقائد شیعہ رائج ہوا۔

جلالی، ضلع علی گڑھ، میں جہاں سادات ہمدانی ہمایوں کے وقت سے آباد ہیں، اورادفتحیہ بطریق مذہب شیعہ اثنا عشری مروجہ ہے اور اس قدیم مخطوطہ سے ماخوذ ہے۔

جلالی، ضلع علی گڑھ، میں اورادفتحیہ کا یہ قدیم ترین مخطوطہ ہے جو سید عطا اللہ کے مخطوطہ کی نقل ہے۔ سید عطاء اللہ ہمدانی حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ کی نسل سے ہیں جیسا کہ نسب نامہ جلالیہ موسومہ بہ خلاصۃ الانساب مرتبہ جناب افضل العلماء مولانا سید مکرم حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہ سے واضح ہے جو حسب ذیل ہے:

سید عطاء اللہ ابن سید کمال الدین سید احمد ابن سید عمر ابن سید محمد ابن حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ

۴۔ مقباس المصابیح

تصوف سے مراد طریقت ہے، اور طریقت اس علم کہا جاتا ہے کہ جس میں حقوق عبودیت اور شرائط ریاضت بیان کئے جاتے ہیں اور اس علم کو سلوک بھی کہا جاتا ہے اور راہ طریقت میں جو سعی کرے اسے سالک کہتے ہیں اور اس علم کا نتیجہ عرفان حق تعالیٰ ہے۔ ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ رسالہ اجویہ میں حقیقت وبطلان طریق صوفیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ راہ دین ایک ہے اور حق تعالیٰ نے ایک پیغمبرؐ بھیجا ہے اور آخر میں ایک شریعت قرار دی ہے لیکن انسان عمل اور تقویٰ کے مراتب میں مختلف ہوتے ہیں اور اہل اسلام کا ایک گروہ جو کہ ظاہر شرع شریف نبویؐ پر عمل کرتے ہیں اور سنت ومستحب کے عامل نہیں اور مکروہات مشتبہات کو ترک کرتے ہیں اور امور دنیا میں توجہ نہیں کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنے وقت کو عبادت واطاعت میں صرف کرتے ہیں اور اکثر خلق سے، جنکی معاشرت کے باعث تضیع اوقات ہوتی ہے، کنارہ کش رہتے ہیں۔ ایسوں کو مومن، زاہد متقی کہتے ہیں اور صوفی کہلاتے ہیں کیوں کہ وہ اپنی کوشش میں انتہائی غربت اور فاقہ کی وجہ سے

صوف (اون) پر قناعت کرتے ہیں جو کہ سخت سے سخت اور سستی سے سستی پوشش ہے۔ اور یہ لوگ خلاصۂ نسل انسان ہیں لیکن چوں کہ ہر جماعت میں ایسے لوگ بھی داخل ہوجاتے ہیں کہ ان کو ضائع کر دیتے ہیں اور ایسے لوگ شیعہ سنی اور زیدی وغیرہ سب میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح صوفیوں میں شیعہ سنی اور ملحد ہوتے ہیں ۔

صوفیامیں سے اہل حق بھی تھے اور ہیں اور اس پر اکثر شہادتیں وارد ہیں ۔ ملامحمد باقر رسالہ اجویہ میں صوفیائے شیعہ سے حضرت سلطان العارفین وبرہان الواصلین شیخ صفی الدین نور اللہ برہانہ، سید بزرگوار علی بن طاؤس علیہ الرحمہ، شیخ ابن فہد حلّی ،شیخ زین الدین رضوان اللہ علیہ کا ذکر خاص طور سے کیا ہے کہ جن کے تصانیف وقائق وحقائق صوفیاء میں مستند ہیں۔ نیز آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ طریقۂ خاص شیعیان اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ ریاضت ومجاہدت وذکر خدا وترک دنیا وبیزاری شریروں سے رہا ہے اور طریقہ صوفیہ حقہ ان کا طریق ہے۔صوفی صافی ضمیر اہل تشیع تسبیح وتحلیل اور توحید حق تعالیٰ اور توسّل انوار ائمہ ہدی کے ساتھ وابستہ رہے اور کوئی بیہودہ وخلافت شریعت طریقہ ان میں نہیں ہے ۔حضرت شیخ صفی الدین رضوان اللہ علیہ نے اپنے مقالات میں اکثر جگہ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ متابعت شریعت مقدسہ کریں اور ان باتوں سے کہ جو مخالفت شریعت ہیں پرہیز کریں۔

ملامحمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے طریقہ اذکار وادعیہ ماثورہ کا انتخاب کتاب ''مقباس المصابیح'' (چراغوں کا نور) میں پیش فرمایا ہے اور یہ ایک گرانقدر تصنیف ،عرفان حق تعالیٰ میں ہے۔

ملامحمد باقر بن علامہ آخوند تقی مجلسی علیہ الرحمہ (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء تا ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء) اعلم وقت، فقیہ، محدث اور صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار پر انوار اصفہان میں جامع عتیق کے بقعہ میں واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔ آپ کی تصانیف میں عرفان وتصوف سے متعلق اعمال و اوراد کا گرانقدر ذخیرہ موجود ہے۔ اخبار واحادیث پر آپ کی جامع ومفصل کتاب ''بحار الانوار'' ایک بحر ذخار ہے جو لآلی ابدار سے مملو ومرقع پچیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اسی کا خلاصہ ''مقباس المصابیح'' ہے جس مین علامہ مجلسی نے تعقیبات نماز سے متعلق مستند اوراد وظائف کا انتخاب پیش کیا ہے۔

'' مقباس المصابیح'' کا ایک نستعلیق مخطوطہ کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی (واقع امام باڑہ سید خیرات جلالی، ضلع، علی گڑھ، وقف نواب آصف الدولہ بہادر) میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ تین سو

چھیتر (۳۷۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی لمبائی ۸۔۱ انچ اور چوڑائی ۵ انچ ہے۔ عناوین سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے کاتب کرم علی ہیں، جنہوں نے اس نسخہ کی کتابت بمقام آستانہ سرائے میر تحصیل پھول پور ضلع اعظم گڑھ میں کی ہے۔ کتابت ششم ربیع الاوّل ۱۲۰۷ھ کو مکمل ہوئی ہے۔ اس کی جلد چرمی ہے اور بوسیدہ ہے۔

کتاب ''مقباس المصابیح'' کا مقصد تالیف علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''اما بعد خامہ تقصیر آثار خادم اخبار ائمہ اخیار محمد باقر بن محمد تقی حشر ہما اللہ مع موالیہما الاطہار ہر الواح قلوب صافیہ وعقول زاکیۂ سالکان سالک عبادت ودعاء وطالبان قرب خیاب حق جل وعلامی نگار د کہ چوں اشرف عبادات بدنیہ نماز است وتعقیبات ماثورہ را در تکمیل صلوٰۃ مدخلتی عظیم است وایضاً رفع درجات وخط سیات وحصول مطالب درجات میکردند وہیچ راہ از طرف قرب رافع الدرجات بدعاومناجات نمی رسد وکتب ورسائل کہ درین مطلب تدوین شدہ ، محیط ہمہ آنہا نیست وبسیار از آنہا کہ باسانید صحیحہ منقول گردیدہ ایرادنمودہ اند وبعضے از آنہا کہ ایرادنمودہ اند خصوصیتی بتعقیب مطلق صلوات ایرادنمودہ اند چوں ایں قاصر جمیع آنہا را درکتاب بحا رالانوار بہ طریق متعدد ہ ایراد کردہ ام بخاطر ماتر رسید کہ اکثر آنہا را در رسالۂ جداجمیع کنم ، بفارسی احادیث آنہا را ترجمہ نمایم تا عامہ خلق ازاں بہرمند توانند شدہ و درضمن نقل ہر یک آثار نصیحت وقوت ہریک بحسب سندی شود کہ اگر ناقدۂ بصیرخواہد کہ بعضے را اختیار نماید میبار زاد اند ودعا ہائے صبح وشام وسائز ساعات لیل ونہار را اضافہ نمودم وبردہ فصل مرتب کردہ شدم وچوں ادعیہ را از کتب معتبرۂ علمائے سلف رضوان اللہ علیہم ومصاحبہا کہ در دعاء تالیف نمودہ اند اقتباس بمقباس المصابیح مسمی ساختم۔

مذکورہ تحریر کی روشنی مین واضح ہے کہ علامہ مجلسی نے اس کتاب میں جملہ تعقیبات نماز پنجگانہ، نیز صبح وشام اور ہر گھڑی میں ورد کرنے کے لئے اذکار وودعیہ کتب معتبرہ علمائے سلف رضوان اللہ علیہم سے اخذ کرکے جمع فرمائی ہیں اور اس لحاظ سے یہ مجموعہ اوراد برائے سلوک وعرفان الٰہی نیز رفع درجات انسانی وحصول مطالب وحاجات دنیاوی کافی ووافی ہے۔ اور آیہ ''وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کے مطابق ہے۔

کتب سلوک وعرفان حق تعالیٰ میں یہ کتاب نہایت مستند ومقبول ہے اگر اس کتاب کا ترجمہ زبان

اردو میں کیا جائے تو یہ عرفان وسلوک کی منزل میں اردو داں حضرات کے لئے نہایت مفید ومقبول ہوگی۔

تقسیم وترتیب کتاب:

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو دس فصول پر تقسیم کیا ہے:

فصل اوّل: درفضیلت تعقیب وشرائط وآداب آن ۔صفحہ ۴ ۔فصل دوم: دربیان تعقیبات است کہ مستحب است کہ بعد از ہر نماز خواندہ شود صفحہ ۸ ۔فصل سوم: درتعقیب مخصوص فریضۂ ظہر صفحہ ۶۲ ۔فصل چہارم: درتعقیبات مخصوص نماز عصر صفحہ ۸۵ ۔فصل پنجم: درتعقیب مخصوص فریضۂ صفحہ ۱۰۶ ۔ فصل ششم: درتعقیب مخصوص نماز خفتن صفحہ ۱۲۶ ۔فصل ہفتم: درتعقیبات نماز صبح صفحہ ۱۴۸ ۔فصل ہشتم: دربیان فضیلت وکیفیت سجدۂ شکر صفحہ ۲۱۵ ۔فصل نہم: دربیان دعا ہا کہ در صباح ومسا باید خواند صفحہ ۲۵۰ ۔فصل دہم: دردعاہائے کہ درساعات روز باید خواند ودعاہائے ہر روز کہ خصوصیت بساعتے ندارد۔ صفحہ ۳۴۸ ۔

مذکورہ دس فصلوں میں علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے سلوک وعرفان حق تعالیٰ سے متعلق منتخب اور پر تاثیر آیات قرآنیہ، اذکار اور ادعیہ انتخاب فرمائے ہیں۔ اگر ان کو معانی ومطالب کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ذخیرہ عرفان وتصوف حقہ کا ایک نادر خلاصۂ انتخاب ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حقیقت تعقیب کی وضاحت فصل اول میں اس طرح فرمائی ہے۔ واما حقیقت تعقیب ظاہرش آنست کہ قرآن ودعا و ذکر کہ متصل بہ نماز واقع شود عرفاً داخل تعقیب باشد ولیکن افضل آنست کہ باوضو باشد ونشستہ باشد وبقبلہ وبہتر آنست کہ برہیبت تشہد باشد وسخن نگوید دراثنائے تعقیب خصوصاً درعقب نماز شام وبعضے گفتہ اند کہ بہتر آنست کہ جمیع شرائط نماز در تعقیب رعایت کند وظاہر آنست کہ بہر جائے کہ بعد از نماز مشغول قرآن ودعا وذکر باشد ثواب تعقیب فی الجملہ داشتہ باشد اگرچہ در راہ رفتن باشد ودر روایتے وارد شدہ کہ تا وضو داری ثواب تعقیب داری۔

مصادر ومراجع:

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں جن مصنّفین ومصنفات سے استفادہ فرمایا ہے اور اوراد واذکار وادعیہ اخذ فرمائے ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

بحار الانوار: علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ ۔ کافی: شیخ محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمہ ابن

بابویہ ابوالحسن علی بن الحسین بن موسیٰ بابویہ مجتہد اعظم قم ۔ شیخ طوسی ۔ شیخ نصیر الدین محقق طوسی مصنف اوصاف الاشرف واشارات وغیرہ ۔ بلد الامین مصنفہ شیخ ابراہیم بن علی بن الحسین بن محمد العاملی معروف بہ شیخ کفعمی۔ مصباح کفعمی: (جنت الواقیہ وجنت الباقیہ معروف بہ مصباح کفعمی) سید ابن طاؤس سید رضی الدین علی ابن طاؤس مصنف مہج الدعوات وجمال الاسبوع واقبال ولہوف وغیرہ۔ علامہ حلی: مصنف شرح تجرید المسمی بکشف المراد ومنہاج الکرامت وغیرہ ۔ شیخ طبرسیؒ ۔ شیخ رضی الدین ابی نصر الطبرسی مصنف مکارم الاخلاق وغیرہ۔ شیخ مفیدؒ مصنف کتاب مجالس وغیرہ۔ سید ابن باقی مصنف کتاب اختیار وغیرہ۔ دیلمی مصنف اعلام الدین۔ سید ابن طاؤس: کتاب فلاح السائل وغیرہ شیخ طوسی ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطّوسی مصنف مصباح المتہجد وکتاب محاسن وغیرہ۔ عدۃ الداعی:- مصنفہ جمال السالکین احمد بن فہد حلی علیہ الرحمہ ۔ محمد بن ھارون: در مجموع الادعوات ۔ عیون اخبار الرضا: محمد بن علی بن الحسین معروف بہ شیخ صدوقؒ فقہ الرضاؑ ۔ ابن ادریس: محمد بن احمد بن ادریس الحلی فخر الدین ابوعبد اللہ العجلی مصنف کتاب السراء الحاوی لتحریر الفتاوی ومختصر بنیان الشیخ الطّوسی ۔ شیخ شہید علیہ الرحمہ۔ شیخ ابن فہد: شیخ احمد بن محمد ابن فہد حلی جمال السالکین مصنف عدۃ الداعی۔ مہج الدعوات۔ شیخ تلعکری۔ مصنف مجموع الدعوات ۔ کشف الغمہ (کشف الغمہ فی معرفت الائمہ مصفنہ علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح الاربلی۔ امالی: شیخ طوسی ۔ ثواب الاعمال محاسن ۔ قطب راوندی: شیخ سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسن المعروف بالقطب الراوندی۔

مذکورہ مصادر ومراجع تمام تر سلوک وعرفان حق تعالیٰ اور تصوف حقہ سے متعلق ہیں اور اس اعتبار سے کتاب ''مقباس المصابیح'' ان اوراد ووظائف اور اذکار الٰہی کا ایک نادر خلاصہ ہے کہ جن پر عارفین وسالکین حق تعالیٰ عامل رہے ہیں۔

ا۔کتاب خانہ۔ ادارۂ ہمدانیہ، امام باڑہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی، محلّہ گڑھی قصبہ جلالی، ضلع علی گڑھ، اتر پردیش، ہندوستان۔

چودھویں صدی عیسوی کے اواخر کا ایک نادر سہروردی مخطوطہ
شیخ اخی جمشید راجگیر ی کے ملفوظات

ڈاکٹر مقصود احمد خان

حال ہی میں علی گڑھ یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں شیخ اخی جمشید راجگیر ی کے ملفوظات[۱] کی ایک جلد خاکسار نے دریافت کی، جس میں تصوف اور اس کے مختلف اسرار ورموز کے نکات اور اس کی معنویت کو شیخ نے مختلف ابواب میں باندھا ہے۔ ان ملفوظات میں ان کے صوفیانہ افکار اور خیالات کے بارے میں نہایت اہم معلومات موجود ہیں، جسے اس مضمون کے ذریعے عوام تک پہنچانے کے کوشش کی گئی ہے۔

سہروردی سلسلے کے ایک اہم بزرگ شیخ اخی جمشید راجگیر ی [۲] اُچہ کے سید جلال بخاری مخدوم جہانیان جہان گشت [۳] کے خلفاء میں تھے ۔ ان کا اصلی نام جمشید تھا اور زہرہ مئو [۴] کے رہنے والے تھے ،لیکن ان کے پیر شفقت سے انہیں اخی کہہ کر بلا تے تھے اور وہ اسی نام سے ہر خاص وعام میں مشہور ہوئے۔ بچپن میں ہی روحانیت کی تلاش میں گھر بار چھوڑ دیا۔ اپنا تمام مال ومتاع غریبوں اور ضرورتمندو کے درمیان تقسیم کرکے انہوں نے مخدوم جہانیان کی صحبت اختیار کی اور ان کی خدمت میں ایک طویل مدت گزاری ۔ ان سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ہی ان کی زیر نگرانی زہدوتقویٰ کے اسباق ازبر کیے ۔ مخدوم جہانیان نے اپنے ہر دل عزیز مرید شیخ احمد جمشید کو خلافت نامہ عطا کیا اور قنوج [۵] کی ولایت بخشی۔ نہایت مختصر مدت میں ان کی روحانیت اور کرامات نے ہزاروں لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرلیا اور وہ خواص وعوام کے درمیان مقبول ہوگئے۔

آپ کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ہولی کے موقعے پر نہایت رنگین کپڑے اور زیورات زیب تن کیے، غیر مسلم نوجوانوں کا ایک گروہ رقص کرتے اور نغمے گاتے ہوئے ان کے گھر کے پاس سے گذرا ۔شیخ اس گروہ کے نغمے کو سن کر جذب کی حالت میں آگئے اور ان کے ساتھ ہولئے۔ اسی حالت میں تین دن تک محور ہے اور قنوج کی گلیوں اور کوچوں میں بھٹکتے رہے۔ عوام بھی خود کو اس پر کیف مستی کا شکار ہونے سے نہ روک سکے اور ان کے ساتھ بھٹکتے پھرے۔ علماء شیخ

کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کی تیاری کرنے لگے کہ انہوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی ہے اور ان کو اس کی سخت سزا ملنی چاہئے۔ ۶؎ اس سلسلے میں انہیں قنوج کے سب سے بڑے عالم میر سید احمد منجھالے کی منظوری درکار تھی جو شیخ کی روحانی قوتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے اس دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کردیا جو شیخ کے خلاف تیار کیا گیا تھا۔ مراۃ الاسرار کے مصنف عبد الرحمٰن چشتی میر سید منجھالے اور ان کے وارثین کی مالی خوشحالی کو شیخ راجگیر ی کی دعاؤں کا ثمرہ بتاتے ہیں۔ ۷؎

اس کے بعد ان علماء نے خواجہ سلطان الشرق ، سلطان جونپور (متوفی ۸۰۱ہجری / ۱۳۹۹عیسوی) کا رخ کیا اور ان کو اس بات پر رضا مند کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ شیخ کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کریں۔ شیخ راجگیر ی نے اپنا موقف واضح کرنے کے لئے سلطان کو ایک خط تحریر کیا کہ'' میں نے زمین پر رقص کیا ہے اور اب میں حضور والا کے تعاون سے دانستہ ہوا میں رقص کرنے کی خواہش رکھتا ہوں'' ۔ انہوں نے خط میں یہ بھی واضح کیا کہ'' الوہی محبت کی راہ مین موت کا حصول سب سے پسندیدہ مقصد ہے''۔ جب سلطان نے اس خط کو پڑھا تو اس نے شیخ کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے صاف انکار کردیا۔ ۸؎

قنوج میں ان کے قیام کے دوران ہی ہندوستان میں مداریہ سلسلہ کے بانی اور رہنما شیخ بدیع الدین شاہ مدار ۹؎ ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے نہایت احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور بڑی پر تکلف مہمان نوازی کی۔ شیخ اخی قنوج میں بہت دنوں تک قیام نہ کرسکے کیونکہ لوگوں کا اژدہام ان کے استغراق اور خلوت میں رخنہ پیدا کرنے لگا تھا۔ انہوں نے بہتر ماحول کی خواہش میں بالآخر قنوج کو خیر باد کہہ کہ ایک چھوٹے اور قدرے ویران گاؤں ،راجگیر ، میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ۱۰؎ شیخ اخی راجگیر ی نے خلوت نشین زندگی کی طلب میں کچھ مدت فیروز آباد کے لکڑی بازار کے ایک گوشہ میں قیام کیا اور اس دوران انہوں نے کسی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی سوائے چند مخصوص اصحاب کے جن میں ملک عبد اللہ بھی شامل تھے جو ایک تارک الدنیا بزرگ تھے اور جنہوں نے روحانی طور پر خود کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے وابستہ کیا ہوا تھا۔

شیخ نے تجرد کی زندگی اختیار کی اور عوامی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ انہوں اپنا قیمتی وقت اور ساری قوت کو عوامی خدمات کے لئے وقف کردیا یہ سلسلہ راجگیر میں ان کی وفات نے جاری رہا۔ ۱۱؎ روحانی اور دنیاوی فیوض کے حصول کے لئے ان کے پاس لوگ آتے رہے۔ انہوں نے اپنی ہمشیرہ

کے صاحبزادے شیخ نورولد شیخ قیام الدین کو تربیت دی اور اپنا سجادہ نشین ۱۲؎ مقرر کیا، جس کا دعویٰ شیخ فتح اللہ راجگیر ی ۱۳؎ بھی کرتے تھے۔

شیخ کا خیال تھا کہ صوفی وہ ہے جو دنیا کی تمام آلائشوں سے خود کو پاک کرلیتا ہے اور جو دنیا وی مال ومتاع کی حرص سے اپنے دل کو اس طرح پھیر لیتا ہے کہ اس کی نظر میں پتھر اور سونے کی قدر یکساں ہوجاتی ہے۔ ۱۴؎

لیکن وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقی صوفی نہایت کمیاب ہیں۔ ۱۵؎

شریعت پر وہ بہت زور دیتے ہیں اور سچا صوفی اسی کو مانتے ہین جو شریعت کے ذریعے بتائے گئے مذہبی فرائض کی مکمل ادائیگی کرتا ہے۔ ۱۶؎ ان کے مطابق ''شریعت ایک کشتی کی طرح، طریقت ایک دریا کی طرح اور حقیقت ایک درنایاب کی طرح ہے۔ اگر کوئی اس درنایاب کا خواہش مند ہوتو ضروری ہے کہ وہ پہلے ایک کشتی کا انتظام کرے، پھر دریا میں ڈال دے، اس کے بعد ہی وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔'' شیخ کے ذریعے بتائی گئی دوسری مثال یہ ہے کہ'' شریعت ایک صحن کی طرح، طریقت ایک نزدبان (زینہ) کی طرح اور حقیقت ایک بام کی طرح ہے۔ اگر کوئی شخص بام پر پہنچنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ پہلے صحن میں داخل ہو، پھر زینہ طے کرے، اس کے بعد ہی وہ بام پر پہنچ سکتا ہے۔''

شیخ کے مطابق کسی نو آورد (Novice) شخص کے لئے جو اللہ کی رفاقت کا خواہش مند ہو، ایک لائق وفائق اور تجربہ کار پیر کی صحبت ناگزیر ہے۔ ان کے نزدیک انسان دو مختلف جوہر سے مل کر تخلیق ہوا ہے، ایک جوہر الوہی اور دوسرا جوہر سفلی اور دونوں جواہر امراض سے اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ سفلی وجود کو لاحق ہونے والے امراض کے علاج کے لئے حکیم موجود ہیں جو علاج کے ذریعہ انسان کو بیماری سے صحت مندی میں تبدیل کردیتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو ہلاکت سے بچا لیتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کے لئے بھی حکیم ہوتے ہیں جو اپنی معالجاتی تدبیروں سے بیماریوں کی وجوہات دریافت کرتے ہیں اور امراض کی تشخیص کرتے ہیں اور ایک بیمار شخص کو قعرِ مذلّت سے نکال کر نجات کی منزل تک پہنچاتے ہیں۔ سفلی امراض کے ڈاکٹر حکماء ہوتے ہیں جب کہ ہر قسم کے روحانی امراض سے نجات دلانے والے اولاً انبیائے کرام اور ان کے بعد شیوخ یعنی پیر ہوتے ہیں۔'' شیوخ اپنی بارگاہ ارادت میں پیغمبر وں کی طرح ہیں۔'' وہ مزید فرماتے ہیں کہ جس طرح سفلی

(جسمانی) مرض میں مبتلا شخص ایک لائق ڈاکٹر کے علاج کے بغیر اپنی جان سے ہاتھ دھوسکتا ہے۔ اسی طرح روحانی امراض میں مبتلا شخص بھی کسی پیغمبر یا تجربہ کار شیخ کی دستگیری کے بغیر تباہی کے خطرات کی زد میں ہوتا ہے۔'' پیغمبروں کی قوموں میں سے علماء اصل میں پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں''۔ ایک حکیم بیماری کی وجہ جاننے کے لئے مریض کی نبض دیکھتا ہے اور اس کے لئے اس کی جسمانی استعداد کے مطابق دوا تجویز کرتا ہے ۔ وہ مختلف وزن میں کئی دوائیں ملا کر مریض کے لئے معجون بھی تیار کرتا ہے اور کوئی چیز جو ایک مریض کے لئے تجویز کرتا ہے دوسرے کی صحت برآوری کے لئے وہی چیز اسے منع کردیتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر بھی روحانی مریض کی داخلی تکلیفوں کو سمجھتے ہوئے مریض کے درک واستعداد کے مطابق کسی خاص اصول پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے تھے۔کبھی کسی کو دو اور کبھی تین اور مخصوص حالات میں چار اصولوں کی پیروی کی تلقین فرماتے تھے ۔کسی بات کو جائز قرار دیتے تھے اور کسی چیز کے لئے منع فرمادیتے تھے۔ یہ ساری تدبیریں اس لئے اختیار کی جاتی تھیں تاکہ امراض کی صحیح تشخیص ہوسکے اور مریض کو جلد سے جلد قوانین کی متوازن پیروی کے ذریعے صحیح علاج بہم پہنچایا جاسکے ۔ اس طرح وہ تباہی سے بچ جاتا تھا۔ اگر جسمانی امراض میں مبتلا کوئی شخص اپنے معالج کی مخالفت کرتا ہے اور اس کے احکام کے برخلاف عمل کرتا ہے تو لاحق مرض یقیناً دن بہ دن اس شخص کو مزید بیمار کرتا جائے گا اور بالآخر ایک دن اسے تباہ کردے گا۔'' ۱۷

شیخ مریدوں کے خلوت نشینی اختیار کرنے کے خلاف تھے۔ اس سلسلے میں وہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی مثال دیتے ہیں جنہوں نے ایک دفعہ اپنے بھانجے شیخ زین الدین کو حکم دیا کہ وہ ان درویشوں کے سامنے جلو فرمائیں جو خلوت نشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ پہلے وہ سچے مسلمان بنیں اور یہ کہ خلوت نشینی صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل اللہ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے بھر چکے ہیں۔ ۱۸

دل کو لاحق تمام امراض کی اصل وجہ دنیاوی چیزوں سے لگاؤ ہے۔خود پسندی ، عہدوں کا لالچ ، حسد ، غرور ،غیبت، حد سے متجاوز خواہشات ، گناہ کو معمولی سمجھنا، مظلوموں پر رحم نہ کھانا، انسانی خدمت سے گریز اور ان کے علاوہ کھانے، سونے اور گفتگو میں حد سے تجاوز کرنا ایسی ہی بیماریاں ہیں۔ شیخ کے مطابق ان بیماریوں کا علاج ترک دنیا ۱۹ میں پوشیدہ ہے اور اس کا حصول صرف قلب کی صفائی سے ہی ممکن ہے ۔قلب کی صفائی کے لئے شیخ نے درج ذیل مشورے دئے ہیں:

۱- عبادت جس کی دوقسمیں ہیں: عبادت ظاہری اور عبادت باطنی ۔ ابتداء میں مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے عبادت ظاہری مثلاً نماز ، روزہ ، کم کھانا، کم سونا اور کم بات کرنا اور اللہ کے ذکر میں خود کو مصروف کرے۔ ۲۰

۲- ذکرِ الٰہی بھی دوطرح کا ہوتا رہا ہے:۱۔ ذکر جلی اور ۲۔ ذکر خفی ۔ شیخ کے مطابق ابتدا میں مرید کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف رکھے ، کیونکہ یقینی طور پر اس کا یہی مشغلہ ذکر خفی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

۳- فاقہ کرنا: شیخ نے فاقے کے فوائد کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے مرید کے لئے اسکی خوبیوں اور خامیوں کو دس نکات میں بیان کیا ہے۔

(i) فاقہ انسان کے قلب کی صفائی کرتا ہے اور اسے دانش عطا کرتا ہے، جب کہ شکم سیری انسان کو سست اور کاہل بنادیتی ہے ۔

(ii) زیادہ کھانا انسان کو شقی القلب بنادیتا ہے جب کہ فاقہ اس کو رقیق القلب بناتا ہے اور اللہ کے ذکر ومناجات کا مزہ وہ آسانی سے لے سکتا ہے۔

(iii) جس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے وہ اللہ کے ذکر اور عبادت سے لاپرواہی برتنے لگتا ہے جو اسے جہنم میں لے جاتی ہے لیکن مالی پریشانی ،غربت اور خاکساری انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔

(iv) ایسا شخص جو شکم سیر ہو وہ بھوکوں اور غریبوں کو نظر انداز کرنے لگتا ہے۔

(v) انسان کو اپنے نفس کا غلام نہیں بننا چاہئے جس کو فاقے سے مسخر کیا جاسکتا ہے ۔ اس سے انسان غیر ضروری جنسی ہوس سے نجات پالیتا ہے۔

(vi) کم کھانے والا زیادہ سونے سے بچتا ہے اور وہ اس وقت کو دن رات اللہ کی یاد اور ذکر میں استعمال کرسکتا ہے جب کہ زیادہ کھانا انسان کو قلب مطمئنہ بخشتا ہے اور خوش باشیوں ،تفریحات جیسے لہو ولعب میں گرفتار ہوجاتا ہے اور اپنا قیمتی وقت اور قوت ضائع کرتا ہے۔

(vii) معاشی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی کم کھانا بہت سودمند ہے۔ اس سے انسان روزانہ بہت سی کھانے پینے کی چیز خریدنے کی زحمت سے بچتا ہے اور خرچ پر قابو رکھ پاتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنا قیمتی وقت بھی بچا سکتا ہے جو وہ کھانا بنانے میں صرف کرتا ہے۔

(viii) کم کھانے سے انسان صحت مند رہتا ہے ۔ اس طرح وہ بیماریوں ، ذہنی پریشانیوں ،

حکیموں کی صلاح اور بالآخر ڈھیر ساری دوا کھانے سے بچ جاتا ہے۔

(ix) خوب ذائقے دار کھانے کے لئے انسان کو خوب پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وہ کئی طرح کے غیر قانونی اور غیر اخلاقی افعال کا مرتکب ہوسکتا ہے۔لیکن کم کھانے سے اس کا خرچ از خود محدود ہوجاتا ہے۔

(x) غیر ضروری کھانے پر خرچ ہونے والی رقم کو بچا کر انسان ضرورت مندوں کے درمیان صدقہ کرسکتا ہے جو اس دنیا میں بھی باعث خیر ہے اور آخرت میں بھی۔

ان باتوں کی تلقین کے بعد شیخ نے یہ بھی کہا کہ جو لوگ کم کھانا کھا کر ڈائٹنگ شروع کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دم سے ایسا نہ کریں بلکہ کم خوراکی کا نظام مرحلے وار طور سے اپنائیں۔ مثال کے طور پر اگر دو پہر کے کھانے میں روٹی کے تین ٹکڑے کھاتا ہے تو وہ پہلے دن ایک ٹکڑا کم کرے، پھر دوسرے دن مزید ایک ٹکڑا اور اسی طرح اپنا معمول بنائے۲۱

ان ہدایت کے علاوہ شیخ نے نفس پر قابو پانے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ ان کے مطابق جس شخص نے اپنے نفس پر قابو پالیا اس نے اللہ کو پالیا۔۲۲

شیخ کا عقیدہ تھا کہ لفظ عشق اللہ کی نسبت سے متعلق ہے۔ اپنے عقیدے کی تائید میں انہوں نے اس امر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ۲۳ وہ سماع، وجد، رقص وغیرہ کے بھی حامی تھے۔ اپنے خیال کی تائید میں انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے اور سماع کے موضوع پر موجود اہم مأخذ مثلاً ''کتاب سماع''، '' تاج السماء''، ''عوارف المعارف'' وغیرہ کا حوالہ دیا ہے۔۲۴

مصادر وحواشی:

۱۔ شیخ یحیٰی بن علی اصغر بن عثمان حسینی راجگیر کے رہنے والے تھے۔ آپ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان جہاں گشت کے مرید تھے۔تقریباً چودہ سال شیخ کی خدمت میں بسر کی۔ مرشد کے انتقال کے بعد آپ نے شیخ اخی جمشید راجگیر کی صحبت اختیار کی اور ملفوظات کی ابتداء ۱۳۹۱ء/ ۷۹۴ھ سے کی۔ یہ ملفوظات ۱۱۴ اوراق پر مشتمل ہیں۔ اس میں ۱۲ مجالس ہیں۔تقریباً دو ماہ میں اس کو مکمل کیا۔

مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو، فارسیہ وتصوف، کالم نمبر ۳/ ۶۶۔

۲۔ عبدالحئ صاحب نے انہیں اسرائیلی لکھا ہے۔نزھۃ الخواطر، دائرۃ المعارف حیدرآباد، جلد

۳،ص ۵۱

۳۔ آپ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابو الفتح قریشی کے مرید اور نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ امام عبد اللہ یافعی سے بھی آپ کو مصاحبت حاصل تھی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار: ص ۱۴۱۔ ۱۴۳؛ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، اردو ترجمہ مولانا الحاج کپتان واجد بخش سیال چشتی صابری، ادبی دنیا، ٹیامحل، ۲۰۰۵ء؛ درویش جمالی: سیر العارفین، روٹو گراف ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری اے ایم یو، ص ۲۹۔ ۳۳؛ شیخ عبد الصمد بن افضل محدم: اخبار الاصفیاء مخطوط مولانا آزاد لائبریری۔ اے۔ایم، یو علی گڑھ، فرنگی محل کلکشن، (فارسیہ تذکرہ) نمبر ۳/ ۸۵

۴۔ یہ موضع پرگنہ دریا آباد میں واقع ہے۔ مرآۃ الاسرار: اردو ترجمہ، ص ۱۰۹۸

۵۔ مرآۃ الاسرار: اردو ترجمہ، ص ۱۰۹۸۔

۶۔ مرآۃ الاسرار کے مطابق مخدوم جہانیان نے اخی جمشید کو جونپور بھیج دیا۔ اردو ترجمہ، ص ۱۰۹۸۔ بحر ذخار مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، اے ایم یو، ص ۱۶۵۳: مولانا غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، جلد ۲، ص ۲۴ پر مذکور ہے: ''مخدوم جہانیان صاحب ولایت دیار قنوج ساخت''

۷۔ مرآۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۰۹۹

۸۔ میر سید احمد منجملہ علمائے اکابر کے سردار تھے۔ چونکہ میر سید احمد اہل باطن تھے انہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ لوگ نفس پرست ہوگئے ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے دوستوں کے حال میں مزاحم ہوں پس وہ فتویٰ ختم ہوگیا لیکن اس میں حصہ لینے والے گونا گوں مصائب میں گرفتار ہوگئے اور آج تک انکی اولاد اس نحوست میں مبتلا ہے اور ان میں سے اکثر گھر بار سمیت تباہ و برباد ہوگئے ہیں۔ شیخ اخی نے دعا دی کہ میر سید احمد کی دیگ قیامت تک گرم رہے گی اور اس دعا کا اثر آج تک ظاہر ہے۔ میر سید احمد سلاطین وقت کے ہاں بہت معزز تھے اور ان کے پوتے میر صدر الدین بھی سلطان سکندر ابراہیم لودھی کے ہاں بہت معظم ومحترم رہے۔ چنانچہ آپ بادشاہوں کی دائیں طرف بیٹھتے تھے.... ان کے بعد ان کے فرزند سید عبد الغفار بھی بڑی شان وشوکت سے رہتے تھے ان کے لئے باون ہزار روپے مقرر تھے اور یہ ساری رقم محتاجوں پر خرچ ہوتی تھی۔ انہوں نے قنوج سے ترک سکونت کر کے قصبہ بہانی میں قیام فرمایا۔ میر سید صدر جہاں نے بڑی شہرت پائی چنانچہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں آپ صاحب نوبت اور سارے ملک کے صدر

الصدور تھے۔ آپ کا مزار بہانی میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کے بعد آپ کے محبوب ترین فرزند میر سید نظام الدین مسند نشین ہوئے۔ سلطان شہاب الدین محمد شاہجہاں نے آپ کو صاحب نوبت اور مرتضٰی خان کا خطاب عطا فرمایا۔ آج میر سید نظام الدین مرتضٰی خانی سارے ہندوستان کے لوگوں میں ممتاز اور مکرم ہیں۔ مرآۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۱۔۱۱۰۰

۹۔ مرآۃ الاسرار، اردو رجمہ، ص ۱۱۰۱

۱۰۔ مرآۃ ماری: مخطوطہ حبیب گنج کلکشن نمبر ۱/ ۱۲۹/ ۳۲۔ نیز دیکھئے: اخبار الاخیار، اخبار الاصفیاء، کلمات صادقین، بحرز خار۔

۱۱۔ موضع راجگیر کالی ندی کے کنارے قنوج سے تین میل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ E.R.Neave, A District Gazetteers of the United Provinces of Agra and Oudh, Farrukhabad, Allahabad, Vol. IX, 1911,p.223; A. Fuher, Archaeological Survey of India, Report, Vol. II, New Series, p.83

۱۲۔ خزینۃ الاصفیاء کے مطابق ان کی تاریخ ولات ۸۰۱ ہجری ہے۔ لیکن عبد الحئ صاحب ان کی وفات بروز چہارشنبہ ۱۰ شوال سنہ ۸۴۲ھ بتاتے ہیں۔ نذھۃ الخواطر جلد ۳، ص ۵۲

۱۳۔ آپ نے اپنے ہمشیرہ زادہ شیخ نور والد شیخ قیام الدین ساکن موضع رہڑاموڑ کی اپنے فرزند کی طرح تربیت فرمائی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۴۔ شیخ فتح اللہ راجگیری شیخ نظام الدین امیٹھی کے مرید وخلیفہ ہیں۔ پوری زندگی عبادت وریاضت میں گذاری۔ صاحب کرامات بزرگ تھے۔ ۷/ ربیع الاوّل، ۱۰۰۷، میں وفات پائی۔ اخبار الاصفیاء، ص ۱۴۷ الف، ب

۱۵۔ ملفوظات اخی، ص ۱۴۱ الف

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۲ الف

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷ الف، ب

۱۸۔ اسی طرح کی عبارت مکتوبات صدی نمبر ۱۹ ''امراض ظاہر وباطن کے بیان میں'' ملتی ہے۔ دیکھئے مکتوبات صدی، شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری، اردو ترجمہ حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی وحضرت سید شاہ الیاس، جسیم بکڈپو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، ۱۹۹۸، ص ۱۵۶۔ ۱۵۸

۱۹۔ ملفوظات اخی ،ص ۱۱۱ ب

۲۰۔ ایضاً ،ص ۱۰ ب

۲۱۔ ایضاً ،ص ۲۱ ب

۲۲۔ ایضاً ،ص ۲۴ ب ۔ ۲۶ ب

۲۳۔ ایضاً ،ص ۱۳ ب

۲۴۔ ایضاً ،ص ۶ الف و ۵۳ الف

۲۵۔ ایضاً ،ص ۲۹ ب و ۳۱ ب

☆

عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک میں محفوظ تصوف کے چند اہم مخطوطات

شوکت علی خاں
ٹونک، راجستھان

آداب الصوفیہ (عربی): آداب الصوفیہ، ایک نایاب اور غیر مطبوعہ مخطوطہ ہے جس کا حوالہ بر اکلمین، کشف الظنون، اور الاعلام میں بھی دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے نسخے ہندوستان میں کہیں نہیں ہیں اور نہ ہی کسی جگہ پتہ چل سکا ہے۔ زرکلی نے وثوق سے بتایا ہے کہ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔

ابوعبد الرحمٰن محمد بن حسین موسیٰ الارذی السلمی نیشاپوری، المتوفی ۱۳۴ھ/ ۱۰۲۱ء، صوفی علماء میں سے ہیں۔ امام ذہبی نے آپ کو شیخ الصوفیہ لکھا ہے۔ ان کی تصانیف ایک سو سے زیادہ ہیں۔ تبیانؔ میں ہے کہ وہ حافظ وزاہد تھے۔ آپ باپ کی طرف سے الازدی اور نانا کی طرف سے السلمی تھے۔ موصوف نے ابتداءاً میں صوفیائے کرام کے آداب کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد صوفیائے عظام کے مجاہدات، واردات، آداب بندگی، ریاضت، فقروفاقہ، امید وبیم، خوف ورجاء، اخلاق وآداب، واقعات وحکایات، فرق کرامات ومعجزات، احوال ومقامات، زہدوورع ومشاہدات، مبتدی وسالک کی صفات، سامعین وواجدی، احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، قرآنی آیات، امثال، اقوال، وجدوحال، مستی وسرمستی، سکر وصحو، اور دیگر مقامات بڑے حسین پیرایہ میں شیریں استعاروں اور تمکین کنایوں کے ساتھ عارفین وسالکین کے لئے فرمائے ہیں۔ چنانچہ قلب عارف کی کیفیت یحیٰی بن معاذ کے فرمان ذیشان کے مطابق اس طرح ہے:

"قلوب العارف قناديل الحكمة وفتلها الزهد وزجاجها اليقين و زينتها المحبة وسرابها من نور الملكوت:

عارف قلوب دانائی وحکمت کی قندیلیں ہیں اور ان قندیلوں کی بتی زہدوورع ہے۔ ان کی شمع ان کا یقین اور اس کا روغن الفت ومحبت ہے، اور ان کی روشنی ملکوت کا نور ہے۔" "آداب الصوفیہ" تہتر

ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کئی فصول ہیں، جومختلف آداب واسرار پر محتوی ہیں۔

مخطوطہ کے آخر میں تحریر ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار ایک سو حکایات واخبار ہیں، ایک سو کے قریب اخبار اور باقی سب حکایات ہیں۔ اور اس کتاب میں چند مہر ہیں۔ چنانچہ اول صفحہ پر دو مہر ہیں۔ ایک مہر میں نصر من الله وفتح قريب۔ ۱۱۲۳ھ اور دوسری مہر میں محمد سلیم الدین کندہ ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر اور کتاب کی فہرست کے آغاز میں محمد سلیم الدین کے نام کی مہریں ثبت ہیں۔

شرح عوارف المعارف (عربی): عوارف المعارف، شہاب الدین ابوحفص عمر بن عبد اللہ السہر وردی، متوفی ۶۳۲ھ/ ۱۳۳۴ھ، کی مذہب تصوف کی ایک طرح کی دائرۃ المعارف ہے۔ زیر نظر نسخہ اسی عوارف المعارف کی ضخیم اور اہم شرح ہے، جو سید محمد حسن گیسودراز چشتی، خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی مرہون منت ہے، جس میں عوارف المعارف کے دفتر کے دفتر کھولے گئے ہیں۔ انقباض کو انشراح، جلال کو جمال، قال کو حال، جذب کو کیف، کیف کو سرمستی، سکر کو صحو، اور صحو کو استغراق کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ عوارف ومعارف کی وہ نکتہ پر دازیاں پیدا کردی ہیں کہ جزئیات ومخفیات بے حجابانہ جلوہ گر ہو کر حیرت سامانیوں میں وضع ہونے لگیں۔ جہاں حیرت سامانیاں جلوہ نمائیاں، اور نیرنگیاں انوار وتجلیات بن بن کر بکھرنے لگیں اور یوں عوارف ومعارف کھلنے لگیں جیسے کہساروں سے آبشار پھوٹتے ہیں، یا نازک شاخوں پر شوخ غنچے چٹک اٹھتے ہیں۔

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک وتصوف کے اسرار، رموز ونکات، جزئیات ومخفیات کو عوارف ومعاون میں سمویا تھا۔ ستاون صفحات تک متن کے موضوعات اور عنوانات لکھے ہوئے ہیں۔ اور صفحے پر سرخی لکھی ہوئی ہے، جو بغایت غور وخوض کے بعد اس طرح پڑھی جاتی ہے۔ جس سے مخطوطے کا عنوان اور شارح کا پتہ چلتا ہے، پھر بھی ایک جگہ ایک دو حرف محو شدہ اس طرح شنگرنی نوشتہ ہے "من شرح عوارف المعارف المسمّاة ... معارف العوارف " تصنیف حضرت مخدوم سید محمد حسن گیسودراز، عارف شاہباز، بلند پرواز قدس اللہ سرہ، معارف العوارف سے پہلے کوئی حرف مقطوع نظر آتا ہے۔ اس لئے اس شرح کا نام "معارف العوارف" ہے۔ اصل کتاب کا نام عوارف المعارف ہے۔ اسی کی صوتی ہم آہنگی اور ترکیب مقلوبی کالحاظ رکھتے ہوئے شرح کا نام معارف العوارف رکھا ہوگا، جو قریب قیاس ہے۔

۵۷ صفحات تک بالترتیب ''فا'' لکھ کر مواد ومتن کے بارے میں سرخیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ذیل میں ترجمہ کیا جاتا ہے روحانیات ، حضرت ابراہیم ادہم تلمیذ الامام الاعظم فی ترک تعلم الفقہ ، حضرت احمد بن حنبل ، معنی حضوری قلب عند الفقہاء، العمل بعلم الدراسة پھر علم الوارثہ کی بحث ہے۔طریق اکتساب الجنان وغیرہ۔

ان صفحات کے بعد کہیں کہیں حواشی اور کاتب کے نوشتہ اشاریے پائے جاتے ہیں۔ اخیر سے ناقص ہے اس لئے ترقیمہ وغیرہ غائب ہے۔ پھر بھی اصل متن سے تقابل کرنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک دوصفحات نہیں ہیں۔ اس لیے کہ آخر صفحہ ۱۰۵۶ پر قولہٗ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا احب الله عبداً الخ کی بحث ہے۔

شاہ گیسودراز نے انہیں کیفیات جذب وکیف سے بسط وشرح بیان فرمائی ہے۔ یہ عوارف المعارف کی عزیز الدہر شرح ہے، جو صرف اسی ادارے کی زینت ہے۔ اس کی اب تک کوئی کاپی دستیاب نہیں ہوسکی ہے۔ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کی ایک اور شرح محفوظ ہے۔ وہ بھی کافی ضخیم ہے اور ہندوستانی صوفی عبد القدوس بن اسماعیل غزانوی متوفی ۱۵۳۸ء، ۹۴۵ھ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ آربری نے اپنے ذخیرہ کے علاوہ اس کی دوسری کاپی کہیں نہیں دیکھی۔ اس اعتبار سے اگر انڈیا آفس میں یہ اپنی نوعیت کی انوکھی تصنیف ہے، تو اس سے کہیں پہلے کی شرح ٹونک میں محفوظ ہے۔ جس کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی گلبرگہ شریف کے سجادہ نشین نے اپنے کتب خانے کے لئے طلب کی ہے۔

ہمارے نسخے کی تقطع کلاں ہے، بادامی کاغذ دولت آباد دیمک خوردہ ، خط عربی قدیم ، آخر سے ناقص ہونے کی وجہ سے کاتب وکتابت کا صحیح پتہ نہیں چل سکا۔ پھر بھی روش تحریر اور کاغذ کی ساخت پرداخت ،قلم کی روش ، دور، دامن نشست، کرسی ، دانگ ، سطح اور جوف کے پیمانے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کی کتابت دسویں صدی ہجری کے اواخر یا گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوگی۔ اس لیے کہ حروف کی کتابت کی بھی تاریخ ہے۔ ہر صدی کی روش اور ہر صدی کے امتیازات وخصوصیات اپنی اپنی جگہ تاریخ لیے ہوئے ہیں۔ خط نسخ رواں ہوتے ہوئے بھی قلم کی مہارت نظر آتی ہے ۔کہیں کہیں ثلث کے آثار نمایاں ہیں۔ ہائے مد وراور یائے معروف اور دوسرے حروف تو نسخ کی روش لیے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ر، و، د،ک، وغیرہم کہیں کہیں ثلث کے زیر اثر نظر آتے ہیں۔

مخطوطہ کا شکستہ ، خستہ ، پیوندنمودہ اور آب رسیدہ ہونے کے باوجود نہایت صاف ہے۔، البتہ آثار

خستگی سے بہت متاثر ہے۔کل ۱۰۵۶ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ ۲۱ سطری ہے۔ بہت کم صفحات پر حواشی چڑھے ہوئے ہیں، بلکہ اول صفحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عوارف المعارف کی جس سطور کی شرح غائب ہے، جو ایک دو صفحے میں ہوسکتی ہے۔عوارف المعارف کی ایک اور شرح مناظر اخص الخواص از شیک محبّ اللہ الہ آبادی، مکتوبہ ۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء، بھی اس ذخیرے میں محفوظ ہے۔

ترجمۃ الکتاب (عربی) شیخ محبّ اللہ الہ آبادی، متوفی ۱۰۵۸/ ۱۶۴۸ء، جو بابا فرید گنج شکر کی نسل سے ہیں، اس کے مصنف ہیں۔اپنے وقت کے ممتاز عالم اور شیخ وقت تھے۔ شیخ ابوسعید گنگوہی کے خلیفہ تھے اور کثیر التصانیف تھے۔نسخہ ہذا ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ اس کی صرف ایک کاپی انڈیا آفس کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ایک ورق آخر سے بعد میں شامل کیا گیا ہے، اس لئے کاتب وکتابت کا پتہ نہیں چل سکا۔لیکن کتابت کی روش کاغذ کی ساخت اور چند منہیات سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کی حیات کا نوشتہ ہے۔ ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۰۸ / ۱۶۹۶ء میں محمد اجمل الہ آبادی نے مولوی از ہار الحق بن مولوی احمد عبد الحق کو دیا۔ آخری صفحہ پر مولوی از ہار الحق کی مہر بھی ثبت ہے۔ مخطوطہ چار مراتب میں منقسم ہے اور اسی رعایت سے مصنف نے ترجمۃ الکتاب کا ایک ذیلی عنوان المراتب الاربعہ بھی دیا ہے۔ اس طرح چار ابواب ہیں اور ہر باب میں کئی فصول ہیں۔ مرتبۂ اولیٰ عقائد سے بحث کرتا ہے۔ مرتبۂ دوم شرع سے، مرتبۂ سوم سلوک واحسان سے اور چہارم روحانی مکاشفات و صوفیہ کے مجاہدات ومشاہدات پر مشتمل ہے۔ ان مراتب سے پہلے بنا قائدہ مشتملات کی فہرست دی ہوئی ہے۔ متن سے متعلق منہیات بھی چڑھے ہوئے ہیں سلوک واحسان اور عقائد سے بحث کرتے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری کے علاوہ اس نسخے کا ذکر کہیں درج نہیں ہے جیسا کہ آربیری لکھا ہے۔No other copy appears to be recorded not in Haji Khalifa.

(Arberry 9.011 pp.183-184)

اشجار الجمال یا اخبار الجمال (فارسی) یہ ایک اہم غیر مطبوعہ تذکرہ ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ چند اوراق ابتدا وانتہا سے غائب ہیں، پھر بھی غائرنظر سے دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف کا نام محمد تھا، جنہوں نے اس تذکرے میں حضرت شیخ جمال شمس العارفین کولوی نبیرہ نظام الدین المویّد کے احوال و انساب جمع کیے ہیں۔ ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء میں

بزبانۂ محمد شاہ اس کی ترتیب ہوئی ہے۔ اسی صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

یہ شیخ یار محمد بن شیخ عبد الاحد پر ختم ہوتا ہے۔ اس تذکرہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے حالات قدرے تفصیل سے دے رکھے ہیں ۔ حیات وتعلیمات تسبیح وتہلیل وتحمید وتمجید ، ریاضت ، نفس کشی کے اواقعات وواردات کے علاوہ کشف وکرامات اور سکر وصحو ،قبض وبسط مشاہدہ ومجاہد ، مکاشفہ ومحاکمہ کے واردات بیان کیے ہیں۔ سیر الاولیاء اور راحت القلوب کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے ۔نسخہ کی ، جہاں تک پتہ چل سکا ہے، ابھی تک اس کی دوسری کاپی نظر سے نہیں گزری ۔ اس کی کتابت بارہویں صدی ہجری میں ہونا قیاس کی جاسکتی ہے۔

سیراب الصدر (فارسی) سیراب الصدر یا سیراب الصدور، صوفیائے کرام کا ایک بیش بہا تذکرہ ہے۔ اس کے مصنف و مرتب کا پتہ نہیں چل سکا۔ سرسری جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرتب ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء میں پیدا ہوئے اور علی قلی خاں کے بھتیجے ہیں، اور دکن میں اکبر اعظم کے سفیر کبیر ہوکر گئے تھے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مرتب میر کلاں اسعد اور عبد القادر بدایونی کے شاگرد ہیں۔ فاضل مرتب نے مقدمہ میں اپنے بارے میں کچھ مبہم مبہم سے اشارے دئے ہیں۔ اسی سے اتنا کچھ معلوم ہوسکا ہے۔ یہ تذکرہ کافی ضخیم اور ناقص الطرفین ہے، اس کا طویل مقدمہ بھی نہیں ہے۔ جس کا ذکر درمیان میں کیا گیا ہے۔ اس میں بعثت اسلام سے لے کر عہد مصنف تک لے کر عہد مصنف تک اکابر اصفیا کا ذکر کیا گیا ہے۔ پیش نظر نسخہ میں چار اوراق کے بعد شیخ عماد الدین اسماعیل کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ آخر میں خواتین کا ذکر ہے۔ جو بی بی فاطمہ سامؒ کے احوال سے شروع ہوتا ہے ۔ ہمارے ادارے میں اس ضخیم تذکرے کا صرف دوسرا حصہ ہے۔

طبقات شاہجہانی (فارسی) از محمد صادق ۔ یہ کتاب شاہجہاں کے دور میں تصنیف ہوئی۔ ہندوستان میں اس کے نسخے کم ہی پائے جاتے ہیں ۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا نسخہ اسی سے منقول ہے۔ اسٹوری ۲ نے اس کتاب کے صرف تین نسخوں کی نشاندہی کی ہے جو آصفیہ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں محفوظ ہیں۔ بڑا اہم اور نادر تذکرہ ہے۔ مرتب نے اس کتاب کو دس طبقوں پر ترتیب دیا ہے۔ ہرطبقہ کو تین بابوں پر مرتب کیا ہے۔ باب اول میں اس دور کے سادات ومشائخ اور اولیاء واصفیاء کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دوسرے باب میں ہر دور کے علماء وحکماء کو اور تیسرے باب میں شعراء کو

بیان کیا ہے۔ اس طرح دسوں طبقات میں اولیاء واصفیاء کا اچھا ذخیرۂ حالات جمع ہوگیا ہے۔

طبقۂ اولیٰ کے چند اولیاء کے نام یہ ہیں : حضرامیر سید کلاںؒ خلیفہ خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ ، خواجہ علاء الدین ، مولانا نظام الدین ہروی ، مولانا زین الدین ابو بکر اویسی، شیخ امام الدین ابدال ، بدیع الدین شاہ مدار وغیرہم ۔ طبقۂ عاشرہ میں خواجہ خواوند محمود، شیخ تاج ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہ ۔کل ۳۸، اکابر اصفیاء کا ذکر ہے ، شیخ نور پتنگی ، خواجہ ابو الاعلیٰ احراری پر تذکرہ ختم ہوجاتا ہے۔

مظہر النور فی شرح مظہر النور : (فارسی) سید قمر الدین اورنگ آبادی، متوفی ۱۱۲۳ھ/ ۱۷۷۹ء کی تصنیف مظہر النور کی شرح ہے، جو مرزا جان جاناں ،متوفی ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء، کی توجہ خاص سے سید نور الہدیٰ بن سید قمر الدین نے لکھی گئی ۔جن کی کتابت محمد صدر الدین نے شارح کی زندگی میں کی۔بعض حواشی خود شارح کے قلم سے بھی ہیں۔

جواہر الاسرار وزواہر الانوار (فارسی): میر سید حسین خوارزی متوفی ۹۵۶ھ/ ۱۵۲۹، نے مثنوی مولانا روم کا دو جلدوں میں ترجمہ کیا ہے۔ جس کی کتابت شارح کی زندگی(۹۰۸ھ/ ۱۴۹۸ء)میں ہوئی ہے۔مخطوطے پر شاہی مہریں اور تاریخی شاہد بھی موجود ہیں۔

خلاصۃ المعارف واسرار العقائد (فارسی): سید شیخ آدم بنوری خلیفہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۵۳ ھ ،کی مرتبہ ہے۔عقائد وتصوف سے متعلق ذخیرہ ہے، جو موصوف نے کتابی شکل میں اس نام سے مرتب کیا۔ ۱۱۴۹ھ کا نوشتہ ہے۔ علامہ بنوری امام جعفر صادقؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ بنور میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں دفن ہوئے۔ ان کا شمار اجلۂ صوفیاء میں ہوتا ہے۔ موصوف مریدین کی تربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

خلاصۃ المعارف میں علامہ شیخ بنوری نے عقائد تصوف، اسرار ومعارف ، اصطلاحات صوفیہ اذکار وسلوک ظاہری وباطنی پر بحث کی ہے۔

ریاض الاولیاء (فارسی): اس کا عنوان مادہ تاریخ ہے جس سے مخطوطے کا سال تصنیف ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۰۹ برآمد ہوتا ہے،۔ ریاض الاولیاء ء بختاور خاں کا مرتبہ تذکرہ ہے، جو چار چمن پر مشتمل

ہے۔ پہلے چمن میں خلفاء راشدین کے احوال ہیں، دوسرے چمن میں ائمہ کرام کا بیان ہے، تیسرے چمن میں اولیاء کرام کا ذکر جمیل ہے، چوتھے چمن میں فاضل مرتب نے ہندوستانی صوفیاء کرام کے حالات سے بحث کی ہے۔

تیسرے چمن میں جو اولیاء کرام کے حالات مرقوم ہیں، وہ تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس اور رشحات القدس سے ماخوذ ہیں۔ ریو نے لکھا ہے کہ مرأت جہاں نما کے مرتب نے ریاض الاولیاء کو اپنے چچا شیخ محمد بقاء سے منسوب کیا ہے [۳] اسٹوری نے اس کی ایک کاپی آصفیہ اور براؤن کلکشن میں بھی بتائی ہے۔ [۴]

۱۔ **ارشاد الناقصین و تائیدالکاملین** (عربی): مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی، المتوفی ۱۲۲۵ھ مکتوب سنہ محشی ایکٹینشن ۱۱۷۶

۲۔ **اسرار الاحکام شرح شرعۃ الاسلام** (عربی): مصنفہ محمد یعقوب بنیانی، المتوفی ۱۰۹۸ھ، مکتوبہ ۱۲۰۹ھ، کاتب مولانا عرفان رامپوری، ہندوستان کے ایک مشہور عالم کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ ۱۱۷۳۔

۳۔ **اصطلاح الصوفیہ (عربی)**: مصنفہ فیض الحسن انور کلکشن ۱۷۳۷/۳۔

۴۔ **بہجۃ الناصر المنتخب من صیدؒ الخاطر** (عربی): مصنفہ محمد بن علی بن سلوم، مکتوبہ ۱۳۳۱ھ، شارح نے صید الخاطر مصنفہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوازی سے اختصار کیا ہے۔

۵۔ **رسالہ فی بیان آداب المشیخۃ والمریدین**: ۳۱(۷)/۶۔

۶ **رسالہ فی التصوف (عربی)**: مصنفہ شیخ تاج الدین بن زکریا القرشی، مکتوبہ ۱۰۴۳ھ، ٹونک۔

۷۔ **سیفینۃ العلوم** (عربی): مصنفہ حسن بن محمد شیخ الاسلام ابو سعد الحسن بن محمد البیہقی، المتوفی ۴۹۴ھ، جزء ثالث و رابع قدیم نسخہ ٹونک ۱۲۰۵۔

۸ **نتائج الحرمین** (عربی): سید آدم البنوری۔ موصوف کے کسی شاگرد نے آپ کے

ملفوظات جمع کیے تھے ۔ حرمین میں آپ سے اجازت چاہی ۔ آپ نے منع فرمایا اور سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں جو ملفوظات تھے، اس نام سے ترتیب دیا گیا ۔

۹۔ **اظہار المخفیہ** (عربی): مرتب کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس میں تصوف کے دو تین مسئلوں کی تحقیق ہے مخطوطات (فارسی)

۱۰۔ **تحفۂ محبوب:** مرتبہ مولوی محمد حسن قادری بن خواجہ عبد الوہاب قادری مشتمل بر حالات شیخ حمزہ کشمیری واصحاب وارباب واوراد واذکار ۔

۱۱۔ **رسالہ شرط خرقہ پوشی:** مصنفہ شیخ محی الدین شاغل کلکشن ۱۱ جامع الشروح ،مثنوی مولانا روم مقلب بہ سراج المعانی ۔ مترجمہ مولوی سراج الرحمٰن ٹونکی ، واحد نسخہ ، نوشتہ تیرھویں صدی ہجری۔ رسالہ

۱۲۔ **برہان الواصلین:** مصنفہ خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ الور کلکشن ۸/۳۷۷۱

۱۳۔ **رسالہ فوائد الاذکار** از یعقوب بن عثمانی ، الور کلکشن ۱/۳۷۲۴

۱۴۔ **سبیل الرشاد لاہل المحبۃ والود** از مولوی محمد عاشق پھلیتی تلمیذ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ،ٹونک ۱۳۲۱

۱۵۔ **شرح حدیقہ حکیم سنائی :** مطلی ومذہب مینار ، مولوی عبد الطیف بن عبد اللہ عباس بڑا نادر نسخہ ہے ۔ کاتب محمد سعید بن محمد مقیم بن عبد اللہ بن شیخ حسام الدین حنفی ہیں۔ ۲۱ شعبان سنہ ۳۷ جلوس عالمگیر طویہ آصف جاہی میں جو شاہ زادہ محمد اعظم شاہ سے متعلق تھا، اس نسخہ کی کتابت شروع ہوئی۔ اسی سال کتابت ختم ہوئی۔ شیخ فیض احمد کی کوشش سے یہ نسخہ لکھا گیا ۔
۱۵۔ جمادی الثانی سنہ ۳۹ جلوس کو مرزا نجف قلی قلعدار اور بھائی خان خانساماں اور گل محمد کی توجہ سے اس کا جدول تیار ہوا۔ نسخہ بہت عمدہ ہے۔

۱۷۔ **شرح نذہۃ الارواح:** شیخ عبد الواحد بن ابراہیم بن خطیب بلگرامی ،المتوفی

۱۰۱۷ھ، کاتب الیاس بن سید علی، تاریخ کتابت ۵ شعبان ۱۰۱۳ھ۔ بڑا نادر نسخہ ہے۔

۱۸۔شرح سوانح العشاق: شیخ عبدالکریم لاہوری مرید نظام الدین تھانیسری۔

۲۱۔سوانح العشاق: تاریخ کتابت ۱۹ جمادی الاخر ۱۱۸۴ھ

۱۹۔کرامات الاولیاء مولوی نظام الدین احمد بن محمد صالح، مصنفہ ۱۰۶۸ھ، مکتوبہ ۵ صفر ۱۲۷۸ھ، کاتب قادر خان ساکن بھوپال۔ اسٹوری ۵ نے اس کی ایک کاپی کی نشاندہی آصفیہ خانہ میں کی ہے۔اس کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے۔

۲۰۔شخوص الہم شرح فصوص الحکم: غلام مصطفیٰ تھانیسری نہایت مطلے ومینا کار۔

۲۱۔شرح اظہار المخففیہ میں اخبار المصطفویہ: اظہار المخفیہ کی فارسی شرح ہے۔ متن اور شرح دونوں بہتر ہیں۔

حوالے:

۱۔الاعلام، جلد ششم، ص ۹۹، حاجی خلیفہ ششم، ص ۶۱ میں قدرے اختلاف سے بیان کیا ہے۔

۲۔Story, Vol . I ,Par' 11, pp.1171,72

۳۔ریو، جلد سوم، ص ۹۷۵

۴۔اسٹوری، جلد ۱، پارٹ ص ۱۰۱۲، ۱۹۵۳ء

۵۔اسٹوری، ۱۰۵۷۔ ریو ۳/۹۷۴

☆

مکتوبات سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانی کا ایک نادر قلمی نسخہ

ڈاکٹر مودود اشرف
اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مخدوم صاحبؒ کے مکتوبات گرامی کا مطالعہ تصوف اور تعلق مع اللہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس میں صوفی کے قلب کا سوز وگداز بھی ملتا ہے اور تحقیق وتدقیق کی چاشنی بھی۔ خط کا بڑا حصہ اسی موضوع کی توضیح وتشریح پر مبنی ہے۔ اس میں تصوف کے باریک مسائل کو اپنے طور پر بھی سمجھا یا گیا ہے اور علماء وقت کے تقاضے پر بعض صوفیہ کی دقیق باتوں اور ان کے مشکل اشعار کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے ۔ مثال کے طور پر ملک العلی ، قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو مخدوم صاحبؒ نے جو خط تحریر کیا ہے وہ در اصل ان کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ فصوص الحکم میں فرعون کے بارے میں جو اشارات ملتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ یہ خط طویل ہے اور اعتدال کا بہترین نمونہ بھی؟ اسی طرح قیام الدینؒ کے جواب میں جو خط مرقوم کیا گیا ہے اس کا عنوان ہے ''درحل ابیات مشکلہ بطریق ارباب تصوف واصحاب تعرف''۔ غرض خاصی تعداد میں ایسے خطوط ملتے ہیں جو علماء وقت کی طرف سے تصوف سے متعلق اٹھائے گئے اعتراضات یا اشکالات کے جواب میں ہیں۔ اس سے مخطوطہ کی علمی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے۔

تعارف مصنف :

مخدوم سید اشرف جہانگیرؒ کی ذات ستودہ صفات مجموعہ کمالات تھی۔ آپ اپنے وقت کے جدید عالم پائے کے محقق اور اعلیٰ درجہ کے صوفی تھے۔ مورخین نے ان الفاظ میں آپ کی صفات کو رقم کیا ہے:

''آپ یگانہ روزگار تھے۔ شان رفیع ہمت بلند کرامات وافر کے مالک تھے۔ سلطان المشائخ کے بعد شیخیت اور ہدایت کے سلسلہ کو آپ نے از سرنو زندہ کیا۔ حقائق بیانی میں آپ کلام الٰہی، احادیث نبوی، اقوال مرتضوی اور اصحاب کرام کے ترجمان تھے۔'' (مراۃ الاسرار)

گلزار ابرار کے مصنف محمد غوثی شطاری تحریر فرماتے ہیں:

'' کشف وکرامات اور منازل مقامات کے آپ مالک تھے۔آپ کے بیان سے عرفان کا آب حیات بہتا تھا اور آپ کے دل سے شوق ومحبت کی آگ کے شعلے اٹھتے تھے۔[۱]''

ملک محمد جائسی فرماتے ہیں:

'' درصدیقین امت محمدی صلعم دوکس بہ سبب ترک سلطنت بر جمیع اولیاء اللہ فضیلت دارند، حضرت سلطان العارفین ابراہیم بن ادھم وسلطان سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کچھوچھوی''[۲]

آپ کا نام سید محمد اشرف یا سید اوحد الدین اشرف لقب جہانگیر تخلص اشرف تھا اور شہرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے نام سے پائی جائے ولادت سمنان (ایران) تاریخ پیدائش ۷۰۹ھ، جائے وفات روح آباد کچھوچھہ (فیض آباد یوپی) سال وصال ۸۰۸ھ یا ۸۳۲ھ کے قریب قریب۔

تعلیم: حافظ قرآن، قاری قرائت، سبعہ عالم معقول ومنقول۔

تربیت: اس مبارک کام میں تین اکابر صوفیہ سرفہرست ہے۔

۱۔شاہ علاؤ الدین علاء الحقؒ پنڈوی، ۲۔مخدوم جہانیان جہاں گشت، ۳۔میر سید علی ہمدانی۔

بیعت وخلافت: شاہ علاء الحق کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ وہیں خلافت میں جہانگیر کا لقب عطا ہوا اور فی البدیہ آپ نے یہ شعر کہا۔

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد اے اشرف جہانگیر

تصنیف وتالیف: نزہۃ الخواطر جلد ثالث میں ۲۳ کتابوں کا نام بنا م ذکر ملتا ہے۔شمیم اشرف نے اشرف سمنانی نامی کتاب میں ۲۹ کتابوں کا ان کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

تفسیر قرآن نوربخشیہ، فصوص الحکم کی شرح، خود حضرت کا ایک دیوان مراۃ الحقائق کنزالدقائق وغیرہ۔تصانیف میں مختصر رسائل بھی ہیں اور ضخیم کتابیں بھی، ان میں سے کچھ موجود ہیں کچھ ناپید۔

مکتوب گرامی: مکتوبات کا یہ مجموعہ جناب سید شاہ ظفر الدین اشرف سجادہ نشین درگاہ کچھوچھہ شریف کے ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے۔ وہیں اس کے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پورا

مجموعہ مقدمہ مکتوبات اور مرتب کے گرانقدر اضافات پر مشتمل ہے۔ ان اضافات کا تعلق تاریخ انساب اور اسماء الرجال سے ہے۔

مقدمہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کی ترتیب وتدوین کا کام دو اصحاب کے ہاتھوں مختلف اوقات میں ہوا ہے۔ اس کے جامع اول حضرت نظام الدین یمنیؒ (خلیفہ ومرید حضرت اشرف جہانگیرؒ) تھے۔ اس کام سے فراغت پر آپ نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کا آخری شعر اس طرح ہے:

چوں مرقومات عرفان جمع کردہ پئے تاریخ ''رقومات'' آورد ۷۸۷ھ

مکتوبات کے جامع ثانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے جانشین اول حضرت شاہ عبد الرزاق صاحبؒ تھے۔ آپ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد جو قطعہ تاریخ کہا، اس کا آخری شعر اس طرح ہے ۔

چوں مکتوب ثانی یافت ترکیب پئے تاریخ مکتوبات آمد ۸۶۹ھ

گویا پہلی بار اسکی ترتیب وتدوین مخدوم صاحبؒ کی حیات میں اور دوسری بار آپ کی رحلت کے بعد شاہ عبدالرزاقؒ کی وفات سے صرف چند سال پہلے ہوئی۔

مقدمہ میں پچھتر مکتوبات کی مکمل فہرست موجود ہے۔ ساتھ ہی نمبر شمار مکتوب الیہ کا نام اور خط کے موضوع کو بھی درج کیا گیا ہے۔ فہرست اس انداز میں رقم کی گئی ہے:

مکتوبات پانزدہم بجانب شیخ الاسلام گجراتی از خلفاء اثنا عشریہ مشتمل بر بودن سالک در راہ حق وآراستن خود رابکار ملحق از طہارت ظاہر وباطن ومشغول در راہ سلوک ونوعے از اذکار ودیدن انوار اگرچہ از وضوئے او باشد۔ خط کے مضمون کے اعتبار سے عنوان مفصل بھی ہے اور مختصر بھی جیسے مکتوب بست سویم در جواب نامۂ سلطان ابراہیم کہ استفسار معنی بیت حضرت امیر خسرو دہلوی کردہ اند۔

مکتوبات کے اختتام پر مرتب ثانی کے قلم سے جو اضافات ملتے ہیں، مقدمہ میں اس کی تصریح کردی گئی ہے اور فہرست بھی دیدی گئی ہے۔ چنانچہ مرتب ثانی شاہ عبد الرزاقؒ تحریر فرماتے ہیں کہ در مکتوبات از خامہ ... حضرت قدوۃ الکبریٰ کہ از پرتو ولایت غوثیہ صادر شدہ بندہ رادر ان تصرفے نیست اما ہر جا کہ سلاسل مشائخ ودوہرا کابر ... در بحر الانساب وطبقات ملوک مذکورہ بعد از تتبع وپیروی کتب صوفیہ ورسائل طائفہ بتخصیص در لطائف وتواریخ چنانچہ طبری وطبقات ناصری وامثالہا یافت در دوائر ومجدول درج کردہ۔ اگر در مربان قلم سہوے رفتہ باشد قلم اصلاح دریغ ندارند'' حاصل کلام یہ

نکلتا ہے کہ مکتوبات کی حد تک کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ نیز اپنے اضافات میں مرتب نے اپنے مآخذ کو بھی بیان کر دیا ہے۔

اضافات کی فہرست جو خود مرتب نے تحریر کی ہے اس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

''خاتمہ مشتمل بہ اندراج سلاسل مشائخ واندراج آسامیٔ رواسنج برسبیل دوائر ملوک مجدول وتواریخ از زمان کیومرث تازمان خواجہ رشیدالدین کردہ....سلاسل اولیاء روزگار از خلفاء راشدین الیٰ یوم الآخر ساختہ ...تتمہ مشتمل بر بحر الانساب تکملہ بہ اسماء متبرکہ انبیاء مرسل اولوالعزم تا خاتم النبیین صلعم وذکر حکماء پیش از بعث علیہ السلام آسامی خلفاء الراشدین والتابعین وتبع التابعین وخلفاء بنوعباسیہ وبنوامیہ۔''

گویا اس اضافے کا زیادہ تر تعلق تاریخ انساب اور اسماء الرجال سے ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

سوانح کے ضمن میں خود مخدوم صاحب نور اللہ مرقدہ کی زندگی، سفر کے واقعات اور تصانیف کا ذکر خیر کچھ اس طرح آ گیا ہے کہ کتاب کب اور کن حالات میں لکھی گئی کچھ روشنی اس پر بھی پڑتی ہے۔ چنانچہ مرتّب نے لکھا ہے کہ ''فتاویٰ اشرفیہ میری درخواست پر تحریر کی گئی۔ مخدوم صاحبؒ کی تصانیف کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا گیا ہے:

''القصہ در ہر علم حضرت قدوۃ الکبریٰ را تالیفے است بخصیص درعلم تصوف۔''

اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی یہ پہلی مرتب سوانح ہے جسے آپ کے جانشین اول نے قلمبند کیا۔

کتاب کے آغاز میں ایک طویل نظم ہے جو سوزوگداز میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں مخدوم صاحبؒ کی جدائی کو درد بھرے انداز میں رقم کیا گیا ہے۔ اس کے تین اشعار قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کجا است تخت سلیمان کہ بر ہوا میرفت
نشان نہ ماند بعالم کلاہ دارا را
اگرچہ دین و دل و عمر صرفِ تو کردم
نہ قدر پیش تو شد این متاع اغلیٰ را
کنوں جانست بلب آرزوئے دیدار است
کہ دیدن تو کند دفع کہنہ غم ہا را

یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ[۱] جیسے سجادہ نشینوں کی ملکیت رہا ہے کیونکہ کتاب کے آخر میں تملیک کی جگہ یہ تحریر ملتی ہے'' مالک مکتوب شریف ہذا فقیر حقیر سید حسین ....آگے اسی قلم میں تحریر ہے کہ'' خطائے رفتہ درکتاب صحیح آنست کہ اوحد الدین اشرف بن ابراہیم، شاہ'' پھر مخدوم صاحبؒ کا پورا شجرہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے آگے پھر اسی قلم میں یہ تحریر ملتی ہے:''نسب نامہ حضرت قدوۃ الکبریٰ شاہ حاجی عبدالرزاقؒ اوراس ضمن میں ان کا مکمل شجرہ قلمبند کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ حسین تملیک میں جن کا ذکر آیا ہے، یہ حضرت شاہ عبدالرزاقؒ کے جانشین تھے۔ اغلب یہ ہے کہ آپ کی جانشینی کے بعد یہ گرانقدر مخطوطہ انہیں وراثت میں ملا ہوگا۔ اور اب بھی یہ سجادہ نشین کی ملکیت ہے۔ اگر یہ تخمینہ صحیح ہے تو اس مخطوطہ کی قدامت پانچسو سال سے زیادہ قرار پاتی ہے کیونکہ شاہ عبدالرزاق کا وصال ۸۷۲ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی شاہ حسینؒ جانشین قرار پائے۔ گویا یہ مجموعہ تین اکابر وقت کی بیش قیمت تحریر کا ایک دلکش مرقع ہے۔

مکتوبات پر محمد غوثی شطاری کا تبصرہ:

آپ کے مکتوبات بھی ہیں، جن میں در ویشی مسلک کی حقیقتیں اور دقیقے کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ عرفان کی کونسی ایسی گفتگو ہے اور ولولہ پیدا کرنے والی کونسی ایسی ہے جو ہر ایک مکتوب کی سطر سطر میں نہیں ہیں۔ خدا کرے یہ مکتوبات دوستوں کے مطالعہ سے گزریں۔[۴]

حوالے

۱۔اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار

۲۔اشرف سمنانی شمیم اشرف

۳۔بارہ مکتوبات، مطبع دبدبہ احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں طبع ہو چکے ہیں۔

۴۔اذکار ابرار، ترجمہ گلزار ابرار، لاہور، ص ۱۴۵

تصوف کے چند نادر مخطوطات

محمود حسن قیصر
مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

الثقافة الاسلامیه فی الهند، مولانا عبد الحئ حسنی ندوی کی ایک بڑی مفید، مشہور اور معلوماتی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے مختلف اسلامی علوم وفنون پر، جتنا مواد ان کو مل سکا ہے، مختلف عنوانات کے تحت اسے جمع کردیا ہے۔ اس میں انہوں نے صرف ہندوستانی علماء وفضلا کے کارناموں کو گنایا ہے۔ یعنی اسلامی اور دیگر علوم پر انہوں نے جتنے کام کیے ہیں مثلاً Astronomy، فلسفۂ ہیئت اور منطق اسی طرح تصوف کو بھی انہوں نے چار حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلا تصوف، دوسرا سلوک، پھر مکتوب اور ملفوظات پھر اذکار و مراقبات۔ اس طرح چار تقسیمیں کی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہندوستانی فضلاء نے اسلامی علوم وفنون پر کتنے کام کیے ہیں۔ لیکن اتنے وقیع کام کے باوجود بہت سارے مخطوطات ایسے ہین جن پر ان کی نظر نہیں پڑی ہے۔ میں ان میں سے نادر مخطوطات کا تعارف کراتا ہوں:

۱۔ شرح لوائح الاسرار: اصل کتاب مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جاری (متوفی ۸۹۸ھ) کی ہے۔ اس کا شارح ایک ہندی فاضل شیخ فضل اللہ ہے۔ نسخہ ۱۱۷۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

۲۔ رموزات: اس کے مؤلف شیخ عبدالجلیل بن عمر الصدیقی ہیں جن کا سنہ وفات ۱۰۱۰ھ ہے۔ نسخہ ۱۱۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے اور ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ سیر مقامات: یہ رسالہ بھی شیخ عبد الجلیل بن عمر الصدیقی ہی کی تالیف ہے جو چالیس اوراق پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد لائبریری میں اس کے دو نسخے ہیں۔ مؤلف الثقافة الاسلامیه فی الهند نے عبد الجلیل مذکور کی صرف ایک ''کتاب اسرار یہ'' کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ حقیقت حقیہ در تحقیق سخن بعض صوفیہ: یہ نظام الدین بن عبد الشکور عمری تھانیسری (متوفی ۱۰۲۴ھ/ ۱۶۱۵ء) کی تالیف ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۶ اوراق پر مشتمل ہے۔

۵۔ **مبلغ الرجال** : یہ نسخہ ۳۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کے مؤلف عبید اللہ بن خواجہ محمد باقی باللہ المعروف بہ خواجہ کلاں ہیں۔ جن کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی۔ خواجہ خورد انہیں کے چھوٹے بھائی تھے جن کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا یعنی ایک سال بعد۔ یہ نسخہ ۱۰۶۶ھ میں معنی مؤلف کی زندگی ہی میں لکھا گیا۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ میری نظر سے اب تک نہیں گذرا۔

۶۔ **حقیقت الحقایق**: اس کے مؤلف عبد الباقی بن عبد السلام بدخشی ہیں جو باقی باللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا ہے۔ یہ رسالہ وحدۃ الوجود کے بیان میں ہے جس میں مؤلف نے اپنے کسی مرید کو لفظ ''سید'' سے خطاب کرکے اس مسئلہ کی نہایت ہی خوبی سے وضاحت کی ہے۔ یہ نسخہ ۱۲۹۰ھ کا لکھا ہے اور ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو ''حقیقت تو بسوئے تو'' کے عنوان سے رجسٹر میں اندراج کردیا گیا ہے۔

۷۔ **ضیائے توحید شرح کلمہ توحید** : اس کے مؤلف محبّ اللہ بن مبارک الہ آبادی ہیں جن کا انتقال ۱۰۵۸ھ میں ہوا ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے پہلے ایک رسالہ ''کلمہ توحید'' عربی میں لکھا تھا۔ بعد میں ''ضیائے توحید'' کے نام سے فارسی میں اس کی شرح لکھی ہے۔ اس کا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے، جس کی لوح پر ہلکی پیلی روشنائی سے محبّ اللہ الہ آبادی لکھا ہوا ہے۔

۸۔ **شوارق المعرفت** : اس کے مؤلف شاہ ولی اللہ دہلوی بن عبد الرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں۔ یہ مخطوطہ مؤلف کے عم بزرگوار الشیخ ابوالرضا محمد (متوفی ۱۱۰۱ھ) کی سیرت وکرامات ومناقب کے بیان میں ہے۔ سنہ کتابت گرچہ درج نہیں ہے لیکن نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ **العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المدیہ** : یہ بھی شاہ ولی اللہ دہلوی کا رسالہ ہے۔ یہ شیخ محمد پھلتی کے تذکرے پر مشتمل ہے جن کا انتقال مؤلف کے قول کے مطابق ۱۱۲۵ھ میں ہوا ہے۔ ان کے حالات کے ذیل میں متعدد بزرگوں کا تذکرہ ضمناً آ گیا ہے۔

۱۰۔ **ملفوظات اخی جمشید راجگیری**: اس کا کوئی دوسرا نسخہ میری نظر سے اب

تک نہیں گذرا ہے۔ صاحب ملفوظات اخی جمشید نویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں تھے جن کا انتقال ۸۴۰ھ میں ہوا۔ شیخ جلال الدین حسین بخاری سے مدت تک انہوں نے کسب فیض کیا۔شیخ انہیں اخی جمشید کے نام سے پکارتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے مرتب انہیں کے ایک مرید یحیٰ ابن علی اصغر عثمان قنوجی ہیں۔ ملفوظات کی یہ جلد ۲۲۸اوراق پر مشتمل ہے۔

سوال وجواب:

ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی۔ مبلغ الرجال کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی موجود ہے۔ اکبر کے دور کی Religious Controversy کے وجودی، شہودی، اکبر کا اپنا دین الٰہی اور مہدوی تحریک اور اس کے اثرات، اس کے دربار پر جو پڑے، اس کے بارے میں سب سے پہلے اس مخطوطہ سے Information ملتی ہے۔ اور اس کے دنیا میں اب تک صرف دو نسخہ ہیں۔ اس دور میں جو مختلف مکاتیب فکر کے لوگ تھے ان کے بارے میں مواد ملتا ہے۔ میرا خیال ہے اس کتاب کی تصحیح ہوجائے تو مزید مفید ثابت ہوگی۔

☆

رامپور میں تصوف کے چند اہم مخطوطات

شعائر اللہ خاں، رامپور

یہ چند مخطوطات، جن کا میں تعارف کرارہاہوں، ان میں رہب الزبیراور وہب الجمال حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کے سلسلہ سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ کے آخری مشہور بزرگ حضرت حافظ شاہ جمال اللہ (م ۱۲۰۹ھ) رامپور میں آئے تھے۔

روہیل کھنڈ میں سلسلہ مجددیہ کی نشرواشاعت حافظ جمال اللہ کے ذریعہ کافی عمل میں آئی۔ حافظ جمال اللہ حضرت شاہ زبیر مجددی (م ۱۱۵۴ھ) کے خلیفہ سید قطب الدین محمد اشرف حیدر حسین (م ۱۱۶۸) سے بیعت تھے۔ ان کے دور تک سلسلہ مجددیہ کی فارسی میں یہ آخری کتب ملتی ہیں، جو سلیس فارسی میں ہیں اور اس پر ہندوی اثرات غالب ہیں۔ اس کے بعد اردو کا دور آتا ہے اور پھر سلسلۂ مجددیہ کی کوئی کتاب فارسی میں نہیں ملتی۔ ان کتب میں مجدد صاحب کی تعلیمات اور نظریات سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ وہب الزبے : مصنف قطب الدین محمد اشرف حیدر حسین بن سید عنایت اللہ سائز ۲۰×۳۲ ،صفحات ۵۴، سطور ۱۲ ، خط روشن نستعلیق میں ہے جس کے، کاتب رامپور کے مشہور زود نویس میاں جان خاں ہیں۔مصنف نے اپنے پیرو مرشد شاہ محمد زبیر مجددی کے نام پر اس کتاب کو معنون کیا ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۳۵۲ھ ہے۔

رامپور میں اس کے دو نامکمل نسخے ملتے ہیں، جو کتب خانہ جامع العلوم فرقانیہ میں موجود ہیں۔لیکن کاتبوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ یہ نسخے کیوں پورے نہیں لکھے گئے۔ اس کا ایک نسخہ مواہب محمد زبیر کے نام سے پاکستان میں بھی موجود ہے اور دو نسخے رضالائبریری، رامپور،میں محفوظ ہے۔ رضا لائبریری کے نسخۂ اوّل میں ۴۹ صفحات ہیں، سال کتابت نہیں ہے۔نسخۂ دوم کا سال کتابت ۱۱۷۴ھ ہے اور ۶۵ صفحات ہیں۔ خانقاہ منعمیہ، گیابہار، میں بھی ایک مکمل نسخہ موجود ہے۔

۲۔ رہب الجمال ،مصنف عبد الحمید قادری، سائز ۲۰×۳۲ ،صفحات ۳۴، کتابت روشن نستعلیق، سطور ۱۷ :سال کتابت ۱۳۵۳ ھ درج ہے جبکہ کاتب کا نام کاتب میاں خاں ہے۔ اس کتاب کے مصنف عبد الحمید حافظ شاہ جمال اللہ کے مرید ہیں اور انہیں کے نام پر اس کو معنون کیا گیا

ہے۔مصنف کا حال زیادہ نہیں ملتا سوائے اس کے کہ ان کی ایک کتاب ''نسخۂ اوراد'' ملتی ہے۔ جو ۲۰ ×۳۲ کے سائز میں ۴۸ صفحات پر محیط ہے، تعداد سطور ۱۸ ہیں۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد علی خاں اثر رامپوری نے کیا ہے، لیکن غیر مطبوعہ ہے۔ یہ ترجمہ ۱۴×۳۲ کے سائز میں ہے۔ اس کے ۴۳ صفحات ہیں اور سطور کی تعداد ۱۴ ہے کاتب کا نام عبد الواسع حنفی ہیں۔

۳۔ اسرار العاشقین: اس کے مصنف شاہ محمد سرور صدیقی ہیں، جو شیخ عبد الواحد کے برادر دینی ہیں۔ ۱۶ صفحات اور ۲۴ سطور کی کتابت ہے، جو خط نستعلیق میں ہے۔ اس کا سائز ۱۳ ×۲۱ ہے۔اس کے کاتب کرامت اللہ لکھنوی ہیں، جو محلّہ اکبری دروازہ میں رہتے تھے ۔ انہوں نے ۲۷ ربیع الاوّل ۱۱۶۱ھ کو اس کی کتابت کی ہے جو کہ احمد شاہ کے سنہ جلوس کا چھٹا سال ہے۔ یہ نسخہ رامپور کی خانقاہ زیارت خرما کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کے تنہا وارث محمود شاہ نسیم ہیں۔ فہرست عمومی کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آصفیہ میں بھی اس کا ایک نسخہ پایا جاتا ہے، لیکن انہوں نے مصنف کو فیروز صدیقی لکھا ہے جو کہ تحقیق کا متقاضی ہے۔

یہ نسخہ تصوف کے اسرار ورموز کا ایک نادر مرقع ہے جس کے مآخذ معتبر کتب پر مبنی ہیں، جو مصنف کے عمیق مطالعہ اور وسیع النظری کا بین ثبوت ہے۔

۴۔ تحفۃ القادریہ: حضرت شاہ ابو المعالی محمد مسلمی کی تالیف ہے جو ۱۴ ×۲۱ کے سائز میں ہے۔اس کے ۲۹ صفحات ہیں اور ۱۷ سطور کی کتابت خط پاکیزہ نستعلیق میں کی گئی ہے۔

اس کتاب میں حضرت قادریہ کے اوصاف حمیدہ معتبر کتب سے انتخاب کر کے لکھے گئے ہیں اور انہیں مختلف ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، جس میں چند مقامات پر منقبتی نظمیں ہیں جو مصنف کی اپنی ہیں۔منظومات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ابو المعالی شاعر بھی تھے اور مسلمیؔ تخلص کرتے تھے۔

کتاب کے ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاتب کا نام محمد اسلم ہے، جنہوں نے غلام محی الدین خاں جیو کی فرمائش پر ۱۶ رمضان ۱۱۴۱ھ کو اس کتاب کی کتابت مکمل کی ہے۔

یہ نسخہ بھی خانقاہ خرما رامپور کے ذخیرہ محمود شاہ میں پایا جاتا ہے ۔تصوف کی یہ مشہور کتاب ہے جس کی کافی نقلیں ہوئی ہیں۔ ان میں کتابت کی بہت سی غلطیاں راہ پا گئی ہیں اس لئے ایڈیٹنگ کے وقت مندرجہ ذیل نسخے نظر میں رکھے جائیں۔

۱۔نسخہ پھلواری شریف ۲۔نسخہ فرقانیہ رامپور ۳۔نسخہ شاہ ابو الخیر دہلی ۴۔نسخہ ظل الرحمٰن، علی گڑھ۔

۵۔در مجالس: جس کے مصنف سیف ظفر بخاری ہیں، جو ۲۴۸ صفحات پر مشتمل خط شکستہ میں لکھی گئی ہے۔اس کے کاتب منیر الحسن سہانپوری ہیں یہ کتاب کے ۲۳ ابواب میں آخری باب شیخ ابوسعید ابوالخیر کے تذکرے کے لئے وقف ہے۔

☆

سالار جنگ میوزیم میں

تصوف کے اُردو مخطوطات

ڈاکٹر سیدہ اصفیاء کوثر

تصوف نام ہے تزکیۂ نفس وتصفیۂ اخلاق کا۔حضرت رومی نے فرمایا نفس کا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر چھوڑ دینا ہی تصوف ہے۔''

تصوف اس ریاضت اور مجاہدات کا نام ہے جو قلب کے پردے ہٹادے اور حقائق کا انکشاف کرے۔تصوف کے اجزاء میں سے ایک اہم جز اسلام کی دینی وشعوری تالیف ہے۔اس کا مقصد اللہ کا تقرب اور اس آگ سے فرار ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

تصوف احسان یعنی اللہ کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرنا کہ وہ عبادت کرنے والا اسے سامنے دیکھ رہا ہے، اگر اتنا نہ ہوتو اسے یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔اگر ان تشریحات کو ایک جملے میں سمیٹ دیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ تصوف نام ہے اپنے وجود کو مکمل طور پر فنا فی اللہ کر دینے کا۔اسلام ایسے ہی وجود کو زندہ قرار دیتا ہے۔یہ زندگی، خوف خدا، احساس بندگی ، دنیاوی چیزوں سے بے نیازی ۔روحانی زندگی کا یہ وہ نمونہ تھا جس کا بہترین نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام کی حیاتِ گرامی تھی۔غرض اسلام کا اصل تصوف ، تصوف محمدی ہے۔یہی وہ چیز ہے کہ جس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے۔اسلام کا تصوف ، صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور اسی سے مستعار ہے۔تصوف حقیقت تک پہنچنے کا ایک خالص طریقہ اور خاص راہ ہے۔

تصوف کوئی خاص علمی ،نظری یا فکری چیز نہیں۔اس کا تعلق عمل سے ہے اور اس کا تعلق حقائق روحانیہ کے احساس اور ان کی آگاہی سے ہے۔معرفت یا علم روحانی اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی وجد آفرین مقامات سے گذرے، کیوں کہ روحانی تجربات میں آدمی پہلے تجربے سے گذرتا ہے اور پھر اس کے بارے میں جانتا ہے ۔کوئی شخص خواہ اس نے تصوف کے بارے میں کتنا ہی کیوں نہ پڑھا ہو،صوفی نہیں کہلاتا۔

اسلام میں انبیاء ومرسلین کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے لیکن قرآن میں صدیقین وشہداء وصالحین کا بھی مقام ہے۔ صدیقین وہ ہیں جن کے صدق ویقین کی مثال نہیں ملتی۔ شہدا وہ امتی ہیں جنہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اپنی جان کو قربان کردیا۔ صالحین وہ لوگ ہیں جو یقین کے ساتھ شریعت کے پابند تھے اور رہیں گے۔ جو لوگ اللہ کی معرفت میں لگے رہے انہیں صوفیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

عالم بھی علم دین اس لئے حاصل کرتا ہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرسکے۔ اس لئے اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اور صوفی وہ ہے جو علم معرفت کے اکتساب کی طرف بڑھتا ہے۔

لفظ صوفی کی ان گنت تشریحات ہیں، لیکن جس نے صوفی کا لفظ سب سے پہلے استعمال فرمایا وہ حضرت حسن بصریؒ ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلے ابو ہاشم کو صوفی کا لقب دیا گیا تھا۔

الٰہی اور حب رسول کے لئے عوام الناس کو یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی حقیقت عالم کی حقیقت، حقیقت محمدی اور حقیقت حق کیا ہے؟

تصوف کی نگاہ ونظر کسی عمل کے ظاہر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ عمل کی ظاہری صورت سے بڑھ کر عمل کی روح پیدا کرنے تک ہوتی ہے اور جب تک یہ روح پیدا نہ ہو اس کا عمل پیہم ہوتا ہے، تب کثرت عمل سے عمل کی روح پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً ذکر کلمہ طیبہ ہو یا نماز، روزہ، زکوٰۃ، وحج۔ جب تک اس کو اس میں خدائی جلوہ نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے عمل کو ناقص خیال کرکے بار بار دہرانا چاہتا ہے۔ اس کو اس وقت تسکین ہوتی ہے جب وہ اللہ کا قرب محسوس کرلیتا ہے۔

قلبی عبادتوں میں بزرگوں نے مجاہدات کو اہمیت دی ہے، جس میں توبہ، زہد، توکل، قناعت اور عزلت کی اہمیت کو سراہا گیا ہے تاکہ روحی عبادت کی جستجو ہو۔

کتب خانہ سالار جنگ میوزیم کے شعبہ مخطوطات میں موجود تصوف کے جملہ ۴۹۰ نسخے ہیں، ان میں اردو کے ۱۷۵، فارسی زبان کے ۲۵۵ اور عربی زبان کے ۶۰ مخطوطات موجود ہیں۔ اس مقالے میں اردو کے چند دکنی اہم مخطوطات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

تلاوت الوجود: اس کتب خانے کا ایک قلمی نسخہ ''نسخہ تلاوت الوجود'' جس کے مصنف (تاریخ تصنیف ۸۲۵ھ) سید محمد حسینی گیسودراز تاریخ تصنیف ۸۲۵ھ دکن میں آئے۔ آپ کے والد

شاہ یوسف راجو حسینی تھے ۔خواجہ گیسودراز حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے اور سلطان فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ شریف لائے ۔سلوک اور باطن کی تعلیم اور اصلاح مسلمانان کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ اپنے مریدوں اور معتقدین کو نماز ظہر کے بعد تعلیم دیا کرتے تھے ۔اس تعلیم میں تصوف،تفسیر، حدیث اورفقہ کے ساتھ علم کلام میں بھی سبق دیا کرتے تھے۔آپ کے باطنی جو ہر تصوف اور کرامات وملفوظات کے متعلق کئی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔خواجہ صاحب عربی وفارسی کے علاوہ دکنی میں درس دیا کرتے تھے اور کتابیں تصنیف فرماتے تھے۔ چنانچہ آج سے پہلے معراج العاشقین اور ہدایت نامہ بارہ ماسہ کا تذکرہ مورخین ادب نے کیا ہے۔سالار جنگ میوزیم لائبریری میں خواجہ بندہ نواز کی تلاوت الوجود اور شکار نامہ موجود ہیں۔خواجہ صاحب کا انتقال ۸۲۵ھ میں ہوا۔آپ کا مزار گلبرگہ میں زیارت گاہ عام وخاص ہے۔ ۱۷ ذیقعدہ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

''تلاوت الوجود'' تصوف کا رسالہ ہے اس میں خدا کے دیدار، خدا کی صفت وغیرہ کو بہ طور سوال وجواب لکھا گیا ہے۔

اس مخطوطے کا نمبر ۲۹ ہے۔ اس میں چھ اوراق ہیں اور ہر ورق پر پندرہ سطریں۔ اس کا سائز ۱۱.۵×۴ سینٹی میٹر ہے، جو خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔دوسرا نسخہ جس کا نمبر ۳۰ ہے اس میں گیارہ اوراق ہیں اور ہر ورق پر اکیس سطریں ہیں۔ سائز ۷×۴ سینٹی میٹر ہے۔ جو خط نستعلیق میں دیسی کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔تیسرا نسخہ جس کا نمبر ۹۰ اور اوراق بارہ سطری ہے، خط شکستہ میں دیسی کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔

شکارنامہ: اس مخطوطہ کا نمبر ۱۳۴ ہے، جو ۵ ورق پر مشتمل ہے، جس میں ۱۳ سطریں ہیں۔نسخہ خط ثلث میں دیسی کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ مصنف محمد گیسودراز ہیں اور تاریخ تصنیف معلل ۸۲۵ھ ہے۔

سب رس : اس مخطوطے کے مصنف ''میراں جی شمس العشاق'' ہیں تاریخ تصنیف قبل ۹۰۲ھ ہے اور کتابت ۱۰۱۱ھ کی ہے۔

میراں جی شمس العشاق بیجا پور کے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔آپ خواجہ بیابانی کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔شاہ حسین ذوقی نے شمس العشاق سے تاریخ وفات نکالی ۔آپ کے کئی تصانیف ہیں جو آپ نے اپنے مریدوں اور معتقدین کے لئے

تصنیف فرمائی ہیں، جن میں بعض یہ ہیں:

(۱) خوش نامہ (۲) خوش نغز (۳) بشارت الذکر (۴) سب رس (۵) شرح مرغوب القلوب۔

شاہ میراں نے مدینہ میں بارہ سال تک اقامت کی۔ واپسی کے بعد شہر بیجاپور کے باہر اقامت کی اور شاہ کمال الدین کے جو حضرت بندہ نواز گیسودراز کے خلفیہ تھے، مرید ہوئے۔

کلام میراں جی خواجہ شمس العشاق شاہ وجہہ الدین برہان دکھنی ترجمہ نمودہ اندو سب رس نام کردہ اس سے واضح ہے۔ شاہ وجہہ الدین کی کتاب کا ترجمہ میراں جی شمس العشاق نے فرمایا ہے۔ یہ تصوف کی کتاب ہے۔ اس میں تصوف کے بیسیوں مسائل اور اسرار کا بیان ہے۔ طالب کو مخاطب کرکے جوابات دیئے گئے ہیں۔ زیادہ تر عشق الٰہی کا بیان ہے جسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

بشارت الذکر: کتاب نمبر ۰۹، ورق ۰۳ اور ہر ورق پر ۱۳ سطریں ہیں جو خط نستعلیق میں لکھی گئی ہیں۔ مصنف شاہ میراں جی شمس العشاق (تاریخ تصنیف قبل ۲۰۹ھ) اس رسالہ میں تصوف کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواہر اسرار اللہ: یہ ایک اہم مخطوطہ ہے جس کے مصنف شاہ علی محمد گام ہیں تاریخ قبل ۹۷۳ھ کی ہے اور کتابت ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ شاہ علی محمد گام دھنی گجرات کے متوطن تھے۔ گام دھنی یعنی گاؤں کا مالک آپ کا لقب تھا۔ شاہ علی محمد معشوق اللہ کے لقب سے بھی موسوم ہیں۔ آپ کے والد کا نام شاہ ابراہیم جان تھا۔ آپ اپنے وقت کے ایک بڑے صوفی بزرگ تھے۔ تمام گجرات آپ کا معتقد تھا۔ جواہر اسرار اللہ آپ کا دیوان ہے جو حالت وجد اور جذبہ کے زمانہ میں مرتب ہوا یعنی جو اشعار آپ کی زبان سے نکلتے تھے ان کو جمع کرلیا گیا۔

آپ کے دیوان'' جواہر اسرار اللہ'' کو اولاً آپ کے مرید شاہ ابوالحسن نے مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے پوتے شاہ ابراہیم نے اضافہ کے ساتھ مرتب کیا۔ اس مخطوطے کا نمبر ۳۱ ہے۔ یہ جو ۹۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر ورق پر ۱۴ سطریں ہیں۔ مخطوطہ خط نستعلیق میں لکھا ہے۔ اس مخطوطے کے دو نسخے ہیں جس کے نمبرات ۳۲ اور ۳۳ ہیں۔ ایک خط نستعلیق اور ایک خط ثلث میں لکھا گیا ہے۔

شمائل الاتقیاء: ایک اور قلمی نسخہ ''شمائل الاتقیاء'' مصنف میراں یعقوب کا ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف ۱۰۸۷ھ ہے۔نسخہ اس کتب خانہ میں موجود ہے۔

میراں جی یعقوب قطب شاہی دور کے ایک صوفی بزرگ تھے۔ سید مراں جی حسینی چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے۔سید میراں حسینی خدانما کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔سید میراں حسینی کے فرزند کا نام سید امین الدین چشتی تھا جو اپنے باپ کے بعد ۱۰۷۰ھ میں جانشین بنے تھے۔ ان کی فرمائش پر میراں یعقوب نے اس کتاب کو تالیف کیا تھا۔ در اصل یہ ترجمہ ہے جو اسی نام کی کتاب سے کیا گیا ہے۔ ان کا انتقال غالبًا ۱۱۰۰ھ کے اوائل میں ہوا۔ اس کتاب کی ابتداء حمد و ثنا اتقیاء اصفیاء سے کی گئی ہے اور پھر طریقت اور حقیقت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ خدا کی ذات اور صفات کا بھی بیان ہے۔ آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور صفات کا بیان ہے۔

اس مخطوطے کے دو نسخے گورنمنٹ آندھراپردیش اورنٹل لائبریری میں موجود ہیں۔ اس مخطوطے کا نمبر ۱۳۵ ہے اور اوراق ۴۵۵ ہیں اور ہر ورق پر ۱۹ سطریں ہیں جو خط ثلث میں لکھی گئی ہیں۔

شرح شرح تمہید عین القضات : ایک مخطوطہ'' شرح شرح تمہید عین القضات'' میراں جی خدا نما ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف ۱۰۶۲ھ ہے ۔شاہ میراں جی خدانما گولکنڈہ کے صوفی وبزرگ تھے جو سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں موجود اور سرکاری ملازم تھے۔حکومت کے کام پر بیجاپور روانہ ہوگئے۔ وہاں حضرت امین الدین کے مرید ہو کر فیض باطنی حاصل کیے۔ کہتے ہیں کہ ایک صحبت میں کئی مدارج طے کر لیے اور حیدر آباد واپس آ کر مسند ہدایت پر بیٹھے اور خلق اللہ کی ہدایت شروع کی۔ ۱۰۷۰ھ میں آپ کا انتقال حیدر آباد کا رواں ساہواں میں ہوا۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے۔آپ نے کئی دکنی کتابیں قلم بند فرمائیں جس میں ایک شرح ،شرح تمہید ترجمہ عین القضات ہے۔ آپ کا تذکرہ ''اردو شہ پارے''،'' دکن میں اردو'' اور ''تذکرہ اولیاء دکن'' میں ہے۔مخطوطہ کا نمبر ۱۳۲ ہے۔اس میں ۲۱۵ صفحات ہیں اور ہر ورق پر ۱۲ سطر ہیں یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ اس کتب خانے میں دو نسخے موجود ہیں اور آندھراپردیش اورینٹل لائبریری بھی ایک نسخہ موجود ہے۔

ارشاد نامہ : ایک قلمی نسخہ ''ارشاد نامہ'' ہے۔ اس کے مصنف برہان الدین جانم ہیں تاریخ تصنیف قبل ۹۹۱ھ۔کی ہے۔آپ کی متعدد تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) سکھ

سہیلا (۲) وصیت الھادی (۳) منفعت الایمان (۴) جنت البقاء (۵) بشارت الذکر (۶) نسیم الکلام اور (۷) رموز الواصلین وغیرہ جونظم ونثر میں ہیں۔ ان سب میں تصوف کے اسرار اور رمز وغیرہ کا بیان ہے۔ تذکرہ اولیاء دکن ، اردو شہ پارے ، دکن میں اردو میں آپ کا تذکرہ ہے۔ارشاد نامہ کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

ارشاد نامہ شریعت کا
اس میں فیض ہے رحمت کا
جس کو دیوے، پاوے راہ
کہا یھدہ من یشاء

بسم اللہ یعنی شروع کرتا ہوں میں اس کلام کوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نانوں سوٗ'

ارشاد نامہ کی ابتداء میں چند شعر ہیں مگر پوری کتاب نثر میں ہے جس میں تصوف کے اسرار ومسائل کا ذکر ہے۔ اس مخطوطے کا نمبر ۵. اوراق ۹ اور ہر اوراق پر ۱۷ سطریں ہیں جسے خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔

من لگن: ایک قلمی کتاب ''من لگن'' ہے۔ اس کے جس کا مصنف قاضی بحری ہیں۔تاریخ تصنیف ۱۱۱۲ھ ہے۔قاضی محمود بحری گوگی کے متوطن تھے، یہ موضع شہر گلبرگہ کے قریب ہے۔ یہ کتاب مثنوی تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں حمد ونعت،منقبت ،معراج کا حال ، عالمگیر کی ستائش کے بعد سبب تالیف کا عنوان ہے۔ پھر حکایت روز گار کے نام سے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے۔ اس کے بعد نفس مضمون شروع ہوتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ تصوف کی پہلی منزل تزکیہ اخلاق ہے۔ اچھے اخلاق اختیار کرنا چاہئے اور برائی سے دور رہنا دل کو پاک کرنا ضروری ہے۔''من لگن'' شائع ہوگئی ہے۔ آندھراپردیش اورینٹل لائبریری میں اس کتاب کے پانچ نسخے ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں ایک اور ادارہ ادبیات اردو میں ایک نسخہ ہے ۔ سالار جنگ میوزیم میں اس کے چار نسخے ہیں۔ تین کے نمبرات ۱۴۶۔ ۱۶۵۔۱۶۶ ہیں۔ اس مخطوطے کا نمبر ۱۶۳ ہے ۔ جو کے ۸۳ اوراق پر مشتمل ہے ہرورق پر ۱۱ سطریں ہیں جو خط نستعلیق میں ہیں۔

خزانہ معرفت: ایک اور قلمی نسخہ: ''خزانہ معرفت'' ہے مصنف شاہ محمد کے نام سے کئی

بزرگ گذرے ہیں ۔ ایک وہ تھے جو ''نوردریا'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ تصوف کی مثنوی ہے اس میں حمد ونعت کے بعد اپنے مرشد اور باپ میراں صاحب کی منقبت ہے۔کئی عنوانات کے تحت بیان ہوا ہے۔بعض عنوان یہ ہیں (۱) مریدوں کو تعلیم دینا (۲) حدیث کی سماعت واحادیث نبوی وغیرہ۔ اس مخطوطے کا نمبر ۴۰ ہے، اوراق ۱۲۴ ہیں جبکہ ہر ورق پر ۱۳ سطریں ہیں۔نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، جس کی تاریخ تصنیف ۱۱۱۵ھ ہے۔

مثنوی ظہور کلی: یہ ایک قلمی کتاب ہے جس کے مصنف تراب علی شاہ تراب ہیں۔ تاریخ تصنیف ۱۱۷۱ھ تحریر ہے۔ وہ صوفی اور شاعر بھی تھے۔آپ آصفی دور میں دکن میں رہا کرتے تھے ۔ یہ تصوف کی کتاب ہے اس میں ۳۲ باب ہیں۔جن میں تصوف اور اخلاق کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔نفس حیوانی نفس انسانی ، حواس ظاہری ،غضب شہوت ،عقل نظری وعملی ،عناصر خمسہ شیخ کامل وناقص وغیرہ امور کو ابواب میں بیان کیا گیا۔

اس مخطوطے کا نمبر ۱۵۶ ہے جواور یہ ۸۱ اوراق پر مشتمل ہے ہر ورق پر ۱۵ سطر ہیں جسے خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔

☆

محبت ہی تصوف ہے

پروفیسر شریف حسین قاسمی

حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش نے تصوف کے مختلف امور پر اپنی بنیادی کتاب' کشف المحجوب' میں تصوف کے بارے میں مختلف عرفاء کے عقاید ونظریات سے بحث کی ہے۔ اس میں ایک باب عشق ومحبت کے بارے میں بھی موجود ہے۔ تصوف کی جو توجیہات اور تعریفیں اس کتاب میں نظر آتی ہیں ان کا اگر خلاصہ کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ محبت ہی تصوف ہے۔[۱] کس سے محبت ؟ محبت خالق کائنات سے، محبت اس کی مخلوق سے (انسان دوستی اسی کا ایک حصہ ہے) اور یہی اصل تصوف ہے۔ تصوف کے بارے میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ صوفیاء کے تذکرے، عرفاء کے ملفوظات، عرفاں پر نظریاتی مباحث اور اس کا عملی پہلو۔ ان تمام امور پر اہم کتابیں محفوظ ہیں۔ ان کا مطالعہ کیجئے تو پتا چلتا ہے کہ ہمارے عرفاء نے اس کائنات کے خالق سے ٹوٹ کے محبت کی۔ اس کے عرفان کے لئے، اس تک پہنچنے کے لئے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کی شریعت نے کسی نہ کسی انداز سے اجازت دی ہے، اسی طرح ہمارے صوفیاء نے خدا کی مخلوق سے بھی والہانہ محبت کی اور اسے عرفان الٰہی کے لئے ایک بنیادی ذریعہ سمجھا۔

عرفاء نے خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنے، اس کے بارے میں جاننے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جس جس انداز اور طریقوں سے اس کی عبادت اور ریاضت کی ہے، وہ خدا سے ان کی بے پناہ محبت کا بین ثبوت ہے۔

نمازیں پڑھنا، وظائف پڑھنا اور روزے رکھنا، کلام اللہ کی تلاوت کرنا، یہ سب ان کے معمولات میں شامل تھا۔ ان کاموں اور عبادتوں میں ان کا غلو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ تو عام نوعیت کی عبادات ہیں جو صوفیاء کی زندگی کا معمول رہی ہیں۔ خدا تک رسائی کے لئے بعض عرفائنے ایسی عبادتیں بھی کی ہیں جن کی مشکل ہی سے مثال ملتی ہے۔

ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اپنے مرید وخلیفہ شیخ فرید الدین گنج شکر کو چلہ معکوس کا حکم دیا۔ یہ نہایت مشکل عبادت اور انوکھا مجاہدہ ہے۔ یہ سن کر بابا فرید نے خود کو اس مجاہدے کے لئے تیار کیا۔ لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ چلہ معکوس ہوتا کیا ہے آپ شیخ بدر الدین غزنوی

کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت مرشد نے مجھے چلہ معکوس کا حکم دیا ہے، مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ چنانچہ شیخ بدر الدین غزنوی نے حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے چلہ معکوس کی کیفیت پوچھی۔ شیخ نے جواب دیا کہ چلہ معکوس یہ ہے کہ چالیس روز یا چالیس راتیں پاؤں میں رسی باندھ کر اور کنویں میں الٹا لٹک کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرے۔ حضرت بابا نے اُچھ کی مسجدِ حاج میں وہاں کے موذّن خواجہ رشید الدین مینائی کی مدد سے یہ عبادت بھی انجام دی۔[۲]

نماز معکوس کے بارے میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے تھے کہ شیخ ابوسعید ابو الخیر (جو ایران کے ایک معروف صوفی ہیں) کہا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچا ہے، میں نے وہی کیا ہے۔ یہاں تک کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ ایک وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز معکوس بھی پڑھی تھی تو میں بھی گیا اور اپنے پاؤں کو رسی میں باندھ کر اور کنویں میں سرنگوں ہو کر، نماز معکوس ادا کی۔[۳]

یہاں یہ عرض کر دیا جائے کہ شیخ ابوسعید ابو الخیر ہندوستانی مشائخ چشت میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے ہیں اور ان کی تعلیمات کا اثر چشتی دبستان تصوف پر بڑا گہرا رہا ہے۔

خدا سے انتہائی محبت اور اس کی یاد میں استغراق کا ایک واقعہ اور سن لیجئے:

خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ذکر الٰہی میں مشغولیت کی جو علامت ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے سونا چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ آپ کبھی بھی بستر نہ بچھاتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں نیند زیادہ غالب آجاتی تو کچھ دیر سو رہتے تھے، لیکن آخر میں یہ نیند بھی بیداری سے بدل گئی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ذرا سی دیر بھی سو لیتا ہوں تو تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ شغل حق کا ذوق اس حد تک پہنچ چکا تھا اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی آپ کی زیارت کے لئے آتا تو اس کو دیر تک انتظار کرنا پڑتا تھا، یہاں تک کہ آپ ہوش میں آتے، آنے والے سے گفتگو کرتے پھر معذرت کر کے اسے رخصت کر دیتے اور دوبارہ ذکر حق میں مشغول ہو جاتے تھے۔[۴]

حضرت محبوب الٰہی نے اسی استغراق کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ خواجہ بختیار کاکی کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ لوگ اسے دفن کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں واپس آئے تو بچے کی والدہ کے رونے کی آواز حضرت خواجہ کے کانوں میں پڑی۔ آپ نے دریافت کیا

کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے۔ آپ کو بچے کی وفات کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے اظہار افسوس کیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ افسوس کیسا؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے اب یاد آتا ہے کہ میں نے کیوں اس بچے کی بقا کے لئے خدا سے التجا نہیں کی۔ اگر میں التجا کرتا تو ضرور اپنی مراد پالیتا۵ یہ تھا خدا کی یاد میں استغراق کا عالم کہ بیٹے کی زندگی اور موت کی بھی خبر نہ تھی۔

خدا سے اس نوعیت کی محبت ، اس کا عرفان حاصل کرنے کے لئے عبادات ، ریاضت اور مجاہدے ، ان کا اثر خودصوفی پر کیا ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے۔

خواجہ وقطب الدین بختیار کاکی پر ایک مجلس سماع میں اس شعر پر وجد طاری ہوا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانی دیگر است

اسی تحریر ووجد کے عالم میں آپ کو خانقاہ سے گھرلایا گیا۔ آپ چار روز وشب اسی عالم میں رہے اور پانچویں شب میں آپ نے رحلت کی۔ رحلت سے قبل آپ کو ایک حاذق طبیب کو جس کا لقب شمس الدین دلیل تھا، دکھایا گیا۔ طبیب نے آپ کا معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ یہ علامت اس مرض کی ہے جس نے آپ کو آتش محبت میں جلالیا ہے اور جس کا جگر پگھل گیا ہے۔۶ ایسا ہوتا ہے سچی محبت کا اثر محبّ صادق پر۔ مشایخ نے جس طرح خالق کائنات سے ٹوٹ کر محبت کی اسی انداز سے انہوں نے خدا کی مخلوق کے ساتھ بھی شدید محبت کا برتاؤ کیا۔ خدا کی مخلوق میں انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے ۔صوفیائے کرام نے انسانوں سے دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ رنگ ،نسل ، مذہب اور دیگر امتیازات کونظر انداز کیا اور تمام انسانوں سے محبت کی، ان کی بہبودی کے لئے پیہم جستجو کی ، ان کا دل رکھنے کے لئے خود بہت کچھ برداشت کیا تا کہ دوسروں کو اطمینان حاصل ہو، ان کا دل نہ دکھے ، وہ خوش رہیں اسی کو حج اکبر سمجھا۔

دل بہ دست آور کہ حج اکبر است

صوفیائے کرام کی زندگی اور تعلیمات پر نگاہ ڈالیے تو ایسے بے شمار واقعات نظر آتے ہیں جن سے مشایخ کی انسان دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ واقعات اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ صوفیا نے سماج میں ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں تمام انسان بلا امتیاز مذہب وملت صلح وآشتی سے زندگی بسر کرسکیں۔ سعدی نے اس کی بڑی حقیقت افروز توجیح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

بنی آدم اعضای یکدیگرند کہ در آفرینش زیک گوہر ند

چو عضو ی بدرد آورد روزگار دگر عضو ھا را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بی غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی ے

یہ آدم کی اولاد ، انسانی جسم کے مختلف اعضا اور حصّوں کی مانند ہیں۔ ان کی پیدائش بھی ایک ہی انداز سے عمل میں آئی ہے۔ جس طرح جسم کا ایک حصّہ اگر تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرے حصے، جنہیں بہ ظاہر کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی، دردمحسوس کرتے ہیں۔ اے انسان ! اگر تو دوسروں کی تکلیف سے لاپرواہ ہے، دوسروں کے غم تجھے غمگین نہیں کرتے ، تو مناسب نہیں کہ تجھے آدمی اور انسان کہا جائے۔

یہ ہے انسان دوستی کہ جس کی تبلیغ صوفیائے کرام نے کی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے ایک بار عبادت کی دوقسموں کا ذکر کیا ۔ ایک لازمی عبادت اور دوسری متعدی عبادت ۔ لازمی عبادت نماز ہے، روزہ ہے، ذکات وغیرہ ہے۔ جو یہ عبادتیں کرتا ہے اسی کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے برخلاف متعدی عبادت خدمت خلق ہے۔ اس کا ثواب تو ملتا ہے لیکن دوسروں کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے اور اس کا ثواب زیادہ ہے۔

خدمت خلق کا یہی تصور تھا کہ جس کی وجہ سے ایران میں پانچویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی ابوالحسن خرقانی نے اپنی خانقاہ کے دروازہ پرلکھوادیا تھا کہ : ہر کہ در این سرا در آید ، نانش دہید واز ایمانش مپرسید، چہ آن کس کہ بہ درگاہ باری تعالیٰ بہ جان ارزد، البتہ برخوان ابوالحسن بہ نان ارزد ۸

اس سرائے کے دروازے پر جو بھی آئے ، اس کے مذہب کے بارے میں دریافت کیے بغیر اسے کھانا پیش کیاجائے، اس لیے کہ جو باری تعالیٰ کی نظر میں اس لائق ہے کہ اسے زندگی عطا کی جائے، وہ البتہ ابوالحسن کے دسترخوان پر کھانے کا مستحق ہے۔

قرآن کریم میں خدا کے اس حکم ''لااکراہ فی الدین '' دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں اور ''لکم دینکم ولی دین ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین کی عملی صراحت اسے بہتر اور کیا ہوسکتی ہے؟

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئیے کہ مشائخ نے دوسرے مشائخ کی تصانیف اور ان کی تعلیمات پر نگاہ رکھی ہے، ان کا مطالعہ کیا ہے اور بہ وقت ضرورت ان سے نقل واقتباس بھی کیا ہے۔

ابوالحسن خرقانی کا جو قول ابھی نقل کیا ہے، اسے ذہن میں رکھیے اور پھر آٹھویں صدی ہجری کے شیخ جمال الدین احمد کھٹو کے اس ارشاد عالی کو دہرائیے کہ: زنہار طعام از گبرو مسلمان دریغ مدارید ودر ایثار آن تاتوانید دست بازنکشید وخلق را محفوظ دارید۹ (وہ گبر ہو یا مسلمان، انہیں کھانا کھلانے سے کبھی دریغ نہ کریں اور جہاں تک ہوسکے مذہب کا خیال کیے بغیر سب کو کھانا پیش کرنے میں ہاتھ نہ روکیں اور مخلوق خدا کی حفاظت کریں۔

شیخ جمال الدین احمد کھٹو بابا اسحاق مغربی کے خلیفہ ارشد اور گجرات کے معروف عارف ہیں جن کے احوال اور تعلیمات مرقات الرسولؐ میں محفوظ ہیں۔

جس کا خمیر ہی محبت سے اٹھا ہو، جو سرتاپا محبت ہو، اس سے درشتی اور غیض وغضب کوسوں دور ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کی سختی اور حتیٰ کہ بے ادبی کا بھی محبت سے جواب دیتا ہے۔ انہی شیخ جمال الدین احمد کھٹو نے ایک بار فرمایا کہ میں نے قدیم مشائخ کے بارے میں یہ حکایت پڑھی ہے کہ ان کے ہمسایہ میں ایک ناجنس رہتا تھا۔ اس نے کبوتر پال رکھے تھے جو اس دیوار پر بیٹھتے تھے جو خود شیخ صاحب اور اس کے گھر کے درمیان واقع تھی۔ جب وہ کبوتر اڑانا چاہتا تھا تو دیوار پر بیٹھے کبوتروں پر پتھر مارتا اور وہ پتھر خانقاہ کے صحن میں آگرتا تھا۔ خانقاہ میں موجود درویشوں کو اس پتھر سے چوٹ لگتی۔ اس لیے وہ اس صورت حال سے پریشان اور دکھی تھے۔ ایک روز اس نے پتھر اٹھایا اور کبوتروں پر مارا۔ وہ پتھر شیخ صاحب کے سر پر لگا اور ان کا سر پھوٹ گیا۔ مریدوں نے خیال کیا کہ اب ہمارے شیخ اس کبوتر باز کے حق میں یا تو بدعا کریں گے اور یا حاکم وقت سے اس کی شکایت کریں گے۔ اس اثنا میں انہوں نے ایک درویش کو بلایا، اسے چند دام دیئے اور کہا: جاؤ بازار سے ایک لمبا بانس خرید کر لاؤ۔ وہ بانس لے آیا۔ آپ نے پھر فرمایا: اب یہ بانس ہمسایہ کو لے جاکر دیدو اور کہو کہ آئندہ سے وہ اس بانس سے کبوتر اڑائے۔ درویش ہمسایے کے پاس وہ بانس لے گیا اور جو کچھ شیخ صاحب نے فرمایا تھا وہ اس کے سامنے دہرایا۔ وہ کبوتر اڑانے والا ہمسایہ اپنی نازیبا حرکت پر شرمندہ ہوا، توبہ کی اور شیخ صاحب کے مخلص مریدوں میں شامل ہوگیا۔۱۰

صوفیائے کرام کی نگاہ میں خدمت خلق اور انسان دوستی کا کیا درجہ تھا، اس کے بارے میں ایک واقعہ اور سن لیجئے۔ یہ گجرات ہی سے متعلق ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ایک بار ایک درویش کے بارے میں فرمایا کہ وہ گجرات گیا تھا۔ اس نے یہ حکایت بیان کی۔:

''میں جب گجرات میں تھا تو وہاں میں نے ایک واصل باللہ اور صاحب کشف دیوانے کو دیکھا۔ وہ دیوانہ اور میں ایک ہی گھر میں مقیم تھے اور ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔ ایک بار میں حوض پر گیا جس کی حفاظت کی جاتی تھی ۔کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اس میں پیر ڈال سکے۔حوض پر متعین نگہبان سے میری دوستی تھی۔ اس نے مجھے اجازت دیدی کہ میں وضو کرلوں ۔ وہاں کچھ عورتیں آ گئیں ۔ وہ مٹکوں میں پانی بھر کر لے جانا چاہتی تھیں،لیکن چوکیدار نے انہیں اجازت نہیں دی۔ ایک بوڑھی عورت نے درویش سے کہا کہ وہ اس کا مٹکا پانی سے بھردے۔ درویش نے مٹکا بھردیا۔ اور اس طرح دوسری عورتوں کے مٹکے بھی اس درویش نے بھر دیئے۔ وہ چلی گئیں۔ درویش وضو کرنے کے بعد اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا۔نماز کا وقت تھا۔ اس نے بہ آواز بلند تکبیر کہی۔ دیوانہ، جو سو رہا تھا ،تکبیر کی آواز سے بیدار ہوگیا اور درویش سے کہا: یہ کیا شور مچا رکھا ہے، کام تو وہی تھا کہ جو تونے ان عورتوں کے مٹکے پانی سے بھرے تھے۔ ۱۱ یعنی دوسروں کے کام آنا مخلوق خدا کی دستگیری کرنا عبادت سے کم نہیں ۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے یہ واقعہ ۱۴ ۷ ر میں بیان کیا تھا جب گجرات پر خلجی بادشاہوں کی حکومت تھی۔

یہ اور ایسے ہی دیگر بے شمار واقعات اور حکایات تصوف سے متعلق کتابوں میں نظر آتے ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا سے سچی محبت کے بغیر عبادت بے معنی اور خدا کی مخلوق سے خلوص محبت بغیر تصوف ادھورا ہے۔

حوالے:

۱۔کشف المحجوب ، شیخ علی ہجویری ، اردو ترجمہ وقار علی بن مختار علی، مکتبہ تھانوی ، دیوبند ، یوپی ص ۳۵، ۳۷۳

۲۔سیر الاولیاء ، امر خورد کرمانی ، اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی ، مرکزی اردو بورڈ ، لاہور، ۱۹۸۰،ص ۱۶۱

۳۔ ایضاً ،ص ۱۶۲ ۴۔ ایضاً ،ص ۱۳۳ ۵۔ ایضاً ،ص ۱۳۳ ۶۔ سیر الاولیاء ،ص ۱۴۳

۷۔ یہ اشعار سعدی کی گلستان سے ماخوذ ہیں۔

۸۔نور العلوم از شیخ ابو الحسن خرقانی ، انتشارات کتابخانۂ بہجت ،تہران، ۱۳۶۳،

۹۔ثمرات القدس من شجرات الانس، میرزا لعل بیگ لعلی بدخشی ،تہران، ۱۳۷۶،ص ۸۸۰

۱۰۔ ایضاً ،ص ۹۸۳ ۱۱۔فوائد الفواد، حسن سنجری ،تہران، ۱۳۷۷،ص ۲۰۹

(بقیہ: حوالے، ارشاد الطالبین)

حوالے:

۱۔دو یونیورسٹی ذخیرے میں (نمبر ۳۲/۷، اور ۱۷۱) اور دو ذخیرہ سلیمان میں (نمبر ۱۱/ ۱۱۱ اور ۱۲/ ۱۱۲) اور ایک نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ (نمبر ۷/۷،۲۹۷) میں ہے۔

۲۔ذخیرہ سلیمان میں محفوظ ارشاد الطالبین'' کے نسخہ (نمبر ۱۱/ ۱۱۱) میں آپ کے والد کا نام یہی درج ہے۔'' نزہتہ الخواطر'' کے مصنف نے غلطی سے محمد تھانیسری لکھ دیا ہے حالانکہ اصلاً یہ ان کے چچا کا نام ہے، جیسا کہ خود شیخ جلال نے اپنے رسالہ'' دربیع اراضی'' ذخیرہ شیفتہ (نمبر ۲۴/ ۲۶ ورق ۷ ب) میں لکھا ہے۔

۳۔شیخ کی مکمل سوانح کیلئے ملاحظہ ہو اعجاز الحق قدوسی کا تذکرۂ شیخ عبد القدوس ، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی ،کراچی۔

۴۔مکتوبات قدوسیہ، دہلی، ۱۳۰۷ھ ،مکتوب نمبر ۱۷۲ ،ص ۳۳۹۔

۵۔بدایونی ،منتخب التواریخ ،ص ۵

۶۔ ابو الفضل ،اکبر نامہ ،کلکتہ، ۱۸۸۶ء، جلد سوم ،ص ۳۴۱ ۔۳۴۲، معتمد خان، اقبال نامہ جہانگیری، لکھنؤ، ۱۲۶۱ھ،ص ۳۴۵۔

۷۔آپ کی پیدائش کا سال مذکورنہیں ہے۔آپ کی عمر سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، گرچہ اس میں بھی اختلاف ہے۔کہیں ۱۱۰، کہیں ۹۶، کہیں ۹۵ اور کہیں ۹۳ لکھا ہے۔

۸۔غوثی شطاری، گلزار ابرار (مخطوطہ) ورق ۲۷۳ ب

۹۔اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، کے ذخیرہ شیفتہ میں محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو'' فقہ عربیہ'' نمبر ۲۶/۲۴۔اس تصنیف کے تنقیدی مطالعہ کیلئے ملاحظہ ہو میرا مقالہ'' اراضی ہند کی شرعی حیثیت عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں'' برہان (دہلی)، مارچ ۱۹۸۴ء،ص ۷۔ ۲۳۔

۱۰۔نسخے کیلئے ملاحظہ ہو کیٹلاگ ، انڈیا آفس لائبریری، ۱۹۲۴ء(۸) اور اسٹوری جلد ۱، حصہ ۲ ،ص ۱۷۔

۱۱۔ مثال کے طور پر' اخبار الاخیار' ص ۲۲۵؛' گلزار ابرار'' (مخطوط) ورق ۲۷۳ ب، انوار العارفین ، ص ۳۶۴۔' الثقافتہ الاسلامیہ' ص ۲۷۹۔

۱۲۔محمد اختر ڈبائیوی۔ ، تذکرہ علمائے ہند، دہلی ،۱۹۰۶ء ،ص ۶۱۔ ۶۲

۱۳۔ذخیرہ سلیمان کے ایک مخطوطہ میں (نمبر ۱۱/۱۱۱، ورق ۱ (ب) اس کی وضاحت ملتی ہے۔

۱۴۔ان کے رسالے کی روشنی میں شیخ جلال کے خیالات کے تفصیلی مطالعے کیلئے ملاحظہ ہو، میرا مقالہ جو 'برہان' (دہلی) مارچ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔

تصوف اور اہلِ تشیع

سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

عام طور سے یہ خیال ہے کہ شیعہ فرقے کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں اور اسی لیے اہل تشیع تصوف اور صوفیائے کرام سے نہ صرف لاتعلق رہتے ہیں بلکہ اس کے مخالف بھی ہیں۔ یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے اس لیے کہ شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے والے بیشتر حضرات کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صورت حال سنی فرقے سے تعلق رکھنے والے حضرات کے ساتھ بھی ہے کہ ان مین بھی ایک کثیر تعداد تصوف اور صوفیاء دونوں سے برگرشتہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود سنی حضرات میں ایسے افراد کی تعداد نمایاں ہے جن کا تعلق تصوف اور صوفیاء سے ہے۔ یہ صورت شیعہ حضرات میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف لاعلمی ہی نہیں بلکہ عقائد کو بھی دخل ہے۔ اس بنیاد پر یہ بات دونوں فرقوں میں عام ہے کہ شیعہ حضرات کا کوئی تعلق تصوف سے نہیں اور نہ ہی شیعہ حضرات میں کوئی صوفی ہوا اور نہ ہی تصوف سے متعلق کوئی کتاب لکھی گئی۔ یہاں یہ بات بھی واضح کرنا چاہوں گا کہ میری سمجھ کے مطابق صوفیائے کرام کا تعلق کسی مسلم فرقے سے نہ تھا وہ تو فرقہ واریت کے اصولی طور سے قائل ہی نہ تھے یہ تو ہم نے ان کو فرقوں میں بانٹ دیا ہے۔ وہ اصل اسلام پر قائم تھے جس کی بنیاد دو چیزوں پر تھی۔ ایک قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسری قرآن ہی کی روشنی میں **قل لا اسئلکم علیه اجرا الی المودةفی القربیٰ** کے مطابق اہل بیت سے حد درجہ محبت، وہ نہ سنی تھے اور نہ شیعہ تھے وہ صرف پیرو اسلام تھے۔ یہاں اہل تصوف کی طرف اہل تشیع کے میلان اور عدم میلان دونوں کی جانب اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا۔

سادات ہمدانی جو جلالی، ضلع علی گڑھ، میں میر کمال الدین ہمدانیؒ کے عہد یعنی ہمایوں بادشاہ سے سکونت پذیر ہیں، شاہ ہمدان، میر سید علی ہمدانی کی نسل سے ہیں۔ سادات ہمدانی کا زیادہ تر تعلق سنی فرقے سے ہے لیکن سادات ہمدانی الجلالوی کا تعلق شیعہ فرقے سے ہے۔ میر سید علی ہمدانی کا تعلق صوفی سلسلہ کبرویہ سے تھا۔ راقم السطور کے دادا حکیم سید محمد ریاض الدین حسین مرحوم اکثر تصوف کے نکات بیان کرتے اور صوفیاء کے کارنامے بیان کرتے۔ وہ علماء کے بھی قدردان تھے لیکن

ان کا جھکاؤ صوفیاء کی طرف زیادہ تھا۔ ان کے وہ ارشادات آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ ان کے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے چالیسویں کی مجلس پڑھنے کے لیے مولانا سید کلب عابد صاحب (مرحوم) کو میرے والد نے مدعوکیا۔ جب مجلس ہوگئی تو مولانا سید کلب عابد صاحب (مرحوم) نے انکشاف کیا کہ ان کے پاس ایک خط گیا جس میں لکھا تھا کہ جن صاحب کے چالیسویں کی مجلس پڑھنے آپ جلالی آرہے ہیں وہ علماء کے خلاف اور صوفیا کے حامی تھے لہٰذا آپ کا آنا درست نہ ہوگا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ خط سادات ساکن جلالی میں سے ہی کسی شخص نے لکھا ہوگا۔ بہرحال مولانا سید کلب عابد صاحب (مرحوم) اور مولاسید راحت حسین صاحب (مرحوم) نے اس بات کی سخت مذمت کی۔ اس خط کی طرف میں نے اس لیے اشارہ کیا تا کہ ظاہر ہوسکے کہ شیعہ عوام اپنی لا علمی کے باعث تصوف اور صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن اور سنت نبوی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم ہے۔ اصحاب صفہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مسجد نبوی میں دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ مادی معاملات سے انہیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ان حضرات میں مثال کے طور پر حضرت ابوذر غفاری اور حضرت حذیفہ شامل ہیں۔ تصوف نے تحریک کی شکل کیوں اختیار کی، اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ علماء نے عبادات کو بہت واجبی بنادیا۔ صوفیا بندگی معبود کو واجبات تک محدود رکھنے سے مطمئن نہ تھے۔ صوفیاء کے ہاں قلبی خواہش تھی کہ وہ عبادت اس طرح کریں کہ جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ معرفت الٰہی کتابوں کے ذریعے سے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اپنے آپ کو عشق الٰہی میں غرق کرنا ہوگا۔

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را
آئینہ دل بیں کہ کتابی بہ ازیں نیست

دوسری وجہ خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد جب ملوکیت کا قیام امیر معاویہ کی قیادت میں عمل میں آیا تو مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ اس سیاسی تبدیلی کے بعد اسلامی نظام قائم نہ رہ سکے گا۔ تبدیلی صرف سیاست کی حد تک محدود نہ رہے گی بلکہ مذہبی اور سماجی زندگی بھی متاثر ہوگی جس کے نتیجے میں ختم ہوجائے گی اور نتیجہ اس کا ایسا ہی ہوا۔ اس مسئلے پر سیر حاصل بحث مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں کی ہے۔ لہٰذا صوفیا نے اسلام کے تحفظ کے لیے تصوف کو تحریک

کی شکل دی۔ پہلے تصوف پر کتابیں لکھیں پھر صوفیائے کرام اپنے وطن سے ہجرت کرکے دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے پھیلے اور انہی علاقوں میں سکونت اختیار کرکے وہاں کے عوام میں رہ کر ان کو راہِ سلام پر لانے کی کوشش کی ۔صوفیاء کے اس تبلیغی مشن میں صرف مسلمان ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے غیر مسلم عوام سے بھی رابطہ قائم کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صوفیاء کا نظریہ تھا کہ چونکہ سب کا خالق اللہ ہے لہٰذا ہم کو بھی ان سے تعلق قائم کرنا چاہئے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ان کی خانقاہوں کے دروازے بلا امتیاز مذہب وملت سب کے لیے کھول دیے گئے صوفیاء کے اس رویے نے غیر مسلم عوام کو کافی متاثر کیا اور ان کا اثر بڑھتا گیا۔ علماء جو حکومت وقت کا سہارا لے کر غیر مسلموں کو مسلمان بنانا چاہتے تھے اس میں نہ صرف انہیں ناکامی ہوئی بلکہ اس رویے سے غیر مسلم عوام میں ان کے خلاف نفرت بھی بڑھی۔صوفیاء نے اس کے برعکس غیر مسلموں کے دل جیت لیے اور بعض غیر مسلم خود اسلام کی طرف راغب ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کی مثال چودھویں صدی عیسوی کے مولانا ضیاء الدین برنی اور سید علی ہمدانی ہیں۔ برنی دہلی میں باوجود اپنے جوش ایمانی کے ایک غیر مسلم کو بھی مسلمان نہ بنا سکے جب کہ میر سید علی ہمدانی نے کشمیر میں سیکڑوں ہندوؤں کو اپنے کردار سے متاثر کرکے مسلمان کیا۔

نقشبندیہ کے علاوہ تمام صوفی سلسلے حضرت علیؓ سے منسوب ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق صوفی کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

من عاشق فی باطن الرسول فهو صوفی

(جو باطن رسولؐ پر زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے)

حافظ ابونعیم اس حدیث کی شرح اس طرح فرماتے ہیں؛

''امام جعفر صادق نے باطن رسولؐ سے حضرت کے اخلاق طاہرہ اور آخرت کے اختیار کرنے کو کہا ہے۔ پس جو شخص اخلاق رسولؐ سے آراستہ ہوجاوے اور اس امر کو اختیار کرے جو رسولؐ نے اختیار کیا اس طرف جدھر رسولؐ نے رغبت فرمائی اور پرہیز کرے اس سے جسے رسولؐ نے چھوڑا تو گویا اس نے صفائے قلب حاصل کرلیا۔'' [۳]

تصوف کو علمائے شیعہ نے بھی اپنایا اور تصوف پر مستند کتابیں تصنیف فرمائیں ۔ تصوف کے اثبات میں شیخ رضی الدین ابی نصیر الطیر سی کی تصنیف مکارمِ اخلاق، علامہ ولی کی تصنیف شرحِ تجرید،

شیخ یعقوب کلینی کی کتاب کفر وایمان ازکافی، شیخ صدوق کی تصنیف ثواب الاعمال وعیون، اخبار الرضا، شیخ صفی الدین اسحٰق مقدس اردبیلی کی صفوۃ الصفا مشہور بہ مقالات، شیخ نصیر الدین طوسی کا رسالہ اوصاف الاشراف، ودیوان خواجہ نصیر الدین طوسی، شیخ ورام کندی کی مجموعہ ورام سید رضی الدین علی ابن طاؤس کی کتاب الطرائق علی مذہب الطّوائف وکتاب منہج الدعوات وکتاب ہوف، شیخ شمس الدین محمد مکی شہید اول کی کتاب النجین، شیخ ابن فہد ولی کی کتاب عدہ الدامی،شیخ ابن ابی جمہور رائی کی کتاب، مجسلی الامرات کتاب عوالی الالی، شیخ زین الدین عاملی شہید ثانی کی کتاب نیۃ المرایہ وکتاب اسرار الصلوٰۃ، ملا محمد تقی مجلسی کی السالکین تشویق السالکین، ملا محمد باقر مجلسی کا رسالہ اجوبہ وحق الیقین وبحا ر الانوار ورسالہ اعتقادات وسیر سلوک مجلسی، شیخ محمود ستری التبر یزی کی مفاتیح الاعجاز فی شرح گلشن راز، مولانا شیخ رجا کی برہان المرتاضین اور قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالث کی مجالس المومنین نوادرِ تصوف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ملا محمد تقی مجلسی (متوفی ۱۷۱۰) نے تصوف پر ایک رسالہ تشویق السالکین لکھا۔ اس میں انہوں نے تصوف سے متعلق مسائل سے بحث کی ہے۔ یہ رسالہ اس طریقت سے متعلق ہے جس پر جملہ عارفین اورصوفیائے کرام عامل رہے ہیں۔ اس کا ترجمہ حکیم سید محمد ریاض الدین حسین (مرحوم) نے کیا تھا جو ان کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ ان آیات قرآنیہ واذکار ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہے جو تعقیبات نماز پنجگانہ، اعمال ہفتہ و ماہ وسال، اعمال اربعین اور اوراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں اختیار فرما کر عارفین نے سلوک وعرفان حق تعالیٰ کی منزلیں طے کیں۔ اس رسالے میں علامہ مجلسی نے واضح طور پر ثابت کیا ہے کہ علماء شیعہ اثنا عشریہ بھی تصوف کے قائل اور اس پر قائم رہے ہیں۔ مقدمہ کتاب میں علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔

''اما بعد اس طرح عرض کرتا ہے محتاج غفران وفی پروردگار محمد تقی مجلسی صاحبان فہم وبصیرت پر پوشیدہ نہ رہے کہ جن وانس کی ایجاد کی علت غائیہ شناخت حضرت رب العزت ہے۔ چنانچہ آیہ وافی ہدایہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون... الی یسرفون اس پر شاہد رہے اور معرفت کا سب سے اقرب طریقہ، طریقہ حقہ، رضویہ، ذہبیہ، مرتضوی ہے جس کو طریق تصوف وحقیقت بھی کہتے ہیں اور وہ مراد ہے تحصیل قرب معرفت رب العالمین سے بطریق زہدو دریافت اورقطع تعلق خلقت سے عادت رکھنے عبادت کی۔''[۵]

علامہ مجلسی اس رسالے کی تصنیف کی وجہ بتاتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

''الحال ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جن کو شریعت کی کوئی خبر ہے نہ طریقت کا کوئی اثر ہے اور وہ اس طریقہ حقہ کا انکار کرتے ہیں محض بوجہ اس کے کہ ان کو آیات ائمہ اطہار پر وقوف حاصل نہیں ہے اور نہ ان میں فکر وتدبر کرسکتے ہیں اور نفس وغذا کی پیروی کرتے ہیں جس کا پھل حسد وعناد وتعصب ہے۔ اگر چہ مشہور ہے کہ چمگادڑ اگر وصل آفتاب کی خواہش نہیں کرتی تو بازار آفتاب کی رونق بھی نہیں کھوتی۔ لیکن چونکہ انکا افکار اس نعمت عظمٰی سے بعضوں کی محرومی کا باعث ہوتا ہے لہٰذا اس فقیر محمد تقی مجلسی سے بعض دوستوں نے التماس کیا کہ اس طریقہ کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ لکھا جاوے تا کہ شیعان امیر المومنین اس سعادت سے بے نصیب نہ رہیں۔[۶]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''منجملہ جن کے حدیث سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو ہدایت کی کہ اے ابن مسعود آتش جہنم اس شخص کے واسطے ہے کہ مرتکب حرام کا ہووے اور بہشت اس شخص کے واسطے ہے کہ مرتکب حرام کا نہ ہووے اور بہشت اس شخص کے واسطے ہے کہ جو ترک حرام کرے لہٰذا تجھے لازم ہے کہ ترک حرام کرے اور زہد کو اپنا شعار کرے۔ دنیا میں تیرے زہد پر خدائے تعالیٰ ملائکہ پر مباہات کرتا ہے اور رحمت کرتا ہے تجھ پر جبار عالم اور یہ ہے طریقہ زہد کے ہر درجہ میں اور ترک دنیا میں''۔[۷]

علامہ صوفی اصحاب صفہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اصحاب صفہ کی فضیلت محتاج بیاں نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک کو صفی کہتے ہیں یعنی منسوب بہ صفہ یہاں تک کہ کثرت سے استعمال سے صوفی ہوگیا۔ یہاں بقدر حاجت شیخ ابو سعید سہروردی وغیرہ وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ اکثر جو پشمینہ پوش رہتے تھے ان کو صوفی کہتے تھے۔ شیخ ابن جمہور احسائی کا کہنا ہے کہ تصوف کو ''صوف'' سے لیا ہے اور اس میں تین حرف صاد کو صبر سے اور واؤ کو وفا سے اور فا کو فقر وغنا سے لیا ہے''۔[۸]

شیخ نصیر الدین طوسی کی رائے کے بارے میں وہ رقمطراز ہیں:

''مصنف شرح اشارات و دیوان ومثنوی وکتاب اوصاف الاشراف و درود طوسی اعلم شیعہ'' اس علم میں بہت سی تصنیفیں اور علم کلام میں متعلق ذات وصفات الٰہی و دلائل عقلی ونقلی سے بیان فرمایا

ہے، کافی ہے ۔ اگر کوئی فرق کرے تو اس کو چاہیے کہ ریاضت شاقہ کرے اور نفس امارہ کو قید کرے اور واہیات وخیالات کو چھوڑ ے تا کہ اس کے دل کو نور ہدایت منور کرے تا کہ مجاہدۂ نفس سے آثار ملکوتیہ اور آثار جبروتیہ مشاہدہ اور اس کے دل پر پوشیدہ حقیقتیں روشن ہوں ۔لیکن یہ لباس ایسا نہیں جو صاحب قد کے قد وقامت کے واسطے تیار کیا گیا ۔۹

اسی طرح سید رضی الدین علی طاؤس کے بارے میں لکھتے ہیں :

''مسلک زہد ریاضت کا رکھتے تھے جیسا کہ شیخ شہید مکی کتاب اربعین میں ان کے فضائل شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ زاہد اور صاحب کرامات لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد اور صاحب کرامات کمال تھے ۔ ۱۰

اس کے آگے لکھتے ہیں :

''صاحب تفسیر بحرالا مجاز نے ستر ہزار دلائل اور احادیث اہل بیت میں درج کی، یہیں اس بیان میں کہ وہ شیعہ جو صوفی نہ ہو شیعہ نہیں ہے اور جو صوفی کہ شیعہ نہ ہو وہ صوفی نہیں ہے۔تصوف طریقہ مرتضویہ ہے اور تصوف اور تشیع کے ایک معنٰی ہیں۔۱۱

شیخ شہید مکی کی رائے بیان کرتے ہیں:

''طالب علم کو چاہیے کہ اول اپنے باطن کو پاک کرے، نفسانی خواہشات سے اور صاف مہلکات شیطانی سے تا کہ نیت خالص اور اخلاص تمام سے طلب علم میں مشغول رہے اور مجاہدۂ نفس صاحبان دل کی طرف رجوع کرے۔ اگر صاحب دل کو نہ پاوے تو گوشہ گیری اور تنہائی اختیار کرے۔ حصول عالم علوم رسمیہ کے بعد چاہیے کے تحصیل علم حقیقت کی طرف رجوع کرے جو کہ تمام علوم کا نتیجہ ہے۔ ۱۲

شیخ بہاء الدین محمد عاملی اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

علم رسمی سر بسر قیل است وقال نہ از وکیفیت حاصل نہ حال
طبع را افسردگی بخشد دوام مولوی باور نہ دارد این کلام

قاضی سید نور اللہ شوستری کی رائے بیان کرتے ہیں:

''تصوف شیعون کا طریقہ ہے بلکہ عین تشیع ہے۔ دلائل قویہ اور تفصیل سے بیان کیا ہے کہ علماء شیعہ سے کوئی اس طریقہ کا منکر نہیں تھا بلکہ صوفی ہوئے ہیں۔ ۱۳

سید امداد امام اپنی تالیف مصباح الظلم والفیاح البہم میں لکھتے ہیں:

''فرقہ امامیہ کو باہر سے تصوف کے لیے آنے کی حاجت نہ تھی۔ ان کا مذہب ہی روحانی پہلو رکھتا تھا۔ ان کے اماموں کی تعلیمات ہی جان تصوف تھیں۔ پس جب کہ مذہب میں امامیہ روحانیت کی کوئی کمی نہ تھی تو اس فرقے کا اپنی حالت موجودہ پر قانع رہنا فطری امر تھا۔ عوام کی یہ ایک غلط فہمی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب امامیہ تصوف سے بے تعلقی رکھتا ہے۔ مذہب امامیہ میں بھی تصوف ہے، مگر یہ تصوف وہ ہے جو عین قرآن وحدیث وتعلیم ائمہ معصومین ہے۔'' ۱۴

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ فرقہ امامیہ میں بھی تصوف ہے، مگر فرقہ امامیہ کا تصوف شرع محمدی کے خلاف ایک جُو برابر بھی نہیں ہے۔ امامیہ بھی اولیاء اللہ کے قائل ہیں۔ صوفی فرقہ شیعہ میں بھی گزرے ہیں مثلاً صدرا الدین شیرازی، عبدالرزاق، لاہجی ملا حسین کاشفی، حافظ رجب سرسی وغیرہ۔ ۱۵

قاضی سید نور اللہ شوستری جو کہ عہد اکبر اور عہد جہانگیر میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے علاوہ دوسری کتابوں کے ایک کتاب مجالس المومنین ۱۶۰۲ء میں تالیف فرمائی۔ یہ کتاب بارہ مجالس پر مشتمل ہے، جس میں چھٹی مجلس میں تصوف سے بحث کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو بھی صوفیاء اور حکماء گزرے ہیں، وہ سب شیعہ تھے اور ان کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ ان میں سے کچھ اسمائے گرامی یہ ہیں: محی الدین ابن العربی، امام غزالی، شیخ شہاب الدین سہروردی، نجم الدین کبریٰ، بایزید بسطامی، جلال الدین رومی، شیخ مصلح الدین سعدی، خواجہ حافظ شیرازی، فرید الدین عطار، سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید معین الدین چشتی، میر سید علی ہمدانی وغیرہ۔ ۱۶

مولوی محمد باقر موسوی اپنی کتاب اختر درخشاں میں لکھتے ہیں:

''ایرانی دماغ نے عربی ذہن کی بہ نسبت تصوف اور باطنیات کو قبول کرلیا تھا۔

اس کے بعد اثبات تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شیعہ فقہاء سے متعدد ایسے گزرے ہیں جن کے ایک کف میں جام شریعت تھا اور دوسرے ہاتھ میں پیمانہ تصوف۔ انہوں نے شریعت کے علوم اور عرفان کے رموز میں ایک حسین امتزاج پیدا کردیا ہے۔ ۱۷

سید محمد نور الدین اپنی تالیف چراغ نور میں احوال ظفر آباد کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

''جونپور اور ظفرآباد کی خانقاہوں اور مدرسوں میں بڑی نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ اسلامی اتحاد کے بڑے قوی اور مستحکم حصار تھے، جہاں باہمی اخوت اور ہمدردی کی پائیداری کی بنیادیں پڑی تھیں وہاں مختلف اسلامی فرقے کچھ اس طرح گھلے ملے تھے کہ تمیز مشکل تھی۔ علماء ، فقراء، سجادہ نشین اور درویشوں میں حنفی بھی تھے اور امامیہ بھی تھے کہ سب کا گوشہ نظر ایک تھا اور حق طلبی مقصود تھی۔ اس وادی میں فرقہ بندی کے فرق مٹ کر طبیعتیں یکسو ہوجاتی تھیں اور ایک امتزاج عام نظر آتا تھا۔[۱۹]

اسی کے ساتھ اگر ہم عزاداری امام حسین اور نذر ونیاز پر نظر ڈالیں جو اثناءعشری فرقے کی روح ہے تو یہ بھی صوفیاہی کی دین ہے۔ اس لیے کہ نذر ونیاز کے طریقے اور عزاداری کی رسومات صوفیاء نے قائم کیں۔ یہ سب توصل کے طریقے ہیں۔عزاء داری یا اس کی رسومات کا ذکر سال بھر کے تجویز کردہ اعمال کی کتاب تحفۃ العوام جو کہ شیعہ فرقے میں مقبول ہے اور تقریباً ہر گھر میں موجود ہے اس میں نہیں ملتا۔ صوفیاء نے عزاء حسین کے لیے امام باڑہ قائم کیا۔ امام باڑہ اور درگاہ کا مزاج یکساں ہے کہ اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ امام باڑہ ہندی لفظ سے بنا ہے اور صوفیاء عزاء حسین کو ہندوستانی سماج کا ایک مرکز بنانا چاہتے تھے۔ اور آخر کار عاشورہ محرم کو ہندوستانی سماج میں ایک خاص اہمیت شامل ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں عزا داری حسین صرف مسلمانوں تک محدود نہ رہی، ہندو بھی اسمیں شامل ہوگئے اور دس محرم کو زیادہ تر ہندستانی غم کا دن منانے لگے ۔ اپنی دکانیں بند کرتے اور کربلا کے پیاسوں کی یاد میں شربت کی سبیل کا انتظام کرتے۔ صوفیاء کا اثر ختم ہونا شروع ہوا عزا داری حسین بھی محدود ہوتی چل گئی۔ اور اسی ملک میں جہاں سب مل کر عزاء حسین میں شامل ہوتے تھے، دس محرم کے جلوس کی وجہ سے فسادات ہونے لگے۔

صوفیائے کرام نے اہلبیت کو جو خراجِ عقیدت پیش کہا ہے، وہ محتاج بیان نہیں ۔خود میر سید علی ہمدانی نے ایک کتاب اسی عنوان کے تحت تصنیف فرمائی جس کا نام انہوں نے مودۃ القربی رکھا۔ شاہ ہمدان اپنی ایک رباعی میں فرماتے ہیں ۔[۲۱]

گر حب علی وآل بتولت نبود امید شفاعت زرسولت نبود

در طاعت حق جملہ بجا آری تو بے مہر علی ہیچ قبولت نبود

'' درویش دو چیزوں کا نام ہے ایک تہذیب اخلاق اور دوسرے محبت اہلبیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' [۲۲]

جو بات میں نے ابتدامیں عرض کی تھی اسی پر ان الفاظ کے ساتھ اختتام کروں گا کہ تصوف کا مقصد ہی تھا کہ مسلمان تہذیب نفس، درستی، اخلاق اور تصفیہ باطنی سے ایک رنگ پر آئیں اور ایک سطح پر بہم ہوجائیں۔ فرقوں کا اختلاف ان میں فرقہ بندی کے خیالات ابھارنہ سکے۔ جب تک یہ رنگ ان پر غالب رہا ان کا شیرازہ اتحاد بکھرنے نہ پایا۔

حواشی:

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حکیم سید محمد کمال الدین حسین، صاحب مودۃ القربیٰ، مالیگاؤں، ۱۹۸۴ء

۲۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین، ذخیرۂ جلالی کے چار اہم مخطوطات، خدا بخش جرنل ۶۹، ۷۴، صفحہ ۱۲۷

۳۔ ملا محمد تقی مجلسی، تشویق السالکین۔ یہ مخطوطہ کتب خانۂ سید شاہ خیرات علی میں محفوظ ہے۔

۳۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۱

۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۱

۵۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۱

۶۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۴

۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۴

۸۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۴

۹۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۵

۱۰۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۵

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۵

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۵

۱۳۔ قاضی سید نور اللہ شوستری، مجالس المومنین

۱۴۔ تشویق السالکین، صفحہ ۱۲۵

۱۵۔ ایضاً، صفحہ ۱۲۸

۱۶۔ قاضی سید نور اللہ شوستری، مجالس المومنین

۱۷۔ مولوی محمد باقر، اختر درخشاں، (بڈگام کشمیر) صفحہ ۷۹

۱۸۔ خدا بخش جرنل، صفحہ ۱۲۹

۱۹۔ سید محمد نور الدین چراغ نور یعنی بیان احوال ظفر آباد۔ جونپور، ۱۹۲۳ء، صفحات ۸۔۹

۲۰۔ امام باڑہ ہندی لفظ سے بنایا گیا تھا لیکن امام باڑہ کے نام کو اس طرح تبدیل کردیا گیا ہے۔ کچھ لوگ امام بارگاہ یا حسینیہ، کے نام سے پکارتے ہیں۔

۲۱۔ صاحب مودۃ القربیٰ، صفحہ ۴۱

☆

(بقیہ تبصرہ: کتاب سیر الاولیاء)

شجرۂ خاندان جنت از رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مجاہدے کے بارے میں، شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر کے متعلق، سلطان المشائخ نظام الحق والدین محبوب الٰہی کے بارے میں، شیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری اور آپ کے خلفاء کے مناقب اور فضائل کے بارے میں، سلطان المشائخ کے خلفاء کے مناقب و فضائل اور کرامات، طہارت، آداب، ماثورہ دعاؤں اور مقبول وظائف کے بیان میں جو حضرت شیخ فرید الحق والدین اور حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہیں۔

اس تذکرے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بالخصوص حضرت محبوب الٰہی اور آپ کے خلفاء کے سوانحی خاکے، ملفوظات اور دیگر تصانیف کا تعارف کرایا ہے اور ان کی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆

سید شاہ اشرف علی

پروفیسر طلعت عزیز

سید شاہ اشرف کا مزار موضع میمن سادات ،ضلع بجنور، میں واقع ہے۔میمن بجنور نجیب آباد روڈ پر واقع ہے۔ اس وقت ان کے وارثین کے پاس ان کے ملفوظات وغیرہ میں سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔صرف ایک شجرہ ہے اور ان کے اوراد و وظائف سے متعلق ایک مجموعہ ہے، جو ڈاکٹر ممتاز حیدر نے پاکستان سے شائع کرایا تھا۔ ان کا تعلق کس صوفی سلسلہ سے تھا، یہ بھی واضح نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا تعلق چشتی سلسلہ سے رہا ہوگا کیونکہ یہ محمد بن تغلق کے عہد (۵۱۔۱۳۲۵)میں دہلی سے ہجرت کرکے اس علاقے میں آباد ہوئے اور جہاں قیام کیا اس جگہ کا نام میمن رکھا۔ اس لئے سلطان محمد بن تغلق کی کچھ پالیسیوں نے عوام وخواص میں اس سے نفرت پیدا کردی تھی، اورصوفیاء بھی اس کے مخالف ہوگئے تھے۔محمد بن تغلق کی اس طرح کی پالیسیوں کے نتیجہ میں صوفیاء کی ایک بڑی تعداد نے دہلی سے ہجرت اختیارکی۔

ان کا تعلق سادات زیدی الواسطی سید ابو الفرح واسطی سے ہے۔ یہ خاندان بھی سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا۔ سید شاہ اشرف کا تعلق اسی نسل سے ہے ۔ انہوں نے میمن میں اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور مسجد کی تعمیر کی۔ اس مسجد کے قدیم آثار اب بھی موجود ہیں۔صوفیاء توحید الٰہی اور محبت اہل بیتؑ میں یقین رکھتے تھے۔ لہٰذا میمن میں عزاداری امام حسینؑ بھی شروع کی اور ایک امام باڑے کی بنیاد ڈالی۔ جن موضعوں اور قصبات میں صوفیاء نے عزاداری کی بنیاد ڈالی، ان جگہوں کی رسومات عزاداری اور شہروں میں ہورہی عزاداری کی رسومات میں فرق ہے۔

موضعوں اور قصبات کی عزاداری انتہائی سادہ اور تصنع سے مبرّا ہے۔لیکن آہستہ آہستہ عزاداری سے صوفیاء کے اثرات ختم ہوتے جارہے ہیں ۔مثال کے طور پر ان جگہوں پر قدیم دور سے جو خاص نوحے اور مراثی پڑھے جاتے ہیں ان کے طرز میں درد ہے جو آج کے نوحوں ومراثی میں کم نظر آتا ہے۔سیدشاہ اشرف علی کے وارثین میں بیسویں صدی کے ایک انتہائی متقی وپرہیزگار عالم مولوی سید رضی حیدر کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

صوفیاء سے متعلق ان بستیوں میں آباد سادات کی نسلوں میں ایک تبدیلی اٹھارویں صدی میں آئی، جب صوفیاء کے اثرات کم ہونا شروع ہوئے اور علماء کے اثرات بڑھنا شروع ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ان صوفیاء کے وارثین نے اپنے مورث اعلیٰ کی درگاہ اور ان کی قائم کردہ روایات سے خود کو دور کرنا شروع کردیا۔ اس لئے کہ علماء نے تصوف اور صوفیاء کی مخالفت میں ایک تحریک چلائی،جس سے اثنا عشری شیعہ زیادہ متاثر ہوئے۔ یہی وہ وقت تھا جب ان بزرگوں سے متعلق مخطوطات ضائع ہوئے۔ نہ صرف سید شاہ اشرف کے ملفوظات نہیں ملتے بلکہ سید شرف الدین شاہ ولایت (جن کی خانقاہ امروہہ میں ہے) کے بھی ملفوظات نہیں ملتے، سید شاہ اشرف کا مزار میمن میں مسجد وتالاب کے کنارے واقع ہے۔ صوفیاء کے زیادہ تر مزارات مسجد اور حوض کے قریب ملتے ہیں یہی شکل سید شاہ اشرف کے مزار کی بھی ہے۔ یہ مزار صوفیا کے طرز پر بغیر گنبد کے ہے، اس لئے کہ چاہے وہ حضرت معین الدین چشتی ،حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مزارات ہوں ان پر پہلے گنبد تعمیر نہیں ہواتھا۔ گنبد تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں۔ سید شاہ اشرف کے مزار پر بھی گنبد نہیں ہے اور مزار کی چہار دیواری لکھوری اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے اندر چونے سے تعمیر شدہ قبر ہے، جو اس کی قدامت کی نشانی ہے تصوف اور صوفیاء پر جو کام ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور مغرب کی یونیورسٹیوں میں ہوا ہے اس میں صرف ان صوفیاء پر کام ہوا ہے جو بیت عام ہیں لیکن ہم نے ابھی تک ان صوفیاء پر کام نہیں کیا جنہوں نے قصبات میں اپنی خانقاہیں قائم کیں اور پھر وہاں تبلیغ اسلام کی۔ ہندوستان میں صرف دو یونیورسٹیاں ہیں جہاں تصوف اور صوفیاء پر کام ہوا ہے جن میں سرفہرست علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ، سابق صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ نے تصوف اور صوفیاء پر بہت کام کیا لیکن صوفیاء تو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں کوئی ایک پرانا قصبہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں کسی صوفی کی درگاہ نہ ہوجیسے میمن۔ ان صوفیاء پر ہم نے کوئی کام نہیں کیا۔ ان پر کام نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں ایک تصوف اور صوفیاء سے ناواقفیت اور دوسری وجہ زبان کا مسئلہ ۔ ان صوفیاء کے علمی کارنامے فارسی زبان میں ہیں اور اب نئی نسل تو فارسی کیا اردو سے بھی واقف نہیں۔ تو پہلے تصوف کو نقصان بعد بعض علماء کی تحریک سے پہونچا لیکن اب نقصان لاعلمی سے پہونچ رہا ہے۔ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں صوفی سینٹر نہیں ہے جہاں کام تصوف اور صوفیاء پر ہوتا۔ صوفیاء نے تیرھویں صدی عیسوی سے

اٹھارہویں صدی عیسوی تک عوام تک علم کی روشنی پہونچائی تھی لیکن جدید دور میں جب علم کی ترویج ہوئی رہی ہے ہم تصوف اورصوفیاء اوران کے کارناموں سے واقف ہی نہ رہے اور خواص اورعوام دونوں میں تصوف کی کوئی سمجھ ہی نہیں ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تاریخ سے تعلق رکھنے والے اساتذہ تصوف اورصوفیاء اوران کے کارناموں سے لاعلم نظر آتے ہیں۔

شجرۂ سید شاہ اشرف علی

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ ،حضرت علیؑ ابن الحسینؑ ،سیدنا زید شہید، سید یحیٰ شہید، سید عیسی ، سید محمد، سید علی، سید حسین ، سید حسن،سید علی، سید زید الحربی، سید عمر،سید داؤد، سید حسین ، سید یحیٰ ، سید زید ثالث، سید ابوالفرح ، واسطی، سید ابو الفراش، سید نواث الدین، سید اسماعیل، سید مسعود، سید علی، سید محمد، سید حسین، سید فخرالدین، سید ہدایہ، سید ابراہیم،سید تاج الدین، سید عزیز الدین،سید چھجن ، سید شیخین، سید عبد اللہ معروف، سید حسین، سید سخاوت، سید طہ ، سید علی، سید عارف شاہ، سید شاہ اشرف علی۔

☆

کتابوں کا تعارف

کتاب کا نام	:	ذکر جمیع اولیاء دہلی
مصنف	:	حبیب اللہ
تصحیح وتعلیقات	:	پروفیسر شریف حسین قاسمی
ناشر	:	مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان، ٹونک
سال اشاعت	:	۸۸۔۱۹۸۷

ذکر جمیع اولیاء دہلی اپنی نوعیت کا ایک اہم تذکرہ ہے جس میں اوائل سے محمد شاہ کے دور (۱۱۳۱۔ ۱۱۶۱ھ) تک دہلی میں مدفون عرفاء ومشائخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف حبیب اللہ ہیں جو عہد محمد شاہی میں دہلی کے مقابر کے نگراں تھے۔

دہلی ایک عجیب وغریب شہر ہے۔ درحقیقت یہ محض ایک شہر اور آبادی نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک تمدن اور ایک تاریخ کا نام ہے، بارہا اجڑا اور بارہا بسا، لیکن اس کی اہمیت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ ہمیشہ ''حضرت دہلی'' ہی رہا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی دہلی علماء ومشائخ کا مرکز بن گئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی (متوفی: ۱۴/ ربیع الاول ۶۳۴ھ) وہ پہلے جلیل القدر بزرگ ہیں جنہوں نے دہلی کو اپنی مستقل سکونت کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد تو دہلی کو بے شمار علماء مشائخ کا ماوا وملجا قرار پانے کا شرف حاصل ہوگیا۔

ساتویں صدی ہجری / تیرہویں عیسوی میں جب منگولوں نے عالم اسلام کو اپنے وحشیانہ حملوں کا نشانہ بنایا تو وہاں کی فضا اس قابل نہیں رہی کہ علما ومشائخ یک سوئی سے اپنے علمی عرفانی مشاغل میں وقت گذار سکیں۔ تاریخ جہاں گشا کے مصنف کے بقول'' اس دور میں مشائخ وعلماء سخت آزمائش سے دوچار تھے۔ ان کی بہت بے عزتی کی گئی۔ اس حادثے میں کتب خانے مدارس اور مساجد بہت زیادہ تباہ وبرباد کیے گئے۔ بخارا میں مساجد کو اصطبل میں بدل دیا گیا۔'' ایسے حالات میں علماء مشائخ نے بڑی تعداد میں ہندوستان کا رُخ کیا۔

مرتب نے مقدمے میں اس دور کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہندوستان میں تذکرہ

اور تاریخ نویسی کی روایت کا ذکر کیا ہے: مرتب نے اطلاع دی ہے کہ دہلی میں مدفون مشائخ کرام کی تعداد کم نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کے ملفوظات مرتب کیے گئے اور چند کی سوانح پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ دہلی کے مشائخ کا کوئی مستقل تذکرہ شاہجہاں کے دور (۱۰۳۷/۱۶۲۷۔ ۱۰۶۸/۱۶۵۸) سے پہلے مرتب ہوا تھا، اس کا فی الحال علم نہیں ہے۔ شاہجہاں کے دور کا یہ تذکرہ کلمات الصادقین ہے جو محمد صادق ہمدانی کشمیری کی تالیف ہے، جو ۱۰۲۳/ ۱۶۱۴ میں مکمل ہوا۔ اس میں ۱۲۵ مشائخ کے تراجم شامل ہیں۔ اس کے بعد شیخ حبیب اللہ نے دہلی کے مشائخ کا تذکرہ ذکر جمیع اولیاء دہلی لکھا۔ان کے والد کا نام شیخ جہاں ابن شیخ محمد علی ابن نصیر الدین ابن شیخ میر صدیقی تھا۔

حبیب اللہ اوائل میں دہلی میں درس وتدریس میں مصروف رہے۔ فرخ سیر کے دور (۱۱۲۴۔۱۱۳۱/ ۱۷۱۳۔۱۷۱۹) میں انہیں شاہی مراحم و اعزازات سے نواز گیا۔ یہ شاہی خزانے کے امین اور دہلی میں متبرک مقامات کے ناظم ونگراں رہے۔ فرخ سیر کے بعد محمد شاہ کے دور سلطنت (۱۱۳۱۔۱۱۶۱/ ۱۷۱۹۔۴۸) کے اوائل میں حبیب اللہ کو وکیل شرعی کے اہم عہدے پر فائض کیا گیا۔ ان کے منصب میں اضافہ ہوا اور انہیں خان کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔ چراغ دہلی کے مقبرے کے مصارف اور مطبخ کی دیکھ بھال بھی ان کے سپرد تھی۔ محمد شاہ کے دور حکومت ہی میں حبیب اللہ نے ''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' کی تالیف شروع کی اور اسے ۱۱۵۰ ہجر میں مکمل کرلیا۔ سن ذکر جمیع اولیاء دہلی'' سے برآمد ہوتا ہے۔ حبیب اللہ ایک مصروف علمی وادبی زندگی گذارنے کے بعد دہلی میں تقریباً اٹھتر سال کی عمر میں ۱۱۶۰/ ۱۷۴۷ کے ماہ محرم میں فوت ہوئے۔''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' کے علاوہ بھی حبیب اللہ کی دوسری کتابیں ملتی ہیں، جن کا ذکر مرتب تذکرہ نے کیا ہے اور ان کے مختصر حالات بھی لکھے ہیں۔

اس تذکرے میں ان ۲۰۹ علماء، عرفا اور عارفات کے احوال زندگی شامل کیے ہیں، جو دہلی میں مدفون ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ذکر سے یہ تذکرہ شروع ہوتا ہے اور بی بی اولیاء کے ترجمے پر ختم ہوتا ہے۔ مؤلف نے تراجم کے بیان کرنے میں اختصار سے کام لیا ہے، لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء، خود اپنے ایک استاد مولانا شیخ عطاء اللہ اور اپنے ایک معاصر سید حسن رسول نما کا ذکر نسبتاً تفصیل سے کیا ہے۔ ۲۰۹ مشائخ میں سے تقریباً ۴۰ مشائخ مصنف کے معاصر ہیں۔ اس کے مآخذ میں فوائد الفواد، سیر الاولیاء اخبار الاخیار، گلزار ابرار اور

کلمات الصادقین شامل ہیں۔

حبیب اللہ نے اس تذکرے میں سب زیادہ اخبار الاخیار تالیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے استفادہ کیا ہے۔ ایسا بھی کیا گیا ہے کہ اگر محدث دہلی نے دو مشایخ کا ذکر ایک ہی عارف کے تحت کیا ہے، تو اسے حبیب اللہ نے دو مختلف عرفاء کے ذکر میں تقسیم کر دیا ہے۔

''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید الدین عطار (متوفی ۶۲۷ھ/ ۱۲۳۰) کا تذکرۃ الاولیاء اگرچہ کہ اس کے منابع میں شامل نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتا تھا، لیکن مؤلف نے اس تذکرے کے اسلوب بیان کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔

''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' کی زبان آسان ہے لیکن عارف کے ترجمے کے آغاز میں عارف کے نام کی مناسبت سے مسجع مقفیٰ عبارت لکھی گئی ہے۔ مصنف کا طرز نگارش تحقیقی ہے۔ اس نے اکثر اپنے مآخذ کے بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر کسا ہے اور قرائن کی مدد سے خود ایک مناسب نتیجے پر پہونچنے کی کوشش کی ہے۔ مؤلف اپنے مآخذ کے بیانات میں اختلاف کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے تذکرے میں شامل تقریباً تمام ہی مشایخ کے مزارات ومقابر کے محل وقوع کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ان اطلاعات سے دہلی کے جغرایے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس تذکرے میں اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق ایک اطلاع تاریخی اہمیت کی حامل ہے: مولانا یعقوب کے بارے میں مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ اورنگ زیب کے داروغہ عدالت تھے اور وکیل شرعی تھے۔ داراشکوہ کے الحاد کے سلسلے میں وہ محضر جس پر بعض علمائے وقت نے مہر تصدیق ثبت کر دی تھی، جب مولانا محمد یعقوب کی خدمت میں مہر ودستخط کے لئے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: وہ علماء جنہوں نے اس محضر پر دستخط کیے ہیں داراشکوہ کے الحاد سے واقف ہوں گے۔ مجھے اس کے الحاد کا علم نہیں۔ اورنگ زیب مولانا صاحب کے اس جرأت مندانہ جواب سے برہم ضرور ہوا، لیکن انہیں غالبًا اس دو ٹوک جواب کی کوئی سزا نہیں ملی۔ یہ اورنگ زیب کے اعلیٰ کردار کی ایک روشن مثال ہے۔

ذکر جمیع اولیاء دہلی کا وہ حصہ نسبتاً زیادہ تاریخی اور عرفانی اہمیت کا حامل ہے جس میں مؤلف نے اپنے معاصر عرفاء کے احوال زندگی تحریر کیے ہیں۔

مؤلف چوں کہ خود صاحب علم اور علم دوست تھا، اس لیے اس نے بعض مشایخ اور علماء سے کے علمی وعرفانی مباحث میں حصہ لیا، بعض مشایخ کی خدمت میں کسب فیض کیلئے حاضر ہوا۔ علماء کی

مجالس وعظ میں شرکت کی۔ بعض علما ومشایخ سے اس کے نزدیکی تعلقات تھے اور ان کی رحلت اس کیلئے باعث رنج وتکلیف ہوئی۔ ان کی وفات پر جو تاریخی قطعے مؤلف نے نظم کیے اور اس تذکرے میں وہ نقل ہوئے ہیں وہ اس کے دلی رنج وافسوس کے غماز ہیں۔ ایسی صورت میں ان معاصر علماء ومشایخ کے حالات زندگی مؤلف سے زیادہ بہتر اور معتبر کون پیش کرسکتا تھا! تذکرے میں یہ اطلاعات بھی اہم ہیں کہ مؤلف کے دور میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے متولی میر محمد صلاح تھے اور بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں شیخ تاج الدین بن شیخ عبد الصمد دہلوی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مقبرے کے متولی تھے اور ان کے بعد یہ تولیت ان ہی کے خاندان میں باقی رہی۔

''ذکر جمیع اولیای دہلی'' میں مختلف عرفاء کے عرسوں کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ عرس کس تاریخ کو ہوتے تھے؟ ان کی ذمہ داری کس کے سپرد تھی؟ عرس میں کیا کیا مراسم انجام دیئے جاتے تھے؟۔ ان مجلّہ سوالات کے جوابات بھی اس تذکرے میں موجود ہیں۔

شیخ کلیم اللہ جہانی آبادی کے خاندان سے متعلق اسی تذکرے میں غالبًا سب سے پہلے نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حبیب اللہ، شاہ کلیم اللہ کا معاصر ہے۔ یہ تو کہا جاتا رہا ہے کہ شاہ صاحب شیخ خامد مہندس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو تاج محل اور جامع مسجد کے انجینر تھے، لیکن ان کے معاصر مآخذ میں بہ گمان غالب ''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' وہ پہلا تذکرہ ہے جس سے اس تصور وقیاس کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' میں علماء ومشایخ کے احوال زندگی ان کے سال وفات کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ مؤلف نے جو سال وفات لکھے ہیں وہ اکثر درست ہیں۔ اس نے اپنے دور کے سیاسی، سماجی علمی وادبی ماحول کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے اپنے چشم دید واقعات پر مبنی ہے، اسی لئے اہم بھی ہے اور معتبر بھی۔

یہ تذکرہ برٹش میوزیم اور شیرانی کلکشن میں موجود ہے۔ اس کے دو خطی نسخے ہیں۔

چوں کہ حبیب اللہ نے ''ذکر جمیع اولیاء دہلی'' میں اختصار سے کام لیا ہے، اس لیے بعض مشایخ کے بارے میں ضروری اطلاعات بھی پیش نہیں کی جاسکیں: مرتب نے تعلیقات کے تحت ان تمام معتبر مآخذ ومراجع سے علماء مشایخ کے ضروری حالات درج کردیئے ہیں جو اختصار کے پیش نظر

مؤلف نے نظر انداز کردیئے تھے۔ اس تذکرے پر مرتب کے مفصل ،علمی تعلیقات ''خود ایک تحقیقی سرمایہ ہیں'' یہ تذکرہ ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے ،لیکن مرتب تذکرے کے تعلیقات اور دیگر ضروری اضافوں نے اس کو ۲۳۸ صفحات کی ایک ضخیم اور علمی وتحقیق کتاب بنادیا ہے ۔مختصر یہ ہے کہ مرتب ومصحح نے اپنی عالمانہ تحقیق اور تعلیقات وغیرہ سے اس تذکرے کی افادیت میں دو چند اضافہ کردیا ہے اور متن کی صحت وغیرہ میں اپنی درایت وفہم وفراست کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

☆

تبصرہ

کتاب کا نام : سیر الاولیاء

مصنف : سید محمد مبارک علوی کرمانی مشہور بہ امیر خورد

ناشر: : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے فوری بعد ہی مختلف صوفی سلسلوں کے بزرگوں کی یہاں آمد شروع ہوگئی تھی۔ اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے ان عرفاء نے ہندوستان کے مختلف حصوں اور مقامات کو اپنی تبلیغی کوششوں کو بروئے کار لانے کے لئے منتخب کیا اور اس طرح یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے میں صمیم قلب سے مصروف عمل ہوگئے۔

ہندوستان کے ان صوفیاء نے ایک طرف اپنے عمل سے اسلام کا تعارف کرایا اور دوسری طرف ان کے قلم نے بھی یہاں کے دانشوروں کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کیں۔

یہاں آنے والے صوفیا میں ایک خواجہ معین الدین چشتی اجمیری بھی ہیں، جن کے چشتی سلسلے کو ہندوستان خاص طور پر شمالی ہند میں غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی۔ اس سلسلے کے صوفیاء کا سب سے پہلے باقاعدہ اور معتبر تعارف سید محمد مبارک علوی کرمانی مشہور بہ امیر خورد نے اپنی بنیادی کتاب سیر الاولیا میں کرایا ہے۔ اس کتاب کو ہندوستان میں پہلا تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے جو چشتی بزرگوں کے احوال وتعلیمات پر معرض وجود میں آیا۔ سچ یہ ہے کہ اگر امیر خورد کرمانی نے اپنی سیر الاولیا میں ہندوستان کے دور اوائل کے چشتی بزرگوں کے احوال ، ان کی تعلیمات اور روز مرہ کے معمولات کا ذکر نہ کیا ہوتا تو ہم ان میں سے بہت سے صوفیاء کے بارے میں کچھ بھی نہ جان پاتے۔

سیر الاولیاء کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے مصنف کے احوال جاننا ضروری ہیں تا کہ یہ معلوم ہوجائے کہ مصنف نے اس میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ محض دوسرے مآخذ سے نقل واقتباس نہیں بلکہ خود اس کے والد، دادا اور نانا کے چشم دید واقعات اور بزرگوں کے بارے میں ان کے محسوسات ومشاہدات پر مبنی ہے۔

مصنف کا نام محمد، لقب امیر خورد والد کا نام نور الدین مبارک اور دادا کا نام سید محمد بن محمود علوی تھا۔ یہ خاندان کرمان کا رہنے والا تھا۔ مصنف کا نام محمد، حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء نے رکھا تھا۔ سب سے پہلے مصنف کے دادا سید محمد کرمانی تجارت کے لئے کرمان سے ہندوستان آئے۔ لاہور میں تجارت کرتے تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی شہرت سنی تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بالآخر وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنے خاندان کے ساتھ بابا فرید کی خدمت میں اجودھن آ گئے۔ حضرت بابا فرید نے انہیں خرقہ بھی عطا کیا۔ یہ رابطہ کچھ ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا کہ پھر آیندہ کبھی منقطع نہ ہوا۔ یہ خاندان بعد میں دہلی آ گیا اور حضرت بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے وابستہ رہا۔ سید محمد کرمانی نے ۱۱۷/ ۱۲۔ ۱۳۱۱ میں دہلی میں وفات پائی۔ سیر الاولیاء کے نانا مولانا شمس الدین دامغانی حضرت محبوب الٰہی کے دوستوں میں تھے اور خواجہ صاحب کا احترام کرتے تھے۔ سید محمد کے چار لڑکے تھے۔ سید نور الدین مبارک، سید کمال الدین احمد، سید قطب الدین حسین اور سید خاموش۔ سید مبارک مصنف کے والد تھے۔ مصنف کے والد اور تینوں چچا حضرت بابا فرید اور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء سے وابستہ رہے۔

امیر خورد دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ محبوب الٰہی ان کا نام محمد رکھا، کی تعلیم وتربیت دہلی میں ہوئی۔ اس عصر کے معروف علما ومشائخ جیسے مولانا فخر الدین زرداری، مولانا رکن الدین اندرپتی مولانا علاء الدین اندرپتی اور قاضی شرف الدین نے امیر خورد کرمانی کو تعلیم دی اور مختلف علوم پڑھائے۔ ان کے نانا انہیں اور ان کے بھائیوں کو خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں لائے اور مریدی کا شرف عطا کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ یہ سید مبارک کے پہلے بیٹے ہیں تو حضرت محبوب الٰہی نے کہا کہ یہ میرے بیٹے بھی تو ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین کے وصال کے بعد امیر خورد حضرت محبوب الٰہی کے ارشد خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت ہوئے تھے اور ان سے خرقۂ خلافت بھی انہیں ملا تھا۔

یہ رابطہ اور تعلق تھا امیر خورد اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کا مشایخ حیثیت سے جنہیں ہندوستان میں چشتی دبستان تصوف کا اصل بانی مروج اور مبلغ کہا جاتا ہے، اور جو درست بھی ہے۔

امیر خورد کے احباب میں حضرت محبوب الٰہی کے دو چہیتے مرید امیر خسرو دہلوی اور امیر حسن سنجری دہلوی تھے۔ امیر خورد کے بقول:

''سالہا سال میرے امیر خسرو اور امیر حسن سے خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور نہ میں ان کی ہم نشینی کے بغیر زندگی بسر کرسکتا تھا۔'' امیر خورد مشہور تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیاء الدین برنی کے بھی دوست تھے۔

سیر الاولیاء کا سال تصنیف معلوم نہیں ہوسکا۔ بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ امیر خورد نے اپنی کتاب فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت ۷۵۲/ ۱۳۵۱۔۷۹۰/ ۱۳۸۸) میں لکھی تھی۔ اس وقت مصنف کی عمر پچاس سال ہوچکی تھی۔ اسی طرح قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیر الاولیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی کے بعد تالیف ہوئی، جو ۷۵۸/ ۱۳۵۷ء میں مکمل ہوئی تھی۔

سیر الاولیاء کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جن عرفاء کا ذکر ملتا ہے وہ بیشتر اس کے یا اس کے اہل خاندان کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے اسے ایک معتبر مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ بعد کے مورخین نے اسے اپنا مآخذ قرار دیا ہے۔

سیر الاولیاء جس دور میں تصنیف ہوئی وہ بڑا اہم اور تاریخی دور تھا۔ مملوک خلجی اور تغلق بادشاہوں کے اس زمانے میں مسلمان ہندستان میں کم تعداد میں تھے لیکن سیاسی اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا۔ عظیم الشان اسلامی تہذیب ہندوستان کے قدیم کلچر کے روبرو کھڑی تھی۔ ایران، توران، عراق و عرب سے علماء صلحاء اور شعرا وادباء برابر اس طرف کا رخ کررہے تھے۔ یہاں ایک نیا معاشرہ ان کی وجہ سے تشکیل پارہا تھا۔ سیر الاولیاء میں اس تشکیل پانے والے معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور اس کا مرکزی کردار ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا لیکن ان کے سلسلے کے قدیم تر بزرگوں کے احوال بھی اس میں ضمناً بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے ابواب سے چند عنوانات یہاں درج کیے جارہے ہیں تاکہ اس کے مطالب کا کچھ اندازہ ہوسکے:

(باقی صفحہ ۲۴۲ پر)

اصطلاحات تصوف

باب الالف

شاہ خالد میاں فاخری

ابد: وہ زمانہ جس کی کوئی انتہا نہیں (اگر انتہا ہوتو وہ ابد نہ ہوگا)

ابدال: وہ اولیاء اللہ جو بارگاہِ الٰہی کے مقرب اور امور دنیا میں ارباب حل وعقد ہوتے ہیں انکی تعداد چالیس ہے۔ بعض حضرات نے ان کی تعداد ۴۰۴ بتائی ہے۔ یہ مختلف انبیاء کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف امور انجام دیتے ہیں۔ ابدال ہی میں سے ایک جماعت **ابرار** کہلاتی ہے۔

اتحاد : واحد مطلق کا وجود حقیقی اور اس کا شہود بایں طور کہ تمام اشیاء جو موجودات اسی سے ہیں اور اس سے متحد ہیں۔ اپنی ذاتی حیثیت میں وہ کچھ بھی نہیں۔ یہاں یہ بات محال ہے کہ کسی شئے کا وجودِ خاص ہے۔

اتصال: تمام اعتبارات کا ذات احدیت میں گم ہوجانا، بندہ کا ذات باری سے خود کو متصل جاننا یا پانا۔ اس تعریف کو مولانائے روم نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

اتصالِ بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جانِ ناس

اثبات: (۱) حق کا ظاہر اور خلق کا مخفی ہونا۔ (۲) یہ نفی کے مقابل بولا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ صفات بشریٰ کی نفی ہوجائے اور سلطانِ حقیقت کا اثبات ہو۔ صفات بشری کے فنا کے بعد ''بقائے حق'' سے اثبات ہوتا ہے۔ یہ لفظ صوفیا کی اصطلاح میں احکام شرعی اور عبادات کے قیام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

احد: یہ نام رب کائنات کے اسماء صفات میں سے ہے جو صفت وحدانیت کا مظہر ہے، بعض صاحبانِ بصیرت نے اس کو اسماء ذات میں بھی شمار کیا ہے۔

احوال: حال کی جمع ہے اور حال وکیفیت ہے جو سالک کے قلب پر بے اختیار جو ارادہ اور جلب واکتساب کے بلاتصنع وارد ہو۔ یہ ورود طرب سے ہو، یا حزن۔ از قبیل بسط ہو یا قبض یا از قبیل

شوق (مداوموت سے حال جب عادت بن جاتا ہے تو اس کو مقام کہتے ہیں) شیخ ابونصر سراج نے صاحبانِ طریقت کے یہ دس حال بیان کیے ہیں:

مراقبہ، قرب، محبت، خوف، رجا، شوق، انس، اطمینان، مشاہدہ، اور یقین۔

اختیار: بندہ اپنے اختیار کے مقابلہ میں اختیارِ حق پر عمل پیرا ہو۔ (بندہ کا اختیار باقی نہ رہے۔)

اخیار: لغت میں نیک لوگوں کو اخیار کیا جاتا ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں وہ سات ابدال جو ہمیشہ مصروفِ سفر رہتے ہیں اور ان سب کا نام حسین ہے۔

اخلاص: بندہ کو اپنے اعمال میں سوائے ذاتِ حق کے اور کسی کے دیکھنے کی طلب نہ ہو۔ شیخ فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ لوگوں کی خاطر ترک عمل ریا ہے۔ اور لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کا بجالا نا شرک میں شامل ہے، اور ان دونوں طریقوں سے احتراز اخلاص ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ صدق اصل ہے اور اخلاص فرع، دونوں کے درمیان ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ اخلاص کی ابتدا کسی کام کے شروع ہونے سے پہلے ہوتی ہے۔ اس کو بانداز دگریوں کہا جائے کہ اخلاص وہ جذبہ ہے جس کا اظہار بغیر عمل کے ممکن نہیں۔

ادب: ان چیزوں سے واقفیت کا نام ہے جن کے ذریعہ گوناگوں خطاؤں سے احتراز کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ ادب شریعت کی رعایت، شعائر الٰہی کی عظمت، آقا کے حقوق کا پہچاننا، شیخ ومرشد کی خدمت اورروبیت میں فنا ہوجانا۔

صوفیا نے ادب کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، ادب شریعت، ادب خدمت اور ادب حق ''صاحب لمع'' حضرت شیخ ابونصر سراجؒ فرماتے ہیں، ادب میں لوگوں کے تین طبقات ہیں۔ اہلِ دنیا فصاحت وبلاغت، حفظِ علوم اورعرب کے اشعار کو ادب کہتے ہیں اہل دین، ریاضتِ نفس، تادیب اعضا، حفظ حدود الٰہی اور ترک شہوات کو ادب کہتے ہیں۔ اہل خصوصیت تزکیہ باطن، طہارت قلب، حفاظت وقت، پراگندہ خیالات کی جانب قلت توجہ اور مقاماتِ قرب میں حسنِ ادب کوملحوظ رکھنا ادب ہے، اور یہ تعریف جامع ہے۔

ارادہ: آتش محبت کی چنگاری جو عارف کے قلب میں لگتی یا پیدا ہوتی ہے جس کے باعث وہ استمرارِ حقیقت (کے ادراک) کے لیے تیار ہوجاتا ہے اس کی ایک تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے:

تجلی ذات جو معدوم کے ایجاد کے لیے ہو۔

ازل: ابد کے مقابل ہے یعنی وہ جس کا اول نہ ہو (اس سلسلہ میں ابد کی تعریف بھی ملاحظہ فرمائیں)

ازلی: وہ چیز جس سے قبل عدم نہ ہو۔ اس کی تعریف کے سلسلہ میں یہ بات لائق توجہ ہے کہ موجود کے تین انداز ہیں۔ (۱) ازلی وابدی، یہ صرف ذات واجب الوجود کے ساتھ خاص ہے (۲) وہ جو نہ ازلی ہے نہ ابدی، یہ دنیا یا کائنات ہے جس کا اول بھی ہے اور آخر بھی۔ تیسرے وہ جو ازلی تو نہیں لیکن ابدی ہے، یہ عالم آخرت ہے۔

استدراج: ایسا خارق عادت (غیر متوقع) کام جو کسی بے دین (کافر ومشرک) مردو شخص سے ظاہر ہو جیسے کاہن وجادوگر سے کسی خرق عادت کا ظہور۔

اسمِ اعظم: باری تعالیٰ کا وہ نام پاک جو تمام اسمائے الٰہیہ کا جامع ہو، بعض صاحبان بصیرت نے فرمایا ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے، یہ ذات باری کا ایسا نام ہے جو اس کی تمام صفات کا جامع اور مظہر ہے۔

اشارہ: غیر مرادی خبر، زبان سے الفاظ کو سنے بغیر حرکات وسکنات سے مفہوم کا سمجھ میں آنا۔

اشتباہ: شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حق وباطل کی دونوں شقوں پر حکم لگانے میں اشکال کا واقع ہونا۔

اشتیاق: حال وصال میں محبّ کے باطن کا محبوب کی جانب کھنچنا کہ لذت میں مزید استحکام ودوام پیدا ہو۔

اصطفاء: حق تعالیٰ کا بندہ کے قلب کو اپنی معرفت کے لیے منتخب کر لینا، اور دوسری چیزوں سے اس کو غیر متعلق کر لینا تا کہ معرفت الٰہی سے اس کے اندر ایسی خصوصیات پیدا ہو جائیں جن کو صفا کہتے ہیں۔ ان خصوصیات میں تمام مومن یکساں اور برابر ہیں خواہ وہ عاصی ہوں یا مطیع، ولی ہوں یا شیوخ ارشادِ ربانی ہے: **ثم اور ثنا الکتاب الذین اصطفینا من عباد نا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات (قرآن پارہ)**

اصطلام: وہ غلبات حق جو بندہ کو کلیتًا اپنے لطف کے امتحان کے لیے اس لیے اپنے قبضہ میں لیتے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ بندہ کس حد تک نفی ارادت کا حامل ہے۔ (صوفیا فرماتے ہیں کہ قلب ممتحن

اور قلب مصطلم دونوں ہم معنی ہیں) لیکن اصطلام کی منزل خاص اور مقام امتحان کی ہے۔

اصطناع: اللہ تعالیٰ بندہ کے تمام نصیبوں (حصص) کو فنا کر کے بندہ کے ذوقِ لذائذ اور خواہشات نفسانی کو مبدل فرمادے تاکہ نعمتوں کے زوال اور تبدیلی اوصاف کی وجہ سے وہ خود سے بیخود ہوجائیں، یہ مدارج پیغمبران الٰہی کے لیے مخصوص ہیں۔ بعض مشائخ نے اس کیفیت وحال کو اولیاء کے لیے بھی جائز رکھا ہے۔

اعراف: طریقت وسلوک میں اطراف سے توجہ ہٹا لینا، وہ چیز جو صفاتِ حق سے متجلی ہو اور ان صفات کی مظہر ہو۔ شہودِ حق کا مقام، لغوی اعتبار سے جنت و دوزخ کا درمیانی حصہ، حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف/ از دوزخیاں پرس کہ آں را اعراف بہشت است۔

اعیان ثابت: ممکنات ثابتہ کے حقائق جو علم خداوندی میں ہیں یا وہ مظاہر جن میں اسمائے الٰہی علم الٰہی میں ظاہر ہوتے ہیں وہ اعیان ثابتہ یا صور علمی کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

افراد: قطب کی نظر سے خارج حضرات (اشخاص) افراد، فرد کی جمع ہے، یہ وہ منصب ہے جو قطبیت کے بعد حاصل ہوتا ہے، قطب مدار خاص ہے اور فرد اخص، قطب مدار تجلی صفات میں منہمک ہوتا ہے اور فرد تجلی ذات میں۔

افق اعلیٰ: نہایت مقامِ روح، حضرت الوہیت سے مراد ہے۔

افق مبین: نہایت مقام قلب۔

الف: ذاتِ احدیت کی جانب بایں اعتبار اشارہ کہ وہی ازل الآزال میں اول اشیاء ہے۔

ام الکتاب: حضرات صوفیا ام الکتاب سے عقل اول مراد لیتے ہیں۔ اصطلاحاً قرآنِ حکیم۔

امامان: قطب کے داہنے اور بائیں جانب جو حضرات ہوتے ہین وہ امامان کہلاتے ہیں۔ ان میں سیدھے ہاتھ والے کی نظر ملکوت پر ہوتی ہے اور بائیں جانب والے کی نظر ملک پر ہوتی ہے۔ اس کا مرتبہ اول امام سے برتر ہے، یہ امام قطب کا خلیفہ ہوتا ہے۔

امتحان: طرح طرح سے اولیاء کے قلوب کی بلاؤں اور مصیبتوں سے آزمائش جو منجانب اللہ ہوتی ہے۔

اُمناء: فرقہ ملامتیہ کے وہ افراد جن کے باطن کا حسن ان کے ظاہر سے عیاں نہیں ہوتا۔ صوفیا میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے۔

انتباہ: دل سے غفلت کا زائل ہوجانا۔

انزعاج: محفلِ وعظ وسماع میں قلب کا اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہونا۔

اُنس: صاحبانِ سلوک وارادت قلبی سے متجاوز ہوکر جب دولتِ مشاہدہ سے سرفراز ہوتے ہیں تو جو کیفیت مشاہدہ جمال سے طاری ہوتی ہے اس کو انس کہتے ہیں۔

انسان کامل: مراتب وجود میں انسان اکملِ مخلوقات ہے اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مخلوقات الٰہی میں افضل واکمل ہے۔ ذات باری کی مظہرِ اتم ہے۔ درحقیقت اس لفظ کا اطلاق ذاتِ نبویؐ کے لیے مخصوص ہے۔

اوتاد: ایسے چار حضرات جو دنیا کی چاروں جہات میں بمنزلہ رکن موجود ہیں (یعنی مشرق، مغرب، شمال، جنوب) ان ہی چار حضرات کے ذریعہ خداوند تعالیٰ جہاتِ اربعہ کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

مغربی سمت عبدالودود- مشرقی سمت عبدالرحمٰن

جنوب میں عبدالرحیم - شمال میں عبدالقدوس

ایجاء: نفس میں سرعت وخفا کے انداز میں کسی معنی کا القا ہونا۔

ایماء: تعریض خطاب جو بغیر اشارہ وعبادت ہو۔ (اس کے معنی اشارہ کے ہیں، وہاں بھی دیکھیے)

اوباش: وہ جو عذاب وثواب سے بے نیاز ہوکر جذبات محبت میں گم ہوجائے۔

الہام / القاء: ہر وہ چیز جس کا حصول استدلالی نہ ہو، یعنی جس کو استدلال سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ حق تعالیٰ کی جانب سے سالک کے قلب پر یقین کامل کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ ان کیفیات کو القاء، الہام اور وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ تینوں الفاظ تقریباً مترادف، ہیں لیکن مدارج میں فرق ہے۔ ابتدائی کیفیت کو القاء انتہائی کو الہام اور وحی کہا جاتا ہے۔ الہام کا اطلاق اللہ کے نیک بندوں پر طاری ہونے والی ان کیفیات پر ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بندوں پر بلا فرشتہ کی وساطت کے اس جہت سے ہوجو ذاتِ باری کو تمام موجودات کے ساتھ ہے۔ الہام صرف کشف معنوی ہے جبکہ وحی مخصوص بہ نبوت، ظاہر سے متعلق اور تبلیغ کے ساتھ مشروط ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ کے قلب میں ایسے نیک خیالات کا پیدا ہونا جس کے ذریعہ

فسق اور تقویٰ میں فرق کیا جاسکے۔ اچھے خیالات کے بجائے اگر فاسد خیالات پیدا ہوں تو اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔

انانیت: بندہ کا اپنی ذات کی جانب کسی چیز کو منسوب کرنا، جیسے میرا نفس، میری روح، یا میرا دل وغیرہ۔

انابت: ذکر الٰہی کی جانب رجوع ہونا بعض مشائخ رجوعِ ظاہری کو توبہ کا نام دیتے ہیں اور باطنی کو انابت کہتے ہیں۔

اول الاوائل: ذات باری ہے۔

ابر: وہ حجابات جو مشاہدات میں رکاوٹ بنیں یا راہِ سلوک میں مانع ہوں۔

ادراک: بصیرت، احساس باطنی۔

اسیر: جو مجاز میں مقید ہو۔

اسراف: غیر ضروری اور بے محل خرچ، تصوف میں بے تکے پن، بے محل اور حیثیت سے زیادہ ریاضت کرنا۔

آشنائی: اللہ کا مخلوقات سے تعلق۔

اعتکاف: دنیا اور ما فیہا سے بے تعلق ہو کر ذاتِ باری کی جانب متوجہ ہونا۔

القائے سبوحی: قلبِ انسانی پر باری تعالیٰ کی جانب سے براہِ راست القاء۔

الیاس وخضر: الیاس سے حالت قبض اور خضر سے حالت بسط مراد لی جاتی ہے۔

آمدن: استغراق سے ہوش میں آنا، عالم سکر سے عالم صحو میں واپسی۔

انجمن: عالم کثرت۔

انتباہ: قلب سالک سے حجابات کا اٹھنا۔

آہ: کمال عشق کی ایک علامت۔

اضطراب: وصل سے قبل کی کیفیت۔

ارتقا: اعلیٰ مدارج کا حصول۔

اعتبار: عبرت پکڑنا، اندیشہ کی حالت میں کسی چیز کا پیچھا کرنا، کسی چیز کو اچھا سمجھنا۔

ایام اللہ: وہ شب وروز جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خصوصی انعام فرمایا۔

باب الباء

بارقه: (برق سے ماخوذ) کشف کی ابتدائی منزل ہے۔

(۲) تجلیات الٰہی کی وہ چمک جو بہت ہی تھوڑی دیر رہتی ہو اور جلد زائل ہو جاتی ہو۔

باطل: غیرحق، ما سویٰ اللہ اور معدوم۔

برزخ: وہ چیز جو مختلف چیزوں کے درمیان بایں طور پر حائل ہو کہ دونوں میں واصل وفاصل ہو۔

برق: وہ نورانی تجلیات جو قلبِ سالک پر وارد ہوتی اور اس کو سیر الی اللہ کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ (۲) عالم غیب کی ایک چمک جو عنایت الٰہی سے صاحبان سلوک کے قلوب کو منور کرتی ہے۔

بسط: وارادتِ قلبی کی کشف (یا پھیلاؤ) بسط دو قسم پر ہے ''مفید'' اور ''مضر'' قلب کی وہ روشنی جو نور قدس سے مستنیر ہو۔ اور اس سے حقائق اشیاء اور ظاہر کی حقیقتوں کا علم حاصل ہو۔ حدیثِ نبوی ہے۔ **اتقو ا فراسة المومن فانه ينظر من نور الله** (۲) انوار الہیّہ سے منور قلب کی وہ کیفیت جس کے بغیر حقائق اشیاء کا ادراک ممکن نہ ہو۔

بلا: حق تعالیٰ کی جانب سے توجہ کو ہٹانے والی چیز، یا وہ چیز جو وصول الی اللہ سے مانع ہو۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ راہِ سلوک کے موانع بلا ہیں۔

بوادره: قلب عارف پر ایک نسیم غیبی جو اچانک عالمِ غیب سے آتی ہے اور قلب میں فرح وانبساط پیدا کرتی ہے۔ (۲) موجب اندوہ۔

بيت الحملة: وہ قلب جس پر اخلاص کا غلبہ ہو۔

هو القلب الغالب عليه الاخلاص

بيت المقدس: وہ قلب جو غیر کے تعلق سے پاک ہو۔

بيت المعمور: (۱) زمرد اور یاقوت سے تعمیر شدہ عمارت جو اب آسمان چہارم پر ہے اور قبل طوفان نوح زمین پر تھی۔

(۲) تصوف کی زبان میں قلب انسانی جو محل حق تعالےٰ ہے۔

بيدارى: عالم صحو، ہوشیاری۔

بهشت: صفت روحانی، مظہر جمال مطلق، محل رضائے الٰہی، رب تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول پر انعام۔

بہار: سالکوں کا ذوق وشوق، عالم علم۔

بیاباں: طلب راہِ حق میں سالک پر جو کیفیات وارد ہوں اور جن معاملات سے راہِ طریقت میں واسطہ پڑے۔

بندگی: مقام تکلیف۔

بنفشہ: وہ رمزِ لطیف اور نکتہ دقیق جس کا ادراک محال ہو۔

بلبل: عارف کامل کی منزل پر فائز ہونے کے بعد ذکر وفکر مدام میں مشغولیت۔

بیعت: اپنی جان ومال کو حق تعالیٰ کے لیے ارادت کے ذریعہ فروخت کر ڈالنا، جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ**۔ اور جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم**۔

بقاء: بندہ کا اپنے افعال کو اس طرح مشاہدہ کرنا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تمام افعال امرِ الٰہی سے متعلق ہیں۔

بیت الحرام: قلب انسان کامل جس میں محبوب کے سوا دوسرے کا وجود حرام ہو۔

بُت: محبوب، معشوق۔

باب الباء (فارسی)

پاکبازی: عمل میں اتنا خلوص کہ جس کے بدلے نہ اجروثواب کی خواہش ہو اور نہ اعلیٰ مدارج کی تمنا۔

پیام: اچھائیوں اور برائیوں سے احتراز، حقانیت کا درس۔

پیشانی: اسرار الٰہی کے ظہور کا مرکز۔

پارسائی: خواہشات بشری سے اعراض اور صفات حمیدہ سے اتصال۔

پردہ: طریقت کے وہ لوازم جو عاشق ومعشوق کے درمیان حائل ہوں۔

پیمانہ: ہر وہ چیز جس میں انوار غیبی کا مشاہدہ ہو۔ اس کو ساغر بھی کہتے ہیں۔

پیالہ: چشم محبوب، قلب سالک۔

پیر میکدہ: مرشدہ کامل، پیر مغاں۔

پائے کوفتن: تواجد کرنا۔

باب التاء

تجرید: ما سویٰ اللہ کے قلب کا خالی ہونا۔

تدبر وتفکر: ذہن کی بھرپور طریقہ پر حصولِ مقصود کے لیے جدو جہد۔

تفرید: خودی سے بے تعلق ہونا، حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا ایسا تعلق کہ ''حق'' عین قوائے بندہ بن جائے اور حدیث **کنت له سمعا وبصرا** کا مصداق بن جائے۔

تجلّی: لغوی اعتبار سے تجلی کے معنی ظاہر کرنے اور طاہر ہونے کے ہیں۔صوفیاء کی زبان میں ذات وصفات واسماء کا کسی پرظہور تجلی کہلاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ وہ حالت جس میں وہ ذات الٰہی یا اس کی صفت یا کسی فعل کا اظہار ہو وہ تجلی ہے۔ (۲) انوارِ حق کا مقبلوں کے دل پر اثر انداز ہونا جس کے باعث ان کے قلوب اس قابل ہوجائیں کہ وہ اپنے اندر مشاہدہ حق کرسکیں۔

تخلّی: (بروزن تجلی) بندہ کا اسے اشغال سیاعراض جو بارگاہ الٰہی کی رسائی میں رکاوٹ بنیں۔ (ان اشغال میں سے ایک شغل دنیا بھی ہے۔)

تسلیم: قضا کو رضا کے ساتھ قبول کرنا۔

تسویه: جسم میں قبولیت روح کی صلاحیت کا پیدا ہونا۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔ **فاذا سویته فنفخت فیه من روحی۔**

تفرقه: مکاسب بندہ کے احوالِ بشری سے جو اعمال متعلق ہوں۔ اور ان پر قیام ودوام بھی ہو۔

تصوف: لغوی معنی کمبل کا لباس پہننا ہے۔ شریعت کے ظاہری اور باطنی احکام اور آداب سے واقفیت حاصل کرنا (اس سے مراد اخلاقِ الٰہیہ ہیں) اربابِ بصیرت نے تصوف کے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ حسن خلق کا دوسرا نام تصوف ہے۔ بیکار چیزوں کا ترک کرنا تصوف ہے۔ تصوف مکارم اخلاق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا۔ تصوف کے ایک اور معنی اخلاقِ ذمیمہ سے اسلئے احتراز ہے تاکہ تجلیات الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت واستطاعت پیدا ہوجائے۔ اشیائے عالم کو مظہر حق جاننا تصوف ہے۔ حقائق کا اعتبار، دقائق کا اظہار اور خلق سے نا امیدی تصوف ہے۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ درگاہِ الٰہی میں بے غم زندگی گزارنا تصوف ہے اور بعض حضرات نے

یکسوئی کو بھی تصوف کہا ہے۔

تمکین: مقام رسوخ واستقرار، جس جگہ کو سالک اپنی منزل بنا کر مغلوب الحال نہ ہونے پائے، منتہیوں کی اقامت گاہ۔

تُرکتاز: وہ جذبہ الٰہی جو سالک کو ایسے وقت مقصد اصلی تک پہنچائے جبکہ وہ اپنی شدید محنت اور زبردست مجاہدہ کے باوجود رسائی حاصل نہ کرسکا ہو۔

تلوین: عارف کا ایک حال سے دوسرے حال کی جانب منتقل ہونا۔ احوال تبدیل ہونا۔

گہے گریاں گہے خنداں گہے حیراں گہے نالاں
بجز ایں شغل یک لحظہ نبودی روزگارِمن

تواجد: وجد کا بناوٹی اظہار۔

توبہ: (۱) غفلت وبےخبری کی حالت سے روح کا ایسا بیدار ہونا کہ بندہ (گنہگار) ان غلط راستوں سے آگاہ ہوجائے جن پر وہ گامزن تھا اور ماضی کے افعال بد پر نادم ہوکر اطاعت اختیار کرے۔ (۲) نقص سے کمال کی جانب رجعت قہقری یا رجوع الی اللہ۔

توکل: ذاتِ باری پر بھروسہ کرکے اپنے تمام معاملات کو اللہ رب العالمین کی مرضی پر چھوڑ دینا۔

تیمم: تصفیہ ظاہر وباطن۔

تابستان: معرفتِ الٰہی کا مقام۔

ترانہ: آوازِ محبت۔

تزکیہ: نفس کو برائیوں سے پاک کرنا۔

تصفیہ: قلب کو غیر اللہ سے صاف کرنا۔

تجلیہ: روح کو روشن کرنا، مجلی کرنا۔

تخلیہ: ذاتِ الٰہی کے سوا کسی چیز کا باقی نہ رہنا۔ (منازلِ سلوک میں پہلی منزل تزکیہ کی ہے اس کے بعد تصفیہ، تجلیہ، اور آخر میں تخلیہ کی منزل ہے)

تسمیہ: ایسا تعارف جس میں عظمت کا پہلو پوشیدہ ہو، یا نام رکھنا۔

باب الثاء

ثروت: ذاتِ الٰہی کے علاوہ ہر شئی سے سالک کا بے پروا ہوجانا۔

ثلج احساس: فناء الفناء کے مرتبہ سے گزر کر سالک کے دل پر یقین سے پیدا ہونے والی ٹھنڈک۔

باب الجیم

جبروت: مرتبہ وحدت، مرتبہ صفات، حقیقت محمدی۔

جذبہ: حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بندہ کا ایسا تقرب جو مشیت الٰہی کی روشنی میں بغیر رنج وتعب کے حاصل ہو۔ (اس کا تمام بندو بست بندہ کے لیے منجانب اللہ ہوتا ہے)

جسم: ابعاد ثلثہ کے لیے جو ہر قابل (یعنی وہ جس میں طول، عرض، عمق پایا جائے) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جسم وہ چیز ہے جس کی ترکیب اجزائے متفرقہ سے ہوئی ہو۔ اربابِ علم نے جسم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ نوری اور ناری۔ ناری جسدِ کثیف، ہے اور نوری جسدِ لطیف ہے۔

جلال: رب کائنات کے اوصاف قہر، وہ کیفیات جو خدا وند تعالی کے قہر وغضب سے متعلق ہوں صاحبانِ بصیرت نے فرمایا ہے حق کا بصائر و ہوا بصار سے حجاب میں ہونا (کیونکہ کوئی غیر ہو یت حق کی حقیقت کو نہیں جان سکتا) ارشاد باری ہے **وما قد روا الله حق قدره**، کوئی شخص قدر حق کو اس کی شان کے مطابق یا جیسا کہ اس کی ذات کو جاننے کا حق ہے نہیں جان سکتا۔ اس کی منظر کشی قرآن کریم میں اس طرح ہوئی ہے۔ لا تدركه الابصار وهو يُدرك الابصار، بینائی اس کا ادراک نہیں کرسکتی اور وہ بنیائیوں کا ادراک کرتا ہے۔ (وہ کیفیت اسماء صفات میں قہار وجبار سے ظاہر ہے)

جمال: خدا وند تعالیٰ کے اوصاف لطف ورحمت (کیفیتِ جمال ستار وغفار سے ہوتی ہے)

جمع: مشاہدہ حق (مشاہدہ حق میں اس طرح محو ہوجانا کہ ما سوئ اللہ سے لاتعلق ہوجائے اور کسی کی خبر نہ رہے)

جمع الجمع: مقام فنا، ما سوئ اللہ سے لاتعلقی یعنی بیخودی کامل، مکمل طور پر مستہلک ہوجانا، مقامِ اتحاد واتصال کو بھی جمع الجمع کہتے ہیں۔ (تصوف میں یہ اعلیٰ ترین مقام ہے اسلوک میں اس

سے برتر اور کوئی مقام نہیں ہے)

جمعت: رب تعالیٰ کی جانب انہماک، اشتغالِ کامل میں ہمت کا جمع رکھنا۔شہود حق میں ایسی مشغولیت جس میں غیر اللہ کا تصور بھی نہ ہو۔

جوھر: وہ چیز جو خود قائم بالذات ہو۔ اس کے مقابل عرض ہے جو قائم بالغیر ہوتا ہے۔

جام: مستی وحال پیدا کرنے والی چیز، عارف کا باطن، حقیقت جامعیہ۔

جان: روح انسانی، معانی کی مدرک، اور علوم ربانی کی معلم ومتعلم ارواح مجردہ۔

جان جاں: وہ صفت قیومی جس کے سبب تمام موجودات کا قیام ہے۔ اسے "جاناں" بھی کہتے ہیں۔

جاھل: حق کو اشیاء کے ذریعہ وسیلہ سے جاننے والا۔

جرس: بانگِ جرس، صلصلہ جرس، صوت سرمدی، گھنٹہ کی سی وہ آواز جو جو سالک کی (ظاہری) سماعت ختم ہونے کے باوجود بھی (باطنی طور پر) سنائی دیتی ہے۔ قادر مطلق کی اس صفت کا انکشاف عالم بالا سے متعلق ہے اور ہر وقت، ہر جگہ جاری وساری ہے۔

جُرعه: وہ اسرار جن کا تعلق مقامات اور احوال سلوک سے ہو اور وہ اب تک سالک سے پوشیدہ رہے ہوں۔

باب الجیم (فارسی)

چاہ زنخ: اسرار مشاہدہ کی دقتیں، مشکلات۔

چشم: آنکھ، امید، زخم، توقع اور کسی کے سوال کو قبول کرنا۔چشم مست بھی ہوتی ہے چشم شوخ بھی ہوتی ہے اور چشم بیباک بھی۔ متصوفین اپنی عبارت آرائیوں میں چشم کا استعما اعمال کبھی بصارت ازلی کی جانب اشارہ کے لیے کرتے ہیں اور کبھی سالک کی استعداد کے مطابق شہود کی جانب اور کبھی نگاہِ الوہیت اور اس کے اثرات کی جانب!

معشوق کی چشم شوخ کے اثر ہی سے عشاق کے قلوب متاثر ہوتے ہیں اور ان کے اندر فرط احساسِ قرب ولطف اور کبھی احساس بُعد وغم پیدا ہوتا ہے اور اس اندوہ اور خمار غم سے ان کی اعضاء شکنی ہوتی ہے۔ ایسی چشم شوخ کی بے نیازی وبے التفاتی اور شوخی وترنگ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کائنات ایک نگاہ میں ہست اور دوسری نگاہ میں نیست ہوجاتی ہے۔ ایک انداز سے ظہور میں آتی ہے تو

دوسرے لمحہ فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔کسی کی چشم مست نے اگر متاثر کردیا تو ایسا مست بنا دیتی ہے کہ ہوش میں آنا دشوار ہوتا ہے۔ بہر حال یہی چشم ہے کہ ہر لمحہ ودہر آن ایک نئی شان دکھاتی ہے۔ جذبات اور ولولے کے لیے اگر زبان نہ ملے اور الفاظ کام نہ کرسکیں تو یہی چشمہائے افسوں اپنا کام کرجاتی ہیں۔

انہیں غمزوں میں آساں ہے معافی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا

اس اصطلاح اور اس کے متعلقات کے لغوی اور متصوفانہ معانی بہت ہیں ۔ ہر معنی اپنے اندر معنویت اور اسرار کا بحر بیکراں لیے ہوئے ہے۔

چشم عالم: اس سے انسان مراد ہے۔

باب الحاء

حلال : وہ کیفیت جو ارادہ اور کوشش کے بغیر قلب پر اچانک وارد ہو، بعض صوفیا کا کہنا ہے کہ حال وہ عطیہ ہے جو حضرت الوہیت کی جانب سے بغیر عمل کے قلب پر وارد ہیو۔ جیسے حزن، خوف، بسط ،قبض، شوق وغیرہ، سالک کی بے عملی یا بے التفاتی سے یہ کیفیت زائل ہوجاتی ہے۔ جب حال مستقل ہوجائے تو وہ مقام کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ حال میں استقلال غیر مستقل کیفیت ہے اور اگر حال استقلال اختیار کرلے تو اس کو مقام کہتے ہیں جو اصحاب تمکین کا حصہ ہے۔ صاحبِ حال غال نہیں ہوسکتا۔ صاحبِ حال کے لیے نجات وبلا یکساں ہے۔بعض مشائخ فرماتے ہیں، زبان بیانِ حال سے ساکت ہے، یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ **السوال عن الحال محال**، اس لیے کہ حال فنائے مقال ہے۔

حب: وہ حالت جس میں قلب ماسوئ المطلوب پاک ہوجائے۔

حجاب: مطلوب کو نگاہوں سے مستور رکھنے والی چیز۔ صاحبانِ بصیرت کے نزدیک دل میں ایسی صور کونیہ کا نقش پذیر ہونا جو خالق کی تجلی کو مانع ہوں۔ (پردہ کی تعریف بھی دیکھئے)

حجاب العزت : حیرت اور گرانیکی کیفیت، کیونکہ کشفی ادراک کنہ ذات تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ اور ادراک کی یہی نارسائی حجاب ہے۔

حرف : وہ لغت یا عبارت جس میں خالق اپنے مخلوق (بندہ) سے گفتگو کرتا ہے۔

حروف: (حرف کی جمع) تجلیات جاذبہ کے اواسط جو فنا کی جانب راجع ہوں۔ یعنی صفات خلق کو صفاتِ حق میں گم کردیا جائے۔ ان تجلیات کی ابتدا کو برق اور انتہا کو طمث کہا جاتا ہے۔

حروف عالیات: وہ شؤن ذاتیہ جو غیب الغیوب میں مخفی ہیں۔ (جیسے درخت میں بیج مخفی ہوتا ہے)

حریت: تمام علائق سے علیحدگی وانقطاع اور بندگی کائنات سے خروج، حریت کے کئی مراتبت ہیں، حریت عامہ، اس سے مراد خواہشات کی بندگی سے آزاد ہونا ہے، حریت خاصہ، مرادوں اور آرزؤں کی بندگی سے اس طرح آزاد ہونا کہ اپنے ارادہ کو فنا کرکے حق کے ارادہ کو مراد بنا لے۔ حریت اخص الخواص۔ نور الانوار کی تجلی میں اس طرح محو ہوجائے کہ رسوم وآثار کی بندگی باقی نہ رہے۔

حسن: امر (حق) کے مطابق وموافق کیفیات۔

حضور: قلب کا خلق سے غافل ہوکر حق سے تعلق قائم کرنا۔

حق: وجود مطلق جو کسی قید سے مقید نہ ہو۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے ہے۔ ذالک ان اللہ ہو الحق حضرت ہجویری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق سے مراد ذات خداوندی ہے جبکہ ابن عربی کا کہنا یہ ہے کہ حق وہ ہے جو بندہ پر خدا کی طرف سے فرض کیا گیا ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بندہ کی طرف سے اپنی ذات پر لازم کرلیا ہو۔

حق الیقین: مقام احدیت، شیخ طریقت ابو نصر سراج قدس سرہ، اپنی کتاب ''لمع' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

یقین کے تین درجے ہیں علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین۔ حضرت شیخ ہجویری قدس سرہ، ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں علم الیقین دنیاوی معاملات میں احکام واوامر کا جاننا ہے۔ عین الیقین حالت نزع، جانکنی یا دنیا سے رخصت ہونے کے وقت کا علم ہے اور بہشت میں کشف رویت اور اس کے احوال کے معائنہ کی کیفیت حق الیقین ہے۔

لہٰذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام واوامر پر استقامت رکھتے ہیں۔ عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور حق الیقین محبوبانِ خدا کی فنا کا مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے جدا اور علیحدہ ہوتے ہیں۔

علم الیقین مجاہدہ سے عین الیقین موانست سے اور ح الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ آگ جلانے والی چیز ہے علم الیقین ہے۔ آگ سے دوسروں کو جلتے ہوئے دیکھا عین الیقین ہے اور خود اپنی ہتھیلی پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ لیا جس سے ہتھیلی جل گئی حق الیقین ہے۔ یہ ان حقوق کے تعریفات کی ادنیٰ سی جھلک ہے۔ تفصیلات کے یہاں گنجائش نہیں البتہ اس سلسلہ میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرنا ضروری ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ علم الیقین وہ نور ہدایت ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہنچتا ہے۔ اور حق الیقین تک (فی الوقت)ہماری رسائی نہیں۔

حقیقت: مجاز کے مقابل ہر شئے کی ایک کیفیت، تعینات کے حجابات کے بغیر ذات حق کا ظہور، محل وصال میں بندہ کی استقامت اور محل تنزیہہ پر بندہ کے باطن کا وقوف ، اوصافِ الٰہی کے غلبہ کے نتیجہ میں بندہ کے اوصاف کا فنا ہوجانا۔

حشرو نشر: دو الفاظ کا مجموعہ جو ایک اصطلاح کی شکل میں مستعمل ہے۔ حشر سے مراد تعینات عالم اک وحدت کی جانب رجوع ۔نشر وہ بسط ہے جو فیوض الٰہی کی بدولت حقیقت واحدہ کو کثرت کی صورتوں میں ظاہر کرتا ہے۔

حرق: تجلیات جاذبہ کے اواسط جو فنا کی جانب راجع ہوں ان تجلیات کی ابتدا کو برق اور انتہا کو طمث کہا جاتا ہے یعنی صفات خلق کو صفاتِ حق میں گم کردیا جائے۔

حیا: کسی کی تعظیم کا وہ خیال جو انبساط سے روک دے۔ کسی کے تقدس کا وہ خیال جو شگفتگی اور بیباکی کے راستہ میں سد باب ہو۔ بعض صاحبانِ بصیرت کے بقول بارگاہِ الٰہی میں ترک دعویٰ بھی حیا ہے۔

حیات: آگاہی شعور ، بروز کسی شئے کا اپنے وجود سے متحد ہونا حیات ہے۔ (اور حیات باری سے سب چیزیں قائم ہیں)

حیرت: اظہار حقیقت پر ششدر رہ جانا۔ اس کو دو انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔ ایک حیرت مذموم جو جہالت کا نتیجہ اور تنزل کا سبب ہوتی ہے اور دوسرا انداز حیرت محمود ہے جو علم کے کے نتیجہ میں عروج وترقی کا سبب بنتی ہے۔

حضور: مقام وحدت، قلب کا خلق سے غافل ہوکر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا۔

حسن وجمال: وہ کشش جو کسی پذیر قلب کو اپنی جانب منعطف کرے۔

باب الخاء

خاطر: ایک انداز خطاب جو قلب وضمیر پر وارد ہوتا ہے۔ اصطلاحاً خاطر کے معنی ہر وہ وارد جو بغیر فکر سابقہ وتدبر اور عمل کے قلب پر واقع ہو۔ اس کو صوفیا نے خطرہ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ خاطر بندہ کے اختیار سے خارج ہے اور یہ چار قسم پر ہے۔

۱–**خاطر ربانی:** خواطر کی وہ اعلیٰ ترین صنف جو دعوتِ ربانی دے اور اس دعوت میں کسی طرف سے مزاحمت نہ ہو۔ اس کو سبب اول بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ خاطر قوت ونشاط سے بہرہ ور ہوتی ہے۔

۲– **خاطر ملکی:** یہ فریضہ کی ادائیگی پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کو الہام بھی کہتے ہیں۔ یہ جس پر وارد ہو اسکی اصلاح کا سبب بھی بنتی ہے۔

۳– **خاطرنفسانی:** وہ وارد جس میں حظ نفس موجود ہوں۔ اس کو ہاجس بھی کہتے ہیں۔

۴–**خاطر شیطانی:** وہ وارد ہے جو مخالفت حق پر ابھارے۔

خلوت: تبتل الی اللہ، انقطاع از ما سویٰ اللہ، (اصل میں خلوت کا مفہوم یہ ہے کہ) بندہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ جو راز ونیاز کی کیفیت حاصل ہو اس میں کسی دوسرے کی مداخلت نہ ہو۔

خطرات: وہ احکام (طریقت) جو قلب پر وارد ہوں۔

خطرہ: وہ داعیہ ہے جو بندہی کو قرب کی دعوت دیتا ہے اور بندہ اس کو دفع کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

خوف: ناپسندیدہ کام کے وقوع سے ڈرنا۔ اچھے کام کے بارے میں حیطہ اختیار سے باہر ہونے کا اندیشہ، مقامِ سلوک میں خوف علم ومعرفت سے پیدا ہوتا ہے اور بقول امام غزالی، خوف، یقین ومعرفت کا اول مقام ہے۔ معرفت کے حصول کے بعد خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد، صبر اور توبہ جنم لیتے ہیں۔

خمار: لغوی اعتبار سے بادہ فروش، اصطلاح تصوف میں مرشد وشیخ جو مئے توحید سے مخمور کرکے دنیا سے بیگانہ کردے۔ اس لیے خانہ خمار کو خرابات مقامِ وحدت بھی کہا جاتا ہے۔

خم: جائے وقوف۔

خم خانہ: غیب وشہود کی منزلیں، مرکز ورودِ تجلیات (اسی لیے قلب کوخمخانہ کہا جاتا ہے)

خال: نقطہ وحدت جو اپنی تمام حقیقتوں کے ساتھ قلب انسانی پر ظاہر ہو۔ اصطلاح تصوف میں معصیت کی اس ظلمت کو بھی کہا جاتا ہے جو طاعتوں کی نورانیت کے درمیان ہو بشرطیکہ طاعت کے مقابلہ میں معصیت کم ہو۔ جیسے کہ رخِ زیبا پر کال، اس کو بانداز دگر اس طرح بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' صاحبانِ کمال کے پاس ثروتِ دنیا کا ہونا جو ان کے عارض نورانی پر بمنزلہ (سیاہی کا دھبہ) خال کے ہے۔ خال کو تصوف ہی میں نہیں فارسی زبان کے متصوفانہ ادب میں بھی بہت ہی لطیف پیرایوں میں استعمال کیا گیاہے۔ اورمشہورصوفی شاعر حافظ شیرازی نے تو محبوب کے خال پر سمر قند اور بخارا کو بھی قربان کردیا۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمر قندو بخارا را

لیکن خال کی ایک جامع ومانع تعریف ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے۔ انسان کامل کا دل خار راہ، موانع سلوک یا خودی۔

خانقاہ: شیخ کے قیام کی جگہ، عالم تنزیہہ، لغوی زبان میں لفظ خانقاہ کا تجزیہ اس طرح کیاجاسکتاہے کہ یہ فارسی زبان کے دو الفاظ خانہ اور گاہ سے مرکب ہے جو کثرت استعمال یا معرب کرتے وقت خانقاہ بنا اور فقر اور راہِ سلوک کے رہنے کی جگہ کو خانقاہ کہا جانے لگا۔

ختام: مقامِ قرب کی انتہا۔

خرابات: مظاہر جلالی، خرابی عالم بشریت، عزلت خانہ پیرو مرشد جہاں طالب کی عقل زائل ہوجاتی ہے اور اسکے ہوش وحواس غائب ہوجاتے ہیں صوفیا خرابات سے عالمِ با ہوت (تشبیہ) بھی مراد لیتے ہیں۔

خرابی: تدابیر وتصرفات عقلی میں انہماک۔

خرقہ: وہ لباس ہے جو شیخ طریقت اپنے مرید کو بیعت لیتے وقت قبل تکمیل یا بعد تکمیل عطا کرتا ہے۔ مشائخ وصوفیا عام طور پر اپنے مرید کو تکمیل مراحل تصوف کے بعد جو مخصوص قسم کا عبا پہناتے ہیں۔ اس کو اصطلاحِ تصوف میں خرقہ خلافت کہا جاتا ہے۔ خرقہ کو دراصل ولایت شیخ کا نشان، سایہ یا پرتو کہا جاتا ہے جس سے مرید بتدریج شیخ کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔

خط: برزخ، کبریٰ (دائرہ وجود) حقیقت محمدی، غیبت وشہود کے درمیاب حدِ فاصل۔

خلافت: شیخ اپنے مرید یا ایسے شخص کو جو رشد وہدایت اہل ہو جب اجازت بیعت دیتا ہے اس کو اصطلاحِ تصوف میں خلافت کہا جاتا ہے۔

خاتم: نہایت کمال کو پہنچنے والا جس نے تمام مقامات مکمل کر لیے ہوں۔

باب الدال

دال: وہ صولت، شان وشکوہ جو غلبہ نفس یا داعیہ نفس کے باعث صادر ہو۔

دف: طلب مطلوب کیجانب اشارہ بعض اوقات دف دسے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دارالاسباب: دنیا، عالم ناسوت۔

درۃ البیضاء: عقل اول، سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اول ما خلق اللہ العقل، رب کائنات نے کائنات میں سب سے پہلے عقل کو پیدافرمایا۔

درویش: کشتہ انوار تجلی ہونے کے بعد یا اپنی خودی سے منزل فنا تک رسائی کے بعد بقا کو حاصل کرنے والا جو مستغنی عن الغیر ہوجائے۔

دھن: صفت متکلمی، سرخفی جس کا ادراک محال ہو۔

دریا وساحل: عام طور پر ہستی وجود کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اسی ہستی وجود کے ساحل کو نطق کہا جاتا ہے۔ جسم انسانی کو بھی دریائے ہستی کا ساحل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نطق بھی جسم انسانی کی ایک صفت ہے۔

دوش: ازل، عالم غیب، کبریائی حق۔

دوزخ: تجلی جلال، احکام کثرت، خواہشات نفسانی۔

دوری: عالم کی کیفیات سے آگاہی۔

دنیا: حق تعالیٰ سے غفلت کا نام، شیخ جعفر خلدی فرماتے ہیں، چار چیزوں کا نام دنیا ہے، مال، کلام، خواب، مال سرکش بناتا ہے۔ کلام غافل کرتا ہے۔ سونانسیان پیدا کرتا ہے اور کھانا انسان کو بے ہوش کرتا ہے۔

دیر: خرابات، باطن عارف، عالم تحیر، عالم انسانیت، اسے کلیسا بھی کہتے ہیں۔

دیوانہ: خودی سے بے گانہ، اور طلب حق میں حیران و پریشان۔

باب الذال

ذات: وجودِ باری۔

ذکر: اللہ کی یاد، غیر اللہ کو فراموش کر کے حضور قلب کے ساتھ قربِ الٰہی کے حصول کی جدوجہد، زبان سے ذکر اور قلب میں فکر کی کیفیت، ذکر کا شمار افضل عبادات اور بندگی کے اشرف معاملات میں ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کا اظہار، ایمان کی اصل اور عین ذکر ہے۔ حضرات صوفیائے نے ذکر کے بہت سے انداز اور طریقے بیان کیے ہیں۔ ذاکر الفاظ میں ذکر کرے۔ مثلاً کلمہ االله یا حق یا ھو یاجملہ سبحان الله یالا اله الا الله زبان سے ادا کرے اس کو ذکر جلی کہتے ہیں اور اگر صرف دل میں ان الفاظ کا خیال لایا جائے اور زبان پر الفاظ نہ آئیں تو یہ ذکر خفی ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک بہترین ذکر یہ ہے کہ جس میں دل اور زبان دونوں مصروف ہوں۔ ذکر کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ طالب ومطلوب بندۂ وخالق میں رابطہ پیدا ہو یا وہ خود رفتگی یا جمالِ یار کے مشاہدہ سے پیدا ہو یا تعلق میں اضافہ ہو۔ اس انداز یا کیفیت کو ذکر کہا جاتا ہے۔

ذوق: آغاز مبادی تجلیات الٰہی، ذوق سے مراد وہ نورعرفانی ہے جو خدا وند تعالیٰ اپنی تجلیات سے اولیاء کے قلوب میں بلا کسی ذریعہ کے پیدا فرماتا ہے۔ یا وہ مستی جو عاشق میں شرابِ عشق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ شوق جو کلامِ محبوب سن کر پیدا ہوتا ہے۔ یا وہ خود رفتگی جو جمالِ یار کے مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے۔

ذھاب: غیبت اور از خود رفتگی، ذہاب تمام تر غیبت ہی غیبت ہے بعض اربابِ بصیرت نے فرمایا مشاہدہ محبوب کی محویت میں ہر محسوس شئے کی جس سے قلب کا بے خبر ہوجانا زہاب ہے۔

باب الراء

رجا: سخی کی سخاوت پر اعتماد، چشم حال سے جمال یار کو دیکھنا، حسن عدہ پر دل کی شادمانی، رجا کی تولید محبت سے ہوتی ہے۔ جبکہ خوف سالک مبداء علم ومعرفت ہے۔

رضا: (۱) منزلِ سلوک کا اعلیٰ مقام جو مقامات کی انتہا ہے۔

(۲) مرضی الٰہی پر شاکر ہونا (جس کا ادنیٰ مرتبہ صبر اور اعلیٰ مرتبہ تسلیم ہے)

رمس: قلب سے نفی عین کرنے والی کیفیت

روح: امر ربی، لطیفہ بدنی کا رب، حیاتِ حسی کا مصدر، قوائے نفسانی پر فیضانِ حیات کا منبع، اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم میں موجود رہنے سے جسم میں زندگی رہتی ہے اور جس کے نکل جانے سے جسم مردہ ہوجاتا ہے۔ حرکتِ حیات کا سبب قریبی روح ہی ہے جو ہر چیز میں جاری وساری ہے۔ روح کے کئی مدارج ہیں۔ حیوانی روح نباتاتی روح سے افضل ہے جبکہ روح انسانی روحِ حیوانی سے افضل ہے۔ روح انسانی تین اجزا پر منقسم ہے اور ہر قسم پر روح کا اطلاق ہوتا ہے۔

روح حیوانی: وہ ہوائے لطیف جو جسم میں قبولیت حیات کی صلاحیت اور رحمِ مادر میں تخلیق انسانی کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔

روح انسانی: حضرت علیم کی شعاع علم جو مادہ (نطفہ) انسانی پر پڑتی ہے اور رحمِ مادر میں تخلیق انسانی کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔

روح القدس: سر الٰہی، وجود ساری، روح الارواح۔

رفتن: عالم علوی سے عالم سفلیٰ کی جانب تنزل۔

رشحات: لغوی معنی قطرات کے ہیں۔ اصطلاح تصوف میں وہ علوم وفیوض معارف وحقائق مراد ہوتے ہیں۔ جن کا تقاطر سالک کے قلب پر عالم قدس سے ہوتا ہے۔

رسم: وہ عبادتیں جو عادتاً بلا نیت تقربِ حق ادا کی جائیں۔ کبھی رسم سے خلق یا صفاتِ خلق مراد ہوتی ہیں۔

ردا: سالک میں صفات حق کا ظہور یا صفاتِ حق میں سالک کا ظہور، یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سالک کا صفاتِ حق اپنانا۔

راحت: وہ امور جو قلبی ارادہ کے مطابق پیش آئیں۔

رنج: اوامر نواہی۔

رند: طاعت میں اعمال سے قطع نظر کرنے والا جو رموز وحقائق بلا تکلف بیان کرے۔

رویت: وہ مشاہدہ بصری جس کا عالم دنیا سے تعلق ہو یا عالم آخرت سے بعض حضرات نے فرمایا

کہ کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا۔

ریاضت: تہذیبِ اخلاق، تزکیہ نفس اور اوصافِ ملکوتی کے حصول میں مشقت برداشت کرنا۔

رین: کفر وضلالت کا وہ حجاب جو دل پر پڑا رہتا ہے جس کا کشف ایمان کے بغیر نہیں ہوتا۔ رب تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

کلا بل ران علے قلوبھم ماکانوا یکسبون۔

ریحان: وہ نور جو ریاضت اور صفائے باطن سے حاصل ہوتا ہے۔

ریا: نمود ونمائش کی غرض سے ریاضت کرنا اور یادِ الٰہی سے غافل ہونا۔ نمودو نمائش کا جذبہ شامل ہونے کا باوجود اگر خلوصِ نیت کے ساتھ کی جانے والی عبادت کا پتہ چل جائے/ ظاہر ہوجائے تو اسکو ریا نہیں کہیں گے۔ (ریا کا مسکن قلب ہے اعمال سے اسکا تعلق نہیں)

رقیب: وہ چیز جو محبّ ومحبوب کے درمیان رخنہ اندازی کے درپے ہو۔ اسے نفس امارہ اور حواس خمسہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لغت میں رقیب کے معنی یہ کیے گئے ہیں، پاسبان، نگہبان اور وہ دوشخص جو ایک ہی شخصیت پر عاشق ہوں۔ ہر ایک دوسرے کا رقیب کہلاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے سے معشوق کی نگہبانی حفاظت اور بچاؤ کرتا ہے۔

باب الزاء

زھد: زہد وہ کیفیت ہے جو سالک کو مقامات طریقت میں سے کسی مقام کے حصول کے لیے آمادۂ ومستعد کرے۔ اسی وجہ سے ورع کو زہد قرار دیا گیا ہے۔ صوفیائے کرام نے اپنے اپنے انداز میں زہد کی تعریف کی ہے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ زہد دنیا میں ٹاٹ پہننا اور جو کی روٹی کھانے کا نام نہیں ہے بلکہ دنیا سے دل نہ لگانا اور اپنی آرزوؤں اور امیدوں کو محدود ومختصر کرنا ہے۔ ایک صاحب کا ارشاد ہے کہ زہد تین حروف سے بنا ہوا لفظ ہے۔ 'ز' سے مراد ترک زینت ہے۔ 'ہ' سے مراد ترک ہوا ہے (یعنی ترک خواہشات) اور 'د' سے ترک دنیا مراد ہے۔

زاھد: سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ دنیا میں زاہد نہیں ہوسکتا مگر وہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو ثابت فرمایا اور اسی کے ساتھ اس کی زبان کو گویا کردیا۔ دنیا کے عیوب اس کو دکھا دیے اور اس کو دنیا سے دارالسلام کی جانب سلامتی سے نکال لیا۔

زاھد خشک: جاہل، ریا کار جس میں بوئے عشق نہ ہو۔

زبان: اسرار الٰہی۔

زر: ریاضت ومجاہدہ سے کنایہ ہے کیونکہ ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ ہی سالک سفر آخرت طے کرتا ہے اس لیے ریاضت مجاہدہ کو زر کہتے ہیں۔

زلف: سلسلہ تعینات، جذبِ الٰہی ، مقام راز و اخفا، مظاہرہ کثرت، پریشانی یا پریشان کن حالات، ابتلا۔

زمان : فلک اعظم کے حرکت کی مقدار۔

زمستان: مقام کشف۔

زنخ: زبان کی لذتوں کا محل۔

زنار: سالک کی یکجہتی و یک رنگی، دین ویقین کی کیفیات میں استقامت۔

زندگی: محبوب کی نگاہ میں مقبولیت اور اس کی برعکس حالت موت کہلاتی ہے۔

باب السین

سابقہ: عنایت ازلی جو تنزیل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سیر الی السلوک میں مرید ومنتہی کے درمیان متوسط مقام۔

سالک: (۱) قوت علم اور قوت حال سے مقامات کی سیر میں مشغول ہونے والا۔ (۲) یا وہ شخص جس کا علم عین الیقین کی منزل پر پہنچ چکا ہو۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سالک وہ ہوتا ہے جو خالق کائنات تک رسائی حاصل ہونے والے راستہ پر کشف عیانی کے طریقہ پر گامزن ہو۔ راہِ سلوک پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ تصوف میں اس کو درجات کے اعتبار سے سالک مجذوب اور کبھی مجذوب سالک بھی کہا جاتا ہے۔

سحق: قہر الٰہی کے سامنے بندہ کا بیخود بے بس ہوجانا۔

سر: وہ نورانیت جس سے صاحبانِ دل اور راسخین فی العلم ہی واقف ہوں۔ بعض حضرات نے کہا کہ دوستی کے حال کو چھپانا سر ہے۔

سرالسر: ایسا وصف ہے جو اللہ رب العالمین کے ساتھ مخصوص ہے۔

سر العلم: حقیقت علم کو کہتے ہیں یا بقول علامہ کا شانی حقیقت علم سر العلم ہے۔

سر الحال: مراد الٰہی کو سمجھنا۔

سفر: ذات باری کے ساتھ قلب کی توجہ کا نام بعض حضرات کے نزدیک ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت معنوی، سفر کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بندہ مصمم طور پر باری تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ سفر چار ہیں۔ سفر اول سے مراد وحدت سے حجاباتِ کثرت کا رفع ہوجانا ہے۔ اس کا نام سیر الی اللہ ہے۔ یعنی منازل نفس سے افق مبین کی طرف سیر۔ جو قلب کا انتہائی مقام ہے سفر ثانی وجود کثرت سے حجابات وحدت کا رفع ہوجانا ہے۔ اسکو سیر فی اللہ کہتے ہیں تاکہ صفاتِ خدا وندی سے بندہ متصف ہوجائے اور اسمائے الٰہیہ کا تحقق ہوجائے۔ یہ وسیلہ حق ہے اور روح کا مقامِ نہایت ہے۔ سفر ثالث عین جمع اور حضرت احدیت کی جانب ترقی ہے۔ اس منزل پر اگر دوئی باقی رہ جائے تو یہ مقام، قاب وقوسین ہوگا۔ اگر دوئی اور مغائرت ختم ہوجاتی ہے تو یہ ولایت کا مقامِ نہایت ہوتا ہے۔ سفر رابع سیر اباللہ عن اللہ، یہ مقام بقا بعد فنا اور مقامِ فرق از جمع ہے۔

سفه: ترک امر کو کہتے ہیں۔

سکر: لغت میں مستی کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح میں کسی واردقوی کے باعث خود سے بیگانہ اور بیخود ہوجانا۔ حیرت دہشت، غایت بیخودی ومدہوشی، تعطل عقل جو مشاہدہ جمال معشوق کا نتیجہ ہو۔ یہ حالت غیبت سے تقویت پاتی ہے اور لطف ولذت کا باعث ہوتی ہے۔

سواد الوجه فی الدارین: اسی طرح فنا فی اللہ ہوجانا کہ سالک کا ما سویٰ اللہ سے کوئی تعلق باقی نہ رہے۔ اسی کا نام فقر حقیقی، بازگشت اور عدم اصلی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب منزل فقر تمام ہوگئی تو بس اللہ ہی اللہ ہے۔

سوال: طلب حقیقت۔

سواد اعظم: سالک کی پسندیدہ منزل کا حصول۔ نہایت انوار اور شب یلد ابھی سوادِ اعظم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

سوز وساز: فنا وبقا اپنے تمام لوازمہ ونتائج کے ساتھ۔

سه جاده: شریعت، طریقت اور حقیقت کا مجموعہ، یعنی تین راستے جو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

سیر و طیر: سالک کا ایک حال سے دوسرے حال، ایک عمل سے دوسرے عمل یا ایک تجلی

سے دوسری تجلی میں منتقل ہونا سیر یا طیر کہلاتا ہے۔ اگر یہ منازل کشف وکرامت کے واسطہ سے حاصل ہوں تو اس کو سیر کہیں گے اور اگر یہ منازل بلا کشف وکرامت طے ہوجائیں تو اس کو طیر کہیں گے اور یہ منازل بلاکشف وکرامت طے ہوجائیں تو اس کو طیر کہیں گے۔ یہ راستہ جلد اورآسانی سے طے ہوتاہے۔ زبان تصوف میں اس کوسلوک اتم کہا جاتا ہے۔

سیمرغ: ذات مطلق یاعقل کل۔

سیم: ظاہر وباطن کے تصفیہ کا دوسرا نام ۔

سماع: دل کے کان سے حقیقت کو پانا اور دل کی سمجھ سے حقیقت کو سمجھنا۔مخلوق کے کلام کی موجودگی مین حق کے اشاروں سے واقف ہونا۔ جو آواز ظاہری کانوں سے ٹکراتی ہے اس سے ترقی کرکے اس حالت کو جاننا جو راز ہائے باطن کے ''جمع'' کا سبب بنے۔سماع غیب کے خطاب کی طرف دل کو لگانے کا نام ہے ۔تصوف میں سماع سے مرادوہ مجلس بھی ہوتی ہے جہاں اہلِ صفا حظ نفسانی سے مجرد اور عادتِ شہوانی سے بےتعلق ہوکر صدق وصفا کے ساتھ طلب الٰہی کے ذوق وشوق میں جمع ہوں اورضروری شرائط کی پابندی ، آداب کا لحاظ، اصحاب حال کا توحید وعشق الٰہی میں ڈوبا ہوا موزوں کلام حسنِ صورت اور دلکش لحن میں سنا جائے اور یہ اجتماع از اول تا آخر تقرب الٰہی کی نیت سے ہو اس میں کوئی وار جذبہ شامل نہ ہو۔

جو مجالس سماع ان پابندیوں سے آزادہوں ان کوتصوف میں سماع نہیں کہا جاتا۔ رسمی اور نمائشی اجتماعات کوتصوف کے سماع سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھنا اور لکھا جانا چاہیے، کتاب کی طوالت کا خوف اگر دامن گیر نہ وہتا تو اس ہدایت پر خود بھی عمل پیرا ہوتے لیکن اب یہ فریضہ ان لوگوں کے سپرد ہے جوتصوف کے سلسلہ میں تفصیلا کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

باب الشین

شاهد: حق باعتبار حضور وظہور، فروغ نور تجلی مخصوص بارواح طیبہ، مشاہدہ کے اثر سے دل پر مرتب ہونے والی کیفیات واثرات اگر غلبہ علم کا نتیجہ ہوں تو شاہدعلم کہلائیں گے۔ اگر غلبہ وجد کا نتیجہ ہوں تو شاہدحق ۔

شجرہ: نفسِ انسانی، ابن عربی نے اس سے انسان کامل کومرادلیا ہے۔

شرب: (۱) طاعت کی حلاوت، کرامت کی ذلت اور انس سے حاصل ہونے والی راحت۔ (۲) تجلیات کی درمیانی کیفیت جو تجلیات صفاتی کے آثار ونتائج سے مرتب ہو۔

شطح: اصطلاحِ تصوف میں اس کی جمع ''شطحیات'' ہے ۔ لغوی اعتبار سے شطح کے معنی ''حرکت'' ہیں لیکن عارفوں کی دنیا میں وجد کرنے والوں کی وجد کی تیز کیفیت کو ''شطح'' کہتے ہیں۔ شطحیات سے وہ کلمات مراد ہوتے ہیں جو صوفیا کی زبان سے مستی ،شوق اور غلبہ حال میں بے اختیار صادر ہوجاتے ہیں جو بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں مگر باطنی طور پر ان میں کسی سرّ کی جانب اشارہ ہوتا ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

شھود: رویت حق بحق۔

شواھد الحق: حقیقت اکوان کا نام ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مکون کی شہادت دیتی ہے۔

شواھد التوحید: تعینات اشیاء کو کہتے ہیں کیونکہ ہر شے تعین خاص کے ساتھ یکتائی ہے **ففی کل شئی له آیة تدل علے انه واحد۔**

شواھد الاسماء: اکوان کے احوال واوصاف وافعال کا اختلاف جیسے مرزوق کی شہادت رازق کے بارے میں اور ''حیّ کی شہادت'' ''محی'' پر ہے۔

شؤن: افعال کو کہتے ہیں۔

شؤن ذاتیه: ذات احدیت میں اعیان وحقائق کے نقوش کا اعتبار جس طرح بیج یا گٹھلی میں درخت اپنے لوازم کے ساتھ۔

شیخ: ہادیٔ طریقت ،رہنما، استاد، طالبانِ حق کو تعلیم وتربیت، توسل، تصرف اور فیضان کے ذریعہ بارگاہِ الٰہی سے روشناس کرانے والا۔ ایسا انسان جو علوم شریعت طریقت اور حقیقت میں تکمیل کی منزل تک پہنچ چکا ہو۔

اصحاب تصوف شیخ کے تین انداز بتاتے ہیں:

شیخ کامل: وہ ہوتا ہے جو خود تو کامل ہو لیکن دوسروں کی تکمیل نہ کراسکے۔ البتہ تصوف کی ابتدائی تعلیم دے سکے۔

شیخ مکمل: جو خود بھی کامل ہو اور دوسروں کی بھی تکمیل کر سکے۔ یہ صاحبِ حال ہوتا ہے۔

شیخ اکمل: جو خود بھی کامل ہو اور دوسروں کی تکمیل کی اہلیت رکھتا ہو لیکن غلبہ حال کی وجہ سے

دوسروں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

شگوفہ: اعلیٰ مدارج تصوف۔

شمائل: جمالی اور جلالی خصائل کا امتزاج

شمع: نورعرفان جو قلبِ سالک کو منور کرے۔

شوق: محبوب کی ملاقات کیلیے قلبی کیفیات ۔

شہادت: خالق کی رضا کے حصول کے لئے تن، من، دھن، قربان کردینا شریعت کی زبان میں، شہادت کی دوقسمیں ہیں۔ (صغریٰ) وہ شہادت ہے کہ راہِ حق میں جان کو قربانی کے لئے پیش کیاجائے اور کبری سے مراد وہ شہادت ہے کہ بندۂ مومن اپنی رضا کورضائے رب پر قربان کردے۔ ہوا ہوس کو چھوڑ کرطلب و رضائے رب کی منزل اختیار کرے۔

شہر: وجود مطلق۔

شیدا: تارک الدنیا، صاحبِ جذب وشوق مست الست۔

شرود: آفتوں، حجابوں اور بے قرراری سے نجات طلب کرنا۔

باب الصاد

صبر: اللہ رب العالمین کے سامنے اپنے نفس کو جزع وفزع سے بازرکھنا نیز ناگواریوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ترش رو نہ ہونے کا نام صبر ہے۔ اسکی انتہائی منزل توکل کہلاتی ہے ابومحمد جریری فرماتے ہیں کہ مصیبت کے وقت سکون کا مظاہرہ صبر ہے۔ شیخ عمروبن عثمان مکی نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین کے حکم کی تعمیل، اس پر استقامت کا مظاہرہ اور خندہ پیشانی کے ساتھ مصیبت کو برداشت کرنا صبر ہے۔ ایک اور صاحبِ وقت نے فرمایا مرضی کے مطابق کام نہ ہونے پر مشیت الٰہی پر انحصار کرنا اورکلمہ شکایت زبان پر نہ لانا صبر ہے۔

صحو: غیبت کی منزل سے احساس کی جانب عارف باللہ کی واپسی یا بے خودی کے بعد احساس کی کیفیت حاصل ہونا (یہ سکر کا مد مقابل ہے)

صاحب الزماں: صاحب وقت، ایسی حقائق اشیاء پر مطلع ہونے والا جوحکم زماں سے خارج ہوں۔

صباء: وہ ہوا جو صبح کے وقت عرش کے نیچے سے چلتی ہے یا وہ خنک ولطیف ہوا یانسیم خوشگوار

جس سے گلہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں ۔ خیر پر ابھارنے والے دواعی ۔

صحق: تجلی ربانی کے وقت فناء الفنا کی منزل۔

صدا: انعکاس صوت ، گنبد جنگل یا ویرانہ کی آواز بازگشت۔

صفت : ذاتی طور پر قائم نہ رہنے والی چیز، کسی شخص یا چیز میں پائی جانے والی خوبیاں۔

صفات جلالی: وہ صفات جو اللہ تعالی کی عظمت وجلال کو ظاہر کریں۔

صفات جمالی: اللہ تعالیٰ کے وہ صفات جو اسکے لطف وکرم کو ظاہر کریں۔

صفات ذاتی: وہ خوبیاں جو کسی ذات میں پائی جائیں اور ن خوبیوں کی ضد یا عکس اس کے شایانِ شان نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت وعزت وعظمت ۔

صفات فعلی: ایسی صفات جن کے حامل کا ان صفات کی ضد سے متصف ہونا بھی ممکن ہو جیسے رضا، رحمت سخط وغضب۔

صاحب تلوین: مغلوب الحال یا ایسا مبتدی جس نے ابھی وادی تصوف میں قدم رکھا ہو۔

صاحب تمکین: وہ منتہی جو تابع حال نہ ہو یعنی حال کی آمدورفت اور اس کا قیام اس کے قبضہ واختیار میں ہوایسی شخصیت کو ابوالحال بھی کہا جاتا ہے۔

صاحب خدمت: اللہ رب العالمین کے وہ بندے جو اپنی کیفیت وصلاحیت کو ظاہر کیے بغیر امور تکوینی کے انتظام و انصرام کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ انہیں اولیائے ظاہر کے مقابلہ میں اولیائے مستور بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رجال الغیب کے نام سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

صلاح: نیکی، ہمیشہ عبادت الٰہی میں اشتغال رکھنا۔

صالح: صادق فی اللہ یعنی وہ شخص جو ہر کام رضائے رب کے لیے کرے۔ لیکن ان کاموں کے سبب دنیا وعقبیٰ میں جنت کا متمنی اور دوزخ سے ترساں ہو۔

صلح: اعمال وعبادات کا شرف قبولیت حاصل کرلینا۔

صمدیت: سلوک کی منازل میں سے ایک منزل ہے جہاں پہنچ کر انسان صفات بشریٰ سے کنارہ کش ہوکر شہود ذات کے سرور میں صفات ملکوتی حاصل کرلیتاہے اور ایسا محوہوتا ہے کہ اکل وشرب کا ہوش نہیں رہتا۔

صنم: حقیقت روحی، صورت صفاتی کی تجلی کا ظہور۔

صراط مستقیم: کشف کی جانب لے جانے والا راستہ۔

صفو: برگزیدگی، صفائی، تزکیہ، اصطلاح، تصوف میں ان صفات کے حامل کو صاحبانِ صفوت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے دل غیرت کی کدورت سے پاک ہوتے ہیں۔

صور کونیہ: موجودات خارجیہ، جو عالم واقعہ میں موجود ہوں۔

صومعہ: لغت میں عبارت خانہ کے معنی میں مستعمل ہے لیکن اصطلاح میں عیسائیوں کے عبادت خانہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ تصوف میں صومعہ سے مراد مقام تنزیہہ ہے۔

باب الضاد

ضبط: حدود کے اندر رہ کر کسی چیز کی نگرانی۔

ضیا: نور مخلوط بہ ظلمات کو صاحبان تصوف نے ضیا کہا ہے۔ لغت میں ضیا مطلق روشنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ صوفیا نے فرمایا ہے ضیا نور سے قوی ہوتی ہے اور نور سنا (روشنی) سے قوی ہوتا ہے۔

باب الطاء

طریقت: سیر سالکاں یا روش ارباب حال، تہذیب اخلاق، بری عادتوں کو اچھی عادتوں سے تبدیل کرنا، اسی کو سفر در وطن بھی کہا جاتا ہے۔ طریقت کے معنی کو سمجھنے کے لیے اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ حقیقت مغز اور شریعت کے درمیان ایک برزخ یا رابطہ ہے۔ اسکو بانداز دگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ شریعت نسخہ ہے (ازالہ مرض کے لیے مجوزہ دوائیں) اور طریقت اس کا درست استعمال، حقیقت اس نسخہ کے صحیح استعمال سے نتائج کا حصول ہے۔ روحانی زندگی میں ترقی حاصل کرنے کے لیے سفر اور سیر کے مقامات ومنازل سے گزرنا ہوتا ہے۔ صاحبِ کتاب ''اللمع'' نے طریقت کے لیے یہ سات مقامات بتائے ہیں توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل اور رضا، ان مقامات کو یکے بعد دیگرے طے کرنا طریقت ہے (اصطلاحات تصوف کا عموما اور مصطلحات طریقت کا خصوصا اس مختصر رسالہ میں تفصیلا بیان کرنا اور اسے ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ یہاں کوزہ میں دریا کو بھرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دیکھا یہ ہے کہ ہم کس قدر کامیاب ہوئے ہیں۔)

طمس: عین کی ایسی نفی کہ بعد میں اس کا اثر بھی نہ رہ جائے۔ صفات باری میں صفات بندگی

کا فنا ہوجانا۔ اس کومختصر الفاظ میں فنائے صفاتی بھی کہا جاسکتا ہے۔

طوارق: راتوں کو کی جانے والی مناجاتوں یا اذکار میں قلب پر کسی وارادات کا طاری ہونا۔

طوائع: انوار معارف سے قلب کا منور ہونا یا وہ کیفیات جو اسمائے الٰہیہ کے تجلیات کی ابتداء میں پیدا ہوکر نور باطن سے منور کردیں۔

طاھر: مجاہدہ وریاضت سے اپنے اندر پاکیزگی پیدا کرنے والا (اس طہارت وپاکیزگی کی وجہ سے ذات باری اس کو گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے)

طائر: اعیاں ثابتہ،محل صور علمیہ، تقدیر یا علمِ الٰہی، فرشتگان مقرب۔

طبیب روحانی: شیخ مکمل

طرب: ذات باری کے ساتھ انس اور اس کے سبب سرور قلبی کا حصول۔

طراوٹ: ذات باری کی جانب سے اسباب تخلیق میں انوار کا ظہور۔

طلب۔: ذات باری کے ساتھ ایسی محبت جو دنیاوی اندازوں سے ماوراء ہو۔

طمانیت: حق تعالیٰ کے ساتھ سالک کے قلب ونفس کی ایسی کیفیت جو سکون و قرار کی،مظہر ہو۔

طور ایمن: نفس انسانی۔

باب الظّاء

ظلّ: ظہور کے تمام انداز اور تعینات، وہ وجود اضافی جو اعیان ممکنہ اور تعینات کے ساتھ ظاہر ہوں ظلمت عدمیت، اس کی ایک تعریف وجود خارجی بھی کی جاتی ہے۔ وہ نور جو صور معدومات میں ظاہر ہو وہ ظلّ ہے۔

ظلمت: لغوی معنی تیرگی اور اندھیرے کے آتے ہیں، اصطلاحِ تصوف میں اس کا اطلاق اس علم ذات پر کیا جاتا ہے جو اس کے غیر سے منکشف نہیں ہوتا۔

ظل الله: انسانِ کامل جو حضرت واحدیت سے متحقق ہو۔

باب العین

عارف: صبر کی دولت سے مالا مال، صرف علم ہی سے نہیں بلکہ صفات باری کا بطریق حال و

مکاشفہ جاننے والا ۔ موحد کا دوسرا نام عارف ہے ۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہہ عارف وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی ذات ،صفات ، اسماء و افعال کا مشاہدہ کرایا ہو اور معرفت یہ ہے کہ جس میں شہود کی گفتگو کی جائے ۔

عالم :وہ شخص جس نے ذات وصفات و اسماء الٰہی کے متعلق جو کچھ حاصل کیا ہو وہ بذریعہ علم الیقین ہو اس میں کشف وشہود کا دخل نہ ہو ۔

عالَم: ما سوی اللہ کو عالم کہا جاتا ہے،مخلوقات خدا وندی کو بھی عالم کہتے ہیں ۔ ایک صوفی فرماتے ہیں وجود عالم ظل ہے اور وجود ظلی کے صرف یہی معنی ہوسکتے ہیں کہ وجود باری جو صورت ممکنات میں ظوہر فرما ہو۔ لہٰذا عالم صورت حق ہے اور حق تعالیٰ اس کی روح۔ اس لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحِ عالم کہا جاتا ہے۔

عالم جبروت: مرتبہ صفات الٰہی، عالم لاہوت، عالم ذات خداوندی۔

عالم الامر: عالم ملکوت وعالم غیب، عالم ناسوت، عالم فانی، دنیا و عالم الارواح کو کہا جاتا ہے جو بلا مدت ومادہ حکمِ الٰہی سے وجود میں آیا۔

عالم المخلوقات : عالم الشہادۃ جو مادہ سے وجود میں آیا ہو۔

عدل: ہر چیز کا اس کی اصل جگہ پر رکھنا عدل ہے۔

عرش: لغوی اعتبار سے تخت کے معنی میں آتا ہے، وہ مقام جہاں ربِ اکرم اپنی شان کے مطابق مقام فرمائے ہوئے ہے۔

عرض: قائم بالغیر یعنی جس کا وجود جوہر سے قائم ہو۔

عقل: عالم تمیز، قوت امتیازی، حضرات صوفیا اس کو ''مدرک علوم'' کے معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن یہ بہت سے دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

عقلِ معاش: وہ نور ایمانی جو قانون فکری میں وزن کیا گیا ہو اور جس کا ادراک بغیر آلہ فکر کے نہ ہوسکتا ہو،عقل معاش کی کسوٹی کو فکر کہتے ہیں اور اس کا ہم پلہ لفظ عادت ہے اور اسکی ایک جہت طبیعت ہے۔

عقلِ اوّل: نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عقلِ اوّل کہا جاتا ہے اور کنایتاً کبھی جناب جبرئیل کو صاحب غیاث اللغات نے کہا ہے نو فرشتوں میں سے پہلا فرشتہ،عقل اوّل کو جو ہر اوّل بھی کہتے ہیں۔

علائق: طالبانِ طریقت جن اسباب سے تعلق پیدا کرکے اپنی مراد کو حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

عالم بالله: وہ علم معرفت ہے جس کے ذریعہ تمام بزرگوں نے معرفت خداوندی حاصل کی اور جب تک اس کی ذات سے تعارف نہ ہوا یہ حضرات بذات خود اس کو پہچان نہیں سکے۔ معرفت الٰہی کی غرض وغایت اس کی جانب سے ہدایت واعلام ہے جس کے بغیر علم باللہ کا حصول ممکن نہیں۔

عشق: افراطِ محبت، محبت کا انتہائی غلبہ، بیقرار ہوکر خودکو گم کردینا، فقدان ذات، دوست کی جدائی پر بے صبری۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن بودن
دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بودن

علم مع الله: درجات اولیا اور مقامات سلوک کا بیان علم مع اللہ ہے۔ وہ علم یا معرفت جو بغیر اتباع شریعت کے حاصل ہو، اس کی صحت یقینی نہیں ہوسکتی۔ اتباعِ شریعت یا احکام شریعت پر عمل مقامات سے واقفیت کے بغیر صحیح طرح نہیں ہوسکتا۔

علم من الله: علم شریعت کا دوسرا نام ہے۔

علم الیقین: احکام واوامر اور دنیاوی معاملات کا علم ہے۔ علم الیقین مجاہدہ سے حاصل ہوسکتا ہے، علم الیقین کے ذریعہ عین الیقین اور اسرار وحقائق کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ایک اور تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ یہ وہ علم یقینی ہے جو دلائل وبراہین سے حاصل کیا گیا ہو۔

عماء: مرتبہ احدیت، جس کو سوائے اس کے اورکوئی نہیں جان سکتا اور وہ حجاب جلال میں ہے، نفس رحمانی، تعین وتجلی ثانی۔

عید: تجلیات وواردات قلبی جو اعمال کے نتیجہ میں وارد ہوں۔

عبادت: نیک اعمال بغیر کسی امید کے محض اللہ کی رضا کے لیے انجام دینا۔

عبودیت: بندہ کا اللہ کی معیّت میں مرتبہ الٰہیہ سے خلق کی طرف لوٹ آنا، شریعت کی تعلیمات کو دستور العمل بنانا۔

عدم: اعیان ثابتہ

عزلت: گوشہ نشینی۔

عقاب: عقل اوّل، قلم اعلیٰ۔

عقبیٰ: اعمالِ صالحہ کے ساتھ وہ حجات جو مشاہدہ ذات میں حائل ہوں۔

علت: کسی سبب یا بلا کسی سبب حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ کو تنبیہ۔

علف: شہوات نفسانی یا وہ کام جس سے نفس کو حظ حاصل ہو۔

عنقا: ہیولہ، کیونکہ وہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

عین: سالک کا ذات حق میں محو ہونا اور لذت وصال پانا۔

عین ثابت: آئینہ عالم جو علم الٰہی میں کائنات کی تخلیق سے قبل موجود تھا۔ اب بھی ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گا۔ خارج میں معدوم ہے۔

عیش: دوام حضوری۔

باب الغین

غبغب: لطفِ قہر آمیز۔

غراب: جسم کلی سے کنایہ ہے (جسم کی تعریف جسم کے ذیل میں گذر چکی ہے)

غربت: طلبِ مقصود میں وطن چھوٹنے کا غم۔

غم: طلب معشوق، محنت، قبض و بند۔

غم زدہ: خوف ورجاء التفات و بے التفاتی، لطف وقہر، قضا وقدر، ان کیفیات کی درمیانی حالت۔

غمکدہ: دنیا یا تصوف کی زبان میں مستورین ومحجوبین کا مقام۔

غنچہ: تخلیقِ عالم سے قبل عالم کی حقیقت۔

غوث: مدارجِ سلوک میں قطبیت سے اعلیٰ مرتبہ، فریاد رس۔

غیبت: اپنے وجود کو فراموش کر کے ذاتِ احدیت میں مستغرق ہوجانا۔

غیر: عالم کون۔

غیرت: تصوف میں اس کے دو انداز ہیں، غیرت عن الخلق، اور غیرت عن الحق، غیرت عن الخلق یہ ہے کہ بندہ گناہوں پر شرمسار رہے۔ حقوق العباد کا خیال رکھے۔ اور غیرت عن الحق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اسرار اس پر منکشف ہوں ان کو ظاہر نہ کرے اور خاصانِ خدا کے ساتھ مؤدب رہے۔

غین: قلب پر لطیف پر دہ جو تزکیہ قلب کے ساتھ مجلی ہوتا رہتا ہے جو نورِ تجلی کے انعکاس سے اپنے وجود کو زائل کر لیتا ہے

غلبہ: وہ مغلوبی حالت جس میں سالک کے لیے سبب کا لحاظ اور ادب کی رعایت ناممکن ہو۔

باب الفاء

فترت: ضعف، ناتوانی، سستی، ابتداء سلوک میں وہ چھپی ہوئی حدت جو سالک کو گرماتی ہے لیکن اہم معنی دو پیغمبروں کی بعثت اور ان کے تبلیغی کارناموں کے درمیان کا وقفہ۔

فرق: مشاہدہ عبودیت، خلق کے باعث حق سے احتجاب، فرق کی دو قسمیں ہیں:

فرق اوّل: حق کے مستور اور خلق کے ظاہر ہونے کی وہ کیفیت جو ابتدا میں سالک پر وارد ہوتی ہے۔

فرقِ ثانی: رویت وحدت کے باوجود شہودِ حق کا حصول، حجابِ کثرت کا وحدت میں مشاہدہ، یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں رویت وحدت در کثرت وکثرت در وحدت بایں انداز کہ ایک دسرے کے لیے حجاب نہ ہوں۔

فقر: غنٰی اور اس سے رغبت کے فقدان کو فقر کہتے ہیں۔ دارین سے منہ موڑلینا، فنا فی اللہ ہوجانا، فقیر (صوفی) کے قلب کو آرزو سے اور اس کے ہاتھ کو متاع دنیا سے اسی طرح خالی ہونا چاہیے جیسے اس کا دل ما سوئ اللہ سے خالی ہے۔ **الفقیر هو الغاقد الاشیاء۔** شیخ ابوعبداللہ خفیف فرماتے ہیں: **الفقر عدم الاملاک والخروج عن احکام الصفات۔** (املاک کا نہ ہونا اور احکام صفات سے نکل جانا فقر ہے) شیخ ابو العباس نہاوندی فرماتے ہیں: الفقر بدایۃ التصوف فقر تصوف کی ابتدا اور اس کا آغاز ہے شیخ ابراہیم بن احمد الخواص فرماتے ہیں۔ فقر شرفا کی چادر، مرسلین کا لباس، صالحین کی زینت، متقین کا تاج، مومنین کا زیور، عارفین کا مالِ غنیمت اور مریدین کی آرزو ہے۔

فنا: اپنی ذات سے اوصافِ مذمومہ کو دور کر دینا فنا اور اوصافِ پسندیدہ کا باقی رکھنا بقا ہے۔ فنا کا ایک انداز تو کثرتِ ریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا انداز یہ ہے کہ عالمِ ملک وملکوت کا احساس ختم ہوجائے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فرد عظمت ومشاہدہ حق میں مستغرق ہوجاتا ہے۔ مشائخ اسی قسم کی فنا کا تذکرہ کرتے ہیں اور صوفیاء کرام اسی کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔اس کی اعلیٰ ترین کیفیت کہ فرد کو اپنے ہوش کا بھی ہوش نہ رہے تو یہ منزل یا انداز فناء الفنا کا ہے۔ عدمِ شعور بیخودی۔

فتح: مقامِ ولایت، اسماء الٰہی کے انوار کی تجلیات اور اس کی کیفیات کا ورود۔

فتوح: عبادت، حلاوت، حصولِ مرتبہ مکاشفہ ان باطنی نعمتوں کے حصول کے بعد ظاہری نعمتوں کے حاصل ہونے کی وہ کیفیت کشادگی جو قبض وبسط کی کیفیت کے بعد ہو۔

فریاد: ذکرِ جہر۔

فریب: استدراج (اس کے معنی الف کے ذیل میں آچکے ہیں)

فغان: مستور حالات کا واشگاف ہونا۔

فراست: نورِ الٰہی کی روشنی میں لوگوں کے حالات یا واردات قلبی پر مطلع ہونا۔

فکر: تصور عقلی سے مقصودِ اصلی کی جانب سبقت۔

باب القاف

قبض: حالتِ حجاب میں قلب کی کیفیت، قبض ایسی کیفیت ہے جس کا ورود اکتسابی نہیں ہے اور اس کا ازالہ سعی وکوشش سے ممکن نہیں۔ البتہ عارفوں کے لیے قبض کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے مرید کے لیے خوف کی کیفیت۔

قدیم: سابق الوجود، وہ جس کی ذات سب سے اوّل ہے۔

قرار: حقیقتِ حال سے تردد کا زائل ہونا۔

قرب: بندہ پر طاری ہونے والی واردات کی ایک کیفیت جس میں بندہ قربِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کیفیت کی منظر کشی قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ **واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب۔**

قصد: کسی امر کے متعلق دل میں گزرنے والے خطرہ کی ارتقائی منزل کہ جب کسی عزم کو روبہ عمل لانا ہو۔

قطب: مرکز نظرِ خداوندی، اس ولی کا لقب جس کے قبضہ میں کسی ملک کا انتظام عالم معنوی میں اللہ کی جانب سے سپرد کیا گیا ہو۔

قطبیت کبریٰ: منازلِ قطبیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ منزل، ولایت کی آخری حدود۔

قلب: قلب کے معنی لغت میں دل اور خرد اور درمیانی حصہ کے ہیں۔ منازلِ قمر میں بھی ایک

منزل کا نام قلب ہے لیکن اصطلاح صوفیا میں قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح ونفس انسانی کے مابین ایک درمیانی چیز ہے انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے حکما اسے نفسِ ناطقہ کہتے ہیں۔ روح اس کا باطن ہے اور نفس حیوانی اس کا ظاہر ہے اور اس کے لیے بمنزلہ مرکب کے ہے۔

قوامع: سیر الی اللہ اور توجہ الی اللہ میں تائید الٰہی اور آسمانی امداد جو بندہ کے مقتضیات طبع اور نفسانیت کو دور کرے۔

قاب قوسین: احدیت اور وواحدیت کا مقامِ اتصال، مقام قرب، واقعہ معراج، اصطلاح عرب میں قرب کی انتہائی منزل۔

قاف: حقیقت انسانی۔

قامت: عالم ارواح سے عالم اجسام تک کا فاصلہ، لائق پرستش۔

قبلہ: انسانی توجہ کو اپنی جانب منعطف کرانے والی چیز یا وہ مطلوب ومقصود مجازی جس کی جانب قلب متوجہ تو ہو مگر اس عمل میں یہ خیال بھی دامن گیر ہو کہ وہ پرتو حقیقت ہے اور اس توجہ قلبی میں مقصود کمالِ حقیقت ہو مجاز کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

قد: وجوب وامکان کی درمیانی جگہ۔

قدمین: دو متضاد چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا، مثلا وجود وعدم، حدوث وقدم تشبیہ وتنزیہہ وغیرہ کا ایک ذات مین جمع ہونا۔

قدسیان: ملائکہ صلحا، اولیاء اللہ، صاحبان روحانیت۔

قرب وبعد: سیر قطرہ بجانب دریا، رفع تعینات، خودی کے پردوں کا ہٹنا اس کو کمال قرب کی منزل میں پہنچنے کے لئے اگر یہ کہیں تو برمحل ہوگا کہ صفاتِ الٰہی سے متصف ہونا۔ بشری صفات کی پابندیوں میں جکڑا ہونا، نفسانی لذتوں میں پڑ کر مبدأ حقیقی سے دوری اور حقیقت حال سے بے خبری، قرب وبعد کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ لحاظ رہے کہ یہ کیفیت صفاتی وحالی ہے۔

قلاش: تارکِ تعیّشاتِ دنیاوی بالفاظ دیگر تجلیات سے سیر نہ ہونے والا۔

قلم: تعین اوّل، عقلِ اوّل یا قلم اعلیٰ۔

قناعت: من پسند چیزوں کے نہ ملنے پر ملول نہ ہونا۔ تھوڑی چیز پر راضی ہوجانا۔

قوت: جمالِ الٰہی سے عاشق کا غذا پانا۔

قیامت کبری: لغوی اعتبار سے نہایت درجہ کارِ عجیب ، جس دن ہر شے اپنی اصل صورت پر ظاہر ہوگی۔حق تعالیٰ وحدتِ حقیقی سے جلوہ افروز ہوگا وہ قیامت کبریٰ ہے **یا کل شی یرجع الی اصلہ** ۔کا جس دن مصداق ہوگا۔تعینات ختم اور حجابات درہم برہم ہوجائیں گے۔ یا یوں کہیے کہ جس دس اسماء وصفات کی دولت وحکومت کا ظہور مشہودات سے اٹھ جائے گا وہ قیامت کبریٰ ہوگی۔

قرآن : ذات محض احدیث، بلا امتیاز تمام صفات واسرار کا مرکز ومحور۔

باب الکاف

کتاب مبین: لوحِ محفوظ،نفس کلی، مقدرات جوبصورت تحریر محفوظ ہیں۔

کرامت: بندہ مومن کی جانب سے جو خارق عادت بات ظاہر ہو۔

کشف: لغوی اعتبار سے پردہ اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا۔

کمال: صفات وآثار آدمیت سے منزہ ہونا۔

کنز مخفی: ذاتِ واحد کی ہویّت ،غیب الغیب۔

کنود: اصطلاح شریعت میں فرائض کا ترک کرنا ،طریقت میں فضائل کا ترک۔

کیمیا: موجود پر قناعت اور مقصود کی جانب ترکِ رغبت، یا نظرِ مرشدِ کامل اور عشق۔

کیمیائے سعادت: تہذیبِ نفس، اجتنابِ فضائل سے نفس کو محفوظ رکھنا۔ یا فضائل سے آراستہ کرنا۔

کیمیائے عوام: دنیائے فانی کے مقابلہ میں متاع اخروی کو ترجیح دینا۔

کیمیائے خواص: علائق دنیوی سے دل کو پاک کرکے مکون کائنات کا مسکن بنانا یا قلب کو خلوص واحسان کی دولت سے مالا مال کرنا۔

کعبہ: وصل کی جگہ۔

کفر: کثرت کا وحدت میں چھپاد ینا۔بحرِ احدیت میں تمام اشیاء کو گم کردینا، ظلمتِ تفرقہ گمراہی کے اندھیرے۔

کافر: حق کو تعینات وتکثرات میں پوشیدہ رکھنے والا یا حقیقت کا مجاز میں مشاہد کرنے والا۔

کافر بحہ: عالمِ وحدت میں یک رنگی حاصل کرنے والا، ماسویٰ سے روگرداں ہوکر سوادِ ہستی میں مقام حاصل کرنے والا۔

کل: تمام ظاہر کا مظہر، ذاتِ باری کا اسمِ صفت۔

کتاب: ایسا وجودِ مطلق جس کا عدم نہیں۔

کنار: لغت میں بغل، آغوش، تصوف میں دوام مراقبہ۔

کنشت: تشبیہہ، استیلائے صورت۔

کنہ: ماہیتِ الٰہی جو عقلِ انسانی اور ادراک سے ماوریٰ ہو۔

باب الکاف (فارسی)

گفگتو: محبت کو ابھارنے والی باتیں۔

گل: نتیجہ عمل، لذتِ معرفت، عالم بہ ہیئت مجموعی۔

گلزار: مقامِ کشفِ اسرار۔

گوش: لغوی اعتبار سے کان (عضوِ سماعت) شمسی مہینہ کی چودھویں تاریخ کو بھی گوش کہتے ہیں لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک اسمِ سمیع میں فانی ہونا اور اسکا مظہر بن جانا۔

گوھر سخن: محسوسات ومعقولات میں اشارات واضح۔

گوھر معانی: اسماء وصفات الٰہیہ۔

با ب اللام

لُب: عقلِ منور، نورِ قدس سے مستنیر، اوہام وتخیل کی ظلمتوں سے محفوظ۔

لطف: بقائے سرور ودوام مشاہدہ اور منزلِ سلوک میں تائید الٰہی سے کیفیت سرور کی بقاء، **الله لطیف بعبادہ۔**

لطیفہ: ایسا لطیف اور مشکل اشارہ جو سمجھ میں تو آجائے لیکن الفاظ میں اس کی ادائیگی ممکن نہ ہو۔

لوامع: وہ کیفیت جو دورانِ مجاہدہ مبتدیوں پر طاری ہوتی ہے، فوائد اور اس کے نتائج کے ساتھ قلب پر نورانیت کا ظہور۔

لوائح: نفی کی آرزو کے ساتھ مراد کا اثبات، یہ ایسا سر ہے جو منازل ترقی میں ایک حال سے

دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں سالک پر منکشف ہو۔ لوائح، لوامع اور طوالع یہ تین الفاظ تقریبا مترادف ہیں اور معنوی طور پر کوئی خاص فرق نہیں۔ یہ تینوں امور ایسے مبتلایانِ سلوک پر ظاہر ہوتے ہیں جو ترقی کی منازل پر گامزن ہوں۔ ان میں پہلی منزل لوائح دوسری لوامع اور آخری منزل طوالع ہے۔ لوائح برق خائف کی طرح ظاہر ہوئی اور ختم ۔ لوامع، لوائح سے زیادہ منور ہوتے ہیں لیکن لوائح کی طرح جلد ختم نہیں ہوجاتے بلکہ اس کے اثرات رہ جاتے ہیں اور طوالع اپنی روشنی اور نور میں قوی تر اور زیادہ باقی رہنے والے ہوتے ہیں۔

لیلۃ القدر: وہ شب جس میں سالک خصوصی تجلی سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔اور بارگاہِ احدیت میں اسی تجلی کے بقدر اس کے مراتب بلند ہوتے ہین۔ اور یہی وہ منزل ہے جہاں سے سالک عین الجمع کی جانب پیش قدمی کرتا ہے اور یہ منزل عارفوں کی جلیل القدر ہستیوں کو ملتی ہے۔

لی مع اللہ : مرتبہ اتحاد، یہ انسان کامل کے لیے مختص ہے۔

باب المیم

مجاھدہ: نفس کو عوارض نفسانی سے مجرد کرنے اور اخلاقِ ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنے کی عملی کوشش، نفس کا مقابلہ اور خواہشات کی مخالفت۔

مجذوب: وہ بندہ جس پر خالق ومالک کی نظر ہوجائے اور بغیر ریاضت ومجاہدہ کے مقامات ومدارج عالیہ تک رسائی حاصل کرلے، اللہ تعالیٰ کی یاد میں پہنچا ہوا، یادِ الٰہی میں مستغرق، مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ مجذوب تمام مقامات کو طے نہیں کرتا ہے اس لیے وہ مقتدا اور شیخ نہیں بن سکتا۔ صاحبِ کتاب تعریفات سید شریف جرجانی فرماتے ہیں مجذوب وہ ہے جس کو رب تبارک وتعالیٰ بندوں میں سے چن لے اور وہ بغیر جدو جہد کے تمام مراتب ومقاماتِ عالیہ تک رسائی حاصل کرلے۔

محادثہ: حق تعالیٰ کا عارفوں کی جانب علم ملک والشہادت سے خطاب جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بواسطہ درخت خطاب کیا گیا تھا۔

محاضرہ: مظاہر قدرت یا اس کی نشانیاں دیکھ کر حضورِ حق کی کیفیت کا قلب میں پیدا ہونا۔

محق: فنائے ذات، وجودِ اشیاء کو فی الحقیقت وجودِ ذات جاننا۔

محو: رفع اوصاف وعادات بشری۔

محو الجمع یا محو الحقیقی: وحدت میں کثرت کا باقی نہ رہنا۔

مراد: محبوب جس کو ربانی کشش نے اپنی جانب کھینچا ہو اور بغیر محنت ومشقت کے فائز المرام ہوا ہو۔

مراقبہ: بندہ کا اس بات پر یقین کہ رب کریم تمام احوال قلبی اور راز ہائے درونی سے واقف ہے۔ اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں دل میں مقصود کے تصور کی حفاظت یا دل کی ماسوئ سے نگہبانی، سید شریف جرجانی فرماتے ہیں: **المراقبه استطلة علم العبد باطلاع الرب فی جمیع احواله**۔ شیخ حارث محاسبی فرماتے ہیں: **مراقبت علم دل است در قرب حق تعالیٰ** مراقبہ کے حال اول کی تعریف شیخ حسن بن علی وامغانی اسطرح فرماتے ہین : **علیکم بحفظ السرائر فانه مطلع علے الضمائر**۔

مرشد: وہ ہستی جو صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرے، وہ ہستی جو دین کی پابندی اور رشد ہدایت کی تعلیم دے۔

مرید: دینی وروحانی شاگرد، اپنے ارادہ کو حق تعالےٰ کے ارادہ میں محوکرنے والا جس کے لیے اسماء الٰہی کے دروازے کھل گئے ہوں اور ان کے ذریعہ اللہ سے رسائی حاصل کی ہو۔

مسامرہ: اسرار وغیوب کے بارے میں عارفوں سے ذاتِ باری کا خطاب، بعض صوفیا نے فرمایا کہ مناجات کو بھی بعض اوقات مسامرہ کہا جاتا ہے۔

معجزہ: وہ خلافِ عادت کام جو نبی سے ظاہر ہو اور وہ کام دعوائے نبوت سے متعلق بھی ہو۔ معجزہ کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ نبی اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ کرکے محالاتِ عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور منکروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ رب کریم اپنے مقدس نبی کی دعوت کے مطابق امرِ محالِ عادی کو ظاہر فرمادیتا ہے جن سے منکرین عاجز رہتے ہیں۔ ماسبق سطور میں ہم نے لکھا ہے کہ معجزہ نبی سے ظاہر ہو اور دعوائے نبوت سے متعلق بھی ہو۔ یہاں یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ اور اظہار معجزہ کے وقت نبی بے اختیار وبے بس ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معجزہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو نبی کا ذاتی فعل ہو، جیسے حضرت ابوقتادہ کی آنکھ کو دوبارہ حلقہ چشم میں رکھنا اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بہتر ہوجانا، یا حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر دست اقدس پھیرنا اور اس کا جڑ جانا، یہ قسم اختیاری ہے۔

لیکن دوسری قسم یہ ہے کہ وہ خارق عادت فعل نبی کا نہ ہولیکن کسی سبب سے نبی سے متعلق ہو جیسے سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ جانا، یہ دونوں انداز صفتِ نبوت سے متعلق تو ہیں لیکن ان نفوس قدسیہ کا ان میں اختیار نہ تھا۔

معجزہ کے سلسلہ میں ان سطور کے تحریر کرنے کے بعد بھی تشنگی باقی ہے اس بارے میں مزید صاحبانِ علم وبصیرت سے رجوع کیا جائے۔تفصیلات کی گنجائش نہیں۔

مشاهده: توحید کے دلائل کی روشنی میں اشیاء کا دیکھنا، اسماوصفات کی جہت سے بارگاہ حق میں حاضری۔

حضرت هجویری فرماتے هیں: مشاہدہ، زبان کی عاجزی کے ساتھ قلوب کا حضور ہے۔

معرفت: خدا شناسی ، وہ عقلِ معاش جو نورِ ایمانی کے بغیر ادر اک خداوندی سے قاصر ہو۔ حضرات صوفیا اس معرفت کو جو اکتساب یا تدریس سے حاصل ہوعلم کہتے ہیں اور وہ علم یا معرفت جو اس طریقہ کا ر کے علاوہ صرف صوفیا کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو معرفت یا عرفان کہاجاتا ہے صوفیا کا کہنا ہے کہ کشف کے ذریعہ معرفت خدا وندی براہ راست حاصل ہوتی ہے ۔ یہ علم ومعرفت ومنطق و فلسفہ اور مناظرۂ وابحاث کے روایتی طریقوں کا مرہون منت نہیں بلکہ توفیقِ الٰہی اور مشیت خدا وندی سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں عطا فرماتا ہے جن میں اخذ اور وصول حقیقت کی صلاحیت موجود ہے۔معرفت ایسا نور ہے جو باصلاحیت قلب سالک پر فروزاں ہوتا ہے۔ اور اس نور کی تجلیات تعینات ااور قویٰ کو مضمحل کرکے دوسرے (اور ماسویٰ) سے باز رکھتی ہیں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **من عرف الله كل لسانه** (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گونگی ہوگئی) شیخ محمد بن واسع نے فرمایا ہے **من عرف الله قل كلامه ودام تحيره** (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی گفتگو کم ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لیے عالم حیرت میں آ گیا۔)

مقام: اپنے مطلوب کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سخت محبت اور حسن نیت کے ساتھ عارف کا اس منزل پر قیام، ہر مرید کے لیے ایک مقام ہوتا ہے۔ جو منزل سلوک کی ابتداء یا آغاز طلب کا سبب بنتا ہے۔ گوکہ طلب ہر مقام سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور ہر مقام سے گزرتا ہے لیکن ایک مقام اس کا مستقر بنتا ہے۔ ارشاد خدا وندی ہے: **ومنا الا له مقام معلوم**۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا مقام ''توبہ'' حضرت نوح علیہ السلام کا ''زہد'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ''تسلیم'' حضرت موسیٰ علیہ

السلام کا ''انابت'' حضرت داؤد علیہ السلام کا ''حزن'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''رجا'' حضرت یحیٰ علیہ السلام کا ''خوف'' اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ''ذکر'' تھا۔ ان مقدس حضرات کی یسر ہر مقام پر تھی لیکن ہر ایک کا رجوع ان کے اصل مقام کی طرف تھا۔

مقام کی تعریف باانداز دگر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ سالک کے قلب پر جو وادارت مثلاً قبض وبسط، حزن وطرب وانس، مستی وبیخودی یا دیگر کیفیات جو حق تعالیٰ کی جانب سے اچانک عارض ووارد ہوں اس کو حال کہتے ہیں لیکن یہ کیفیت سالک کی بے عملی وبے التفاتی سے زائل ہوجاتی ہے۔ مگر جب یہ کیفیات دائمی ہوں اور سالک کا ملکہ راسخہ بن جائیں تو یہ منزل مقام کی ہے۔ کیونکہ مقام میں وہ استقلال ہے جو حال میں نہیں۔ اسی لیے اصحابِ تمکین یہاں فائز ہوتے ہیں۔

مکاشفہ: ایسی حضوری ہے جو احاطہ بیان میں نہیں آسکتی۔ بسط کے مطابق یوں کہیے کہ یہ ایسی معنوی حضوری ہے جس سے عالم ناسوت، ملکوت اور لاہوت، نفس قلب روح سر کے سامنے آشکار اور منکشف ہوجائیں، یا اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو دنیا میں پیش آنے والے واقعات سے قبل از وقت مطلع فرما دینا۔ مکاشفہ سے عارف پر جلالِ الٰہی کی ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جس سے وہ عالمِ تحیر میں پڑ جاتا ہے۔

ملجا: لغت کے اعتبار سے جائے پناہ، اصطلاح میں حصولِ مقصد کے لیے قلبی اعتماد۔

مُلک: عالمِ شہادت، عالم محسوسات، عالم اجسام۔

ملکوت: عالم غیب جو ارواح، نفوس وملائکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

منجا: محلِ آفت سے قلب کا رہائی پانا، یا وہاں سے ہٹ جانا۔

موت: ہیات اجتماعی کا تفرقہ، خفاء

موت ابیض: جوع، بھوک، پیاس، اور نیند پر قابو حاصل کرنا چونکہ اس سے روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے اس کو ابیض کہا گیا ہے۔

موت اخضر: یعنی مستقبل کے لیے خواہشات کو خیرباد کہہ دینا، چونکہ سرسبزی یا ترقی کی ابتدا ہوتی ہے اس لیے اس کو اخضر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

موت اسود: یعنی دارین سے قطع تعلق کرنا۔ چونکہ دونوں جہاں سے آنکھیں بند کرلی جاتی ہیں اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اس لیے اس کو اسود کہا گیا۔

موت اختیاری: خواہشات نفسانی کا قلع قمع، جسمانی لذتوں سے اعراض توبہ، **موتوا قبل ان تموتوا۔**

موت اضطراری: روح کا جسم سے بےتعلق ہوجانا اوراسکو عمومی زبان میں موت کہا جاتا ہے۔

مہر: یہ جاننے کے باوجود کہ ہماری پیوستگی اصل کے ساتھ ہے اس اصل کی جانب میلان کرنا یعنی ذات باری سے بےغرض محبت کرنا۔

مہربانی: صفت ربوبیت۔

میخانہ: خانقاہ شیخ، باطن عارفِ کامل، عالم لاہوت وجبروت، لغوی اعتبار سے شراب خانہ یا میکدہ۔

میدان: مقامِ شہود۔

میزان: عدالت، اصطلاح صوفیا میں عقل جوانوار قدس سے منور ہو، وہ ترازو جس میں قیامت کے دن اعمال وزن کیے جائیں گے۔

میزان خاص: طریقت، اس کی ایک خاص منزل ہے جو میزانِ خاص الخاص کہلاتی ہے، اس سے مراد عدلِ الٰہی سے تحقق جو منصبِ انسان کامل ہے۔

میل: شعور آگاہی کے ساتھ اپنے اصل کی طرف رجوع۔

میم احمد: تعین اول، احد کا مظہر حقیقی، میم احمد دائرہ موجودات کی جانب اشارہ ہے تمام مراتب کو یہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجزاء (کسی عارف نے یہاں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ علم الاعداد میں میم کے عدد چالیس ہیں اور مراتب موجودات کی کل تعداد بھی چالیس ہے جو اشارہ ہے دائرہ موجودات کی جانب کہ تمام موجودات کا محور ذاتِ باری ہے۔)

مقامات عشر: ان مقامات کے حصول کے بغیر منزلِ ولایت تک رسائی ناممکن ہے۔ ان مقامات کی تفصیل یہ ہے۔ توبہ، انابت، زہد، قناعت، ورع، صبر، شکر، توکل، تسلیم، رضا۔

محدث: جو عدم سے وجود میں آیا ہو۔

باب النون

ن: سے مراد علم اجمال ہے، اس سے مراد داوات بھی ہے کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں، بالا

جمال اس میں موجود ہیں۔، نون سے مراد وہ علم اجمالی ہے جو مرتبہ احدیت میں ہوتا ہے۔

نجباء: یہ برگزیدہ اور مقدس چالیس حضرات ہیں جو اہل دنیا کے کاموں کے انجام دہی پر مامور ہیں، لغوی معنی مرد اصیل، برگزیدہ بزرگ۔

نجوی: خود پر طاری ہونے والی آفات کو اس انداز میں پوشیدہ رکھنا کہ غیر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔

نعت: نسبت کے اظہار کا نام ہے جیسے اوّل، دوم وغیرہ لیکن اصطلاحِ شریعت وطریقت میں نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف جس کا اظہار بذریعہ اشعار کیا جائے۔

نسبت: وہ ملکہ راسخہ محمودہ جو سالک کو بذریعہ اکتساب حاصل ہوتی ہے۔

نفس: انسان کا وہ عنصر بد و فاسد جس سے مراد خور وخواب اور روحِ شہوانی ہے اور یہی عنصر انسان کو حسی لذات وشہوات کے اتباع پر برانگیختہ کرتا ہے اس کی موافقت ہلاکت ہے اور مخالفت سببِ نجات ہے عارفوں اور حضرات صوفیا کی تصانیف مخالفتِ نفس کی تعلیمات سے بھری ہوئی ہیں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مفتاح عبادت فکر اور نفس وہوا کی مخالفت کرنا ہے۔ گویا کہ نفس کی مخالفت ترک آرزو میں مضمر ہے۔ یہ لطائف ستہ میں سے ایک لطیفہ ہے۔ جسم انسانی میں اس لطیفہ کا مقام ناف سے متصل ہے۔

نفسِ امارہ: طبیعت انسانی کے لذات ودنیا اور اعمال بد کی جانب میلان کو نفس امارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **ان النفس لا مارۃ بالسوء۔**

نفس لوّامہ: نور قلبی کی ہدایت کے بعد نیک کام کرکے ماضی کے اعمال پر اظہارِ ندامت اور قلب کو ملامت کرنے والی کیفیت کے اظہار کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔ **لا أُقسم بالنفس اللوّامہ۔**

نفس مطمئنہ: جو نور قلب سے اس طرح منور ہو کہ صفاتِ ذمیمہ اس سے رخصت ہوجائیں، اخلاقِ حمیدہ کا مالک بن جائے اور وہ جہتِ قلبی کی طرف متوجہ ہوکر عبادات وطاعت پر مواظبت کرنے لگے تو اس کو بارگاہِ الٰہی سے بشارت ملتی ہے۔ **یآیتھا النفس المطمئنہ الخ۔**

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، لباس صفات ذمیمہ اتار کر اخلاقِ حمیدہ کی خلعت لطیف کو پہننے والے نفس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔

نفی: صفاتِ بشری کو مٹا کر سلطانِ حقیقت کا اثبات۔

نقباء: نقیب کی جمع، لغت میں نقیب اس کو کہتے ہین جس کا نسب معلوم ہو۔ نقباء وہ اولیاء اللہ ہیں جو لوگوں کے ضمائر سے آگاہ ہیں۔ ان کی تعداد بعض حضرات نے تیس اور بعض نے تین سو بتائی ہے۔ ان سب کا نام علی ہے۔

نور: (۱) وہ وارداتِ ربانی جن کا قلب پر ظہور ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے ایک نام جو تقریبا اسم الظاہر کے مترادف ہے۔

نور النور یا نور الانوار : اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات۔

نہایۃ: وحدت کے رخ سے کثرت کے حجابات کا اٹھ جانا۔ اس کو سفرِ اول بھی کہتے ہیں۔

ناز: ناقص چیز لے کر کامل عطا کرنا، محبوب کا محبّ کو بطریقِ موافقت قوت و ارادہ عطا کرنا اور وہ صفتِ الٰہی جو تمام موجودات کے لیے ضروری ہے۔

ناسوت: بشریف یا عالم بشریت، عالم اجسام جس سے مراد یہ عالم دنیا اور جہان ہیں، کبھی مجازا شریعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ناقوس: لغت میں سنکھ کو کہتے ہیں۔ جو ہندو بوقت عبادت پھونکتے ہیں لیکن صوفیا فرماتے ہیں کہ ناقوس سے مراد صوتِ سرمدی صلصلۃ الجرس، مقامِ تفرقہ یا وہ انتباہ جو توبہ وزہد وغیرہ کی جانب توجہ دلائے یا وہ جذبہ جو بندہ کو خواب غفلت سے بیدار کر کے حق تعالیٰ کی جانب متوجہ کرے۔

نالہ: عاشق کی مناجات۔

نامرادی: سالک کی وہ منزل جہاں ارادہ وخواہش کا کوئی دخل نہ ہو۔

ناموس: حبِ جاہِ خودنمائی شہرت کی خواہش۔

نسیم : عنایت ویادآوری۔

نفحات: وہ فیوض جو قلبِ سالک پر مبداء فیاض کی جانب سے وارد ہوں، اور سالک کی روح کو قدسی مسرتوں سے مشرف کریں۔

نفث روحی: لغت میں نفث کے معنی پھونکنے کے آتے ہیں لیکن اگر نفث کی اضافت روح سے کی جائے تو اس سے مراد وہ خطرہ ہے جو بلا واسطہ ہو اور اس کا فیضان ابتدا سے حق تعالیٰ کی جانب سے عقل اول کے واسطہ سے ارواح قدسیہ پر ہو اس کے بعد روح حیوانی پر جو ہم میں موجود ہے گویا کہ یہ فیضان روح القدس کی وساطت سے ہوتا ہے۔

نقل: اسرار ومعانی کا منکشف ہونا۔

نقطہ جوالہ: مرکزِ توحید۔

نوالہ: عطیہ حق برائے مقربین، خلعت خصوصی۔

نسیم ستی: اپنے استغراق سے آگاہی۔

نے: بانسری، انسانِ کامل، درویش صاحبِ حال، وہ قلم جس سے باطن ظہور میں آتا ہے۔

باب الواء

وارد: بندہ کے عمل کے بغیر جو کیفیت (ازقسم معانی) دل میں وارد ہو اور بقول حضرت شیخ علی ہجویری (داتا گنج بخش) رحمۃ اللہ علیہ کسی معنی کا دل میں حلول کرنا۔ کبھی مطلق حال پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

واقعہ: عالمِ غیب وشہادت سے متعلق جو حال / کیفیت قلب سالک پر واقع ہو، خواطر کے برعکس کہ طالب اس کو کسی طرح اپنی ذات سے دور نہ کرسکے۔

وجد: معناً یہ تقریبا وارد و واقعہ کے مترادف ہے یعنی وجد یہ ہے کہ جو چیز بغیر جہد وتکلف کے قلب پر وارد ہو۔ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد سے مراد وہ برق ہے جو یکبارگی قلب پر چمکتی ہے اور جلد ہی بجھ جاتی ہے۔

وجدان: مقام شہود۔

ورع: شبہات سے بایں طور اجتناب کہ محرمات کا صدور نہ ہوسکے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ تم شبہات سے بالکل پاک وصاف بچ کر نکل آؤ اور ہر لحہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو۔

ورقہ: نفس کلیہ، لوح محفوظ اور کتاب مبین۔

وسائط: واسطہ کی جمع، صورتِ پیرومرشد، سالک کے منزل مراد پر پہنچنے کے ذرائع۔

وصل: ملاقات، محبوب کے بارگاہ کی حاضری۔

وفا: عنایتِ ازلی جو بغیر عمل کے بھی اپنی آغوش میں لے لے۔

وقت: وہ لحظہ اور وہ آن (زمانہ حال) جو ماضی ومستقبل کے درمیان ہے۔ حالتِ موجودہ،

وقت اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر کسی وقت طاری ہو یہ وقت تیزی آتا ہے اور برق رفتاری سے گزر جاتا ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، الوقت سیف قاطع۔ اس لئے کہ یہ مستقبل اور ماضی کی جڑوں کو کاٹ دیتا ہے اور شب وروز کا غم واندوہ صاحب وقت کے دل سے محو کر دیتا ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ وقت مراد ہے تمہارے حال سے جس کا تعلق نہ آئندہ سے ہے نہ گذشتہ سے۔

وجود: کتمانِ اوصاف بشریت کے ذریعہ بندہ کا اپنی ذات سے بےتعلق ہوجانا۔ اس کیفیت میں وجودحق کا تعلّاق بھی ہوتا ہے کیونکہ جب سلطان حقیقت کا ظہور ہوتا ہے تو بشریت باقی نہیں رہتی۔ بعض حضرات نے فرمایا اپنی ذاتی حیثیت سے اپنی ہی ذات کا وجدان وجود کہلاتا ہے۔ ہستی ذات بحث، ہستی مطلق واحدیت، ذات کا وہ مرتبہ جہاں صفات سلب ہوں باری تعالیٰ، وجود کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) **واجب الوجود**، لازم الوجود یعنی جس کا وجود اس کی ذات کا مقتضا ہو۔

(۲) **ممکن الوجود**، جسم مثالی یعنی وہ جو اپنی موجودیت کے لیے دوسرے کا محتاج ہو۔

(۳) **ممتنع الوجود**، روح اضافی

(۴) **عارف الوجود**، اعیان ثابتہ

(۵) **شاهد الوجود**، مرتبہ وحدیت

(۶) **واحد الوجود**، مرتبہ احدیت

وجود اکبر: وہ واصل جو نقطہ انتہا تک اس طرح پہنچا ہو کہ اس میں جمال وجلال کے امتزاج کی صفت اعتدال کے ساتھ باقی رہی ہو۔ اس صفت کے حاملِ افراد منصب ہدایت کے لیے نہایت مناسب ہوتے ہین لیکن ایسے افرادکم پائے جاتے ہین۔ ایسے ہی افراد ظاہر وباطن میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر ہوتے ہیں کیونکہ سروردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال وجلال کے اعتدال کا پرتو ان پر ہوتا ہے۔

وجود کبیر: جن منتہیوں میں جمال وجلال کا اعتدال اس منزل پرنہیں ہوتا جیسا کہ وجودِ اکبر کا اقتضا ہے جتو اس کو وجودِ کبیر سے تعبیر کرتے ہیں۔

ولایت: یہ ایک منصب ہے جس پر حاملان اسرار توحید (انبیاءعلیہم السلام کے علاوہ) فائز ہوتے

ہیں اس کی تعریف جو صوفیائے کرام نے فرمائی ہے وہ علومِ اسرار میں ہے اور ہر کس وناکس ان امور تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ علامہ جامی نے نے شاہد النبوت اور نفحات الانس کے مقدمہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ہم نے ان مقدمات کو ماضی میں بھی مطالعہ کیا تھا اور اس دوران بھی دے کھا لیکن اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اپنے مقرب بندوں کے طفیل دسترخوان ولایت سے چند ذرے عطافر مادے تو ہم ولایت کی تعریف سمجھ سکیں۔ ولی شریعت وطریقت کا ایسا مجمع البحرین ہے جو اتباع سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہری وباطنی طور پر اس قدر سرشار ہوجس کے اعمال واقوال کو دیکھ کر قلب منور اور ظاہر آراستہ وپیراستہ ہوجائے۔

ولی کی تعریف وتوصیف کے سلسلہ میں تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ ولی وہ ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے تو غلط نہ ہوگا۔ ولایت کی دوقسمیں ہیں عامہ اور خاصہ، ولایت عامہ تمام مومنین کے لیے ہے اور ولایت خاصہ صرف اربابِ سلوک کے لئے ہے اور یہ واصلین کا حصہ ہے اس سے مراد **فناء العبد فی الدق بقائه به۔**

وهم: پندار، وہ قوت جو ہر خوبی کو ہلاک وبرباد کرد۔

ولدیت: (واو کے فتحہ کے ساتھ) توحید کے اسرار کا وہ فیضان جو سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام لی مع اللہ میں براہ راست حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس لفظ میں واؤ کی حرکت پر معنی آفرینی کی ہے جن کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

باب الهاء

ها: اعتبار ذات بلحاظ حضور وجود۔

هاهوت: وہ مقام جس کی جانب کنت کنز مخفیا سے اشارہ ہے۔

هباء: عقلِ اوّل کے بعد چوتھا مرتبہ۔

هجر: کیفیت فراق بعدِ وصال۔

هشیاری: غلبہ عشق سے افاقہ سکون کی جانب آنا۔

هفت منازل: وادی طلب، وادی عشق، وادی معرفت، وادی استغناء وادی توحید، وادی حیرت، وادی فقر وفنا، یہ وہ سات وادیاں ہیں جو اراہِ سلوک میں سالک کو پیش آتی ہیں۔ حضر خواجہ

فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب منطق الطیر میں کیا ہے۔

ھوا: نفس کا سفلی جذبات کی جانب میلان۔

ھویت: ذاتِ باری کی جانب اشارہ۔

ھیولی: ہر وہ باطن ہیولیٰ کہلاتا ہے جو صورتِ ظاہر رکھتا ہے۔

ھیبت: مشاہدہ جلال، کیفیت ہیبت صرف عارفوں کا حصہ ہے۔

ھاجس: خاطر اول پہلا وارد قلبی، مرتبہ اول۔

ھجوم: جو کیفیت بغیر کوشش، اختیار اور ارادے کے پوری قوت کے ساتھ قلب پر وارد ہو۔

ھدایت: اسرار الٰہی میں سے وجودی اور الہامی سر ہے جو بندوں پر منکشف ہوتا ہے یا وہ جذبہ الٰہی کا وہ نور ہے جس کی روشنی میں (تائید الٰہی سے) عارف اس راستہ (ہدایت) پر چل کر اعلیٰ منازل کی جانب گامزن ہوتا ہے۔

باب الیاء

یار: تجلی صفات، نصرت الٰہی کا ایک انداز۔

یقین: وہ علم جس میں کسی قسم کا تردد نہ ہو۔ صوفیاء نے یقین سے اس کیفیت کو مراد لیا ہے جو حجت وبرہان کے بغیر ایمان کی قوت سے اعیان کا مشاہدہ کرائے۔

یاقوت حمراء: نفسِ کلیہ۔

یوم الجمع: روزِ قیامت۔

ربّ یسّر ولا تعسّر وتمّم بالخیر

☆